إِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ
بیشک اللہ پسند کرتا ہے اُن کو جو لڑتے ہیں اُس کی راہ میں صفیں باندھ کر گویا کہ وہ ایک دیوار ہیں سیسہ پلائی ہوئی

سَیْفُ اللّٰہ

خالد رضؓ بن ولید

اِسلامی فنونِ حرب کے ماہر اور فاتحِ اعظم کے
مجاہدانہ کارناموں کا
عہدِ حاضر کی ملٹری سائینس میں مرتبہ

اثرِ خامہ
میجر جنرل
محمدؐ اکبر خاں
کرنل کمانڈنٹ، پاکستان آرمی سروس کور

قیمت
پانچ روپے

فیروز سنز
لاہور کراچی پشاور

بار اوّل ———— ۱۹۵۸ء

تعداد اشاعت ———— ۱۵۰۰

طابع وناشر ———— فیروز سنز

قیمت ———— پانچ روپے

فہرس

حرفِ آغاز

جنگ انسان کی فطرت میں داخل ہے لیکن قاعدہ کلیہ کے مطابق اس کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ ایک جنگ ظلم و فساد اور طغیان و عدوان کو مٹانے کے لئے کی جاتی ہے اور دوسری قوت بازو کا مظاہرہ دکھانے، کسی کمزور ملک کو ہڑپ کرنے اور کمزوروں اور غریبوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے لڑی جاتی ہے۔ اوّل الذکر خیر اور موخّر الذکر شّر ہے۔

اسلامی جنگیں محض اپنا حق پانے، دُنیا سے شر و فساد مٹانے اور ظالم اور جابر شہنشاہوں کی طاغوتی طاقتوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے لڑی جاتی رہی ہیں۔ اسلامی تاریخ کے صفحات ایسے واقعات سے مزیّن ہیں کہ جب اسلامی عساکر نے کسی غیر مسلم بادشاہت کا خاتمہ کیا اور وہاں اپنی حکومت قائم کی تو وہاں کی غیر مسلم رعایا نے ان کی آمد کو اپنے لئے باعثِ خیر و برکت جانا اور خوشیاں منائیں۔ ایسے مقاصد کے لئے جو جنگ لڑی جائے وہ یقیناً خیر کہلانے کی مستحق ہے۔

لیکن یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ ہمارے مسلم مورخین نے اسلامی تاریخ کی تدوین و ترتیب میں اگرچہ بڑی کاوش و کوشش سے کام لیا ہے۔ لیکن انھوں نے اسلامی طریق جنگ کی وضاحت نہیں کی کہ مسلمان کس انداز سے لڑائی لڑتے تھے کہ ہر مقام پر فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے اور پھر ان کا طریقِ جنگ ایسا تھا۔ جو آنے والی نسلوں کے لئے مشعلِ ہدایت کا کام دے سکے۔

ہماری یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ مغرب کی چکا چوند نے ہماری نگاہوں کو اس قدر خیرہ کر دیا ہے کہ ہمیں ماسوا یورپ کے اور کہیں کوئی خوبی ہی نظر نہیں آتی۔ یہاں تک کہ وہ اصولِ حیات جس کے استادِ اوّل مسلمان تھے اور جہاں سے یورپ والوں نے کسب علم و ہنر کیا اور آج وہ آسمان کی بلندیوں پر پرواز کناں نظر آتے ہیں۔ آج ہم نہ صرف ان سے مستعار لے رہے ہیں۔ بلکہ انہی کو اس فن کا امام اور استاد تسلیم کر

رہے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے اس بدبختی کا جو اس وقت سے ہم پر مسلط ہے جب سے ہم نے آئین اسلام کو خیرباد کہا اور آزادی کی نعمتوں سے منہ موڑ کر طویل غلامی کو زیب گلو کرنے میں فخر محسوس کیا۔

جنرل محمد اکبر خاں صاحب کرنل کمانڈنٹ کی ذات ملتِ اسلامیہ کے لئے یقیناً باعثِ فخر ہے کہ انھوں نے ملت کی اس اہم ضرورت کو عین اس وقت محسوس کیا جب ہم آزادی ایسی نعمت سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ اور غلامی کے طوق کو اتار کر ایک دفعہ پھر آزاد فضا میں سانس لینے لگے ہیں۔ ایسے وقت میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ اغیار کی خیرہ کن جگمگاہٹ سے کسی قدر نظر ہٹا کر اپنے خزانہ میں وہ لولوئے لالا تلاش کریں جس سے خود مغرب نے اکتساب فیض کیا

حدیثِ دفاع، ہمارا دفاع، اسلحہ جنگ، محمد بن قاسم اور جہادِ صدیق وغیرہ اب تک زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ یہ امر موجبِ تشکر ہے کہ قوم نے ان کا شایانِ شان خیر مقدم کیا اور ہاتھوں ہاتھ لیا۔

زیر نظر کتاب "فتوحات خالد بن ولید" جنرل صاحب کا تازہ ترین شاہکار ہے۔ حضرت خالدؓ بن ولید کی فتوحات تاریخ اسلام کا زرین باب ہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ فتوحات رحمت خداوندی کا صدقہ ہیں۔ یا ان میں فنِ حرب کی خوبیاں بھی شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ تائید ایزدی بھی انھیں لوگوں کو سہارا دیتی ہے جو اپنی مدد آپ کرنے پر عامل ہوتے ہیں حضرت خالدؓ بن ولیدؓ میں وہ تمام خوبیاں مجتمع تھیں جو ایک اعلیٰ سپہ سالار میں ہونی چاہئیں۔

جنرل صاحب موصوف نے اپنی اس کتاب میں انہی عسکری اہلیتوں کو پیش کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ موصوف کا یہ کارنامہ ملت اسلامیہ پر ایک احسانِ عظیم ہے۔ اور ہماری یہ خوش بختی ہے کہ ہمیں جنرل صاحب موصوف کی کتب شائع کرنے کا فخر حاصل ہے۔

ان کتب کی تصنیف کا کام یقیناً جنرل صاحب کا ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے۔ لیکن آپ نے اپنی کتب کیلئے ایک ٹرسٹ قائم کر کے جس خلوص، ایثار، علم دوستی اور ملت پروری کا ثبوت دیا ہے۔ وہ یقیناً ایک عظیم اقدام ہے۔ جو اس دور میں ناممکن نظر آتا ہے۔ اس ٹرسٹ کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ آنے والی نسلوں کو بہترین فوجی تعلیم و تربیت دی جا سکے۔ اور مستحق فوجی طلبار کو وظائف دیئے جائیں۔ مقام مسرت ہے کہ ملک کی بعض بڑی بڑی شخصیتوں نے بھی اس کارِ خیر میں شرکت کی خواہش کی ہے۔ عام قارئین جنرل صاحب کی کتب کو خرید کر ہی اس صدقہ جاریہ میں حصہ لے سکتے ہیں۔

ناشرین

ذالک فضل اللہ

اس وقت تک میری جو کتب منظرِ عام پر آچکی ہیں اور انہیں قبولیتِ عامہ کا جو شرف حاصل ہوا ہے میں اسے پوری دیانت داری کے ساتھ محض خداوندِ کریم کا تفضل و احسان خیال کرتا ہوں ورنہ میرے جیسا فوجی قسم کا انسان جس کی تمام تر زندگی گولوں کی دنادن اور میدانِ موت میں بسر ہوئی ہو۔ جہاں صرف انسان کو تعمیلِ حکم کے سوا کچھ نہیں ہوتا فوجیوں کو مشین کی طرح حکم ماننا ہوتا ہے اس لئے یہ لوگ "اُجڈ" تصور کئے جاتے ہیں۔ ان سے یہ توقع رکھنا کہ کوئی تعمیری ادبی اور اسلامی خدمت انجام دے سکیں گے مشکل ہی نہیں ناممکن خیال کیا جاتا ہے۔ اور پھر مجھے تو ہرگز صاحبِ قلم ہونے کا نہ دعویٰ ہے نہ ہوگا۔ ہاں صاحبِ عقیدت ضرور ہوں اور مجھے اس پر فخر ہے میں ہی نہیں بقول غالب مرحوم ؏

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری

بقول حضرت قائدِ اعظمؒ پاکستان کا حصول تو کچھ مشکل نہ تھا، البتہ اس کو قائم رکھنا اور اسے عوام کی خواہشات کے مطابق ایک مثالی ملک بنانا اہم ترین فریضہ ہے۔

آزادی دنیا کی نعمتِ عظمیٰ ہے۔ اور اس آزادی کا تحفظ عوام الناس پر بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری سے وہی قوم عہدہ برآ ہو سکتی ہے جس کے بازوؤں میں قوت اور ارادے غیر متزلزل ہوں۔

قیامِ پاکستان کے بعد ہم نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ آدم غلامی سے ہمارے بیشتر جوہرِ حیات کو نابود کر دیا ہے۔ اور ہم بھول چکے ہیں کہ ہم کیا تھے؟ کیا تھے؟ اور اب کیا ہیں؟ بلاشبہ ہم نے مغرب کو اپنا قبلہ راست سمجھ رکھا ہے۔ جو خود ہمارا ریزہ چین تھا جس نے اسلامیوں کے صدقے میں تہذیب و تمدن سے روشناسی حاصل کی ورنہ اس کا تمدن موجودہ وحشی لوگوں سے ہرگز بہتر نہ تھا۔

خالدؓ بن ولید

یہ ملتِ اسلامیہ کی اس عظیم الشان شخصیت اور مجاہد
کی زندگی اور حربی کارناموں کی داستان ہے
جسے متفقہ طور پر مسلمانوں کا سب سے بڑا سپہ سالار
مانا جاتا ہے، جسے بارگاہِ رسالت سے سیف اللہ
کا خطاب مرحمت ہوا اور جس کے متعلق حضرت
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، "اگر خالدؓ بن
ولید زندہ ہوتے تو میں خلافت انہیں سونپ
دیتا اور جب میں اپنے ربّ کے حضور حاضر
ہوتا اور وہ پوچھتا کہ اے عمر، تو نے اُمتِ
محمدیہ پر کس شخص کو خلیفہ بنایا؟ تو میں عرض کرتا
اے اللہ! میں نے تیرے بندے اور حبیب
(رسول اللہؐ) کو یہ کہتے سُنا تھا کہ خالدؓ اللہ کی
تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے اس نے
مشرکوں پر مسلط کیا ہے۔"

یہ کتاب اسی عظیم مجاہدِ اسلام کی زندگی اور
عسکری ذہانت کے گوناگوں پہلوؤں پر روشنی
ڈالتی ہے۔

ابتدائیہ

اسلام کے سپہ سالارِ اعظم حضرت خالدؓ بن ولید کے حالات پر کثیر تعداد میں کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن جنگی نقطہ نظر سے ان کی زندگی پر آج تک کسی نے کوئی سیر حاصل تبصرہ نہیں کیا کہ آخر حضرت خالدؓ کن دفاعی اصولوں اور کونسے طریقہائے جنگ پر عمل پیرا ہوئے۔ جن کی بدولت انہیں فتوحاتِ عظیم حاصل ہوئیں، اور وہ کونسی خوبیاں تھیں جن پر کاربند ہونے سے قدم قدم پر کامرانی نصیب ہوئی ؟ اور کن اسباب کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے لشکرِ اسلام کو ہر قدم پر فتح و نصرت عطا فرمائی۔

مشرقی مورخین نے اس اہم نقطہ پر بہت کم توجہ دی ہے۔ اس کے برعکس مغربی مورخین اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ بسا اوقات افراط و تفریط کے حدود سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں۔ چنانچہ فوجوں کی نقل و حرکت اور محاربات کے محل وقوع نیز اصولِ فنِ حرب کو شکلوں، نقشوں، اقلیدسی زاویوں کی مدد سے واضح کرنے کی ایسی سعی کرتے ہیں کہ بسا اوقات اسی پیچیدگیوں کے باعث مسائل ناقابلِ تفہیم بن کر رہ جاتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مسئلہ جہاد ان الفاظ میں سمجھایا تھا کہ "تمام مسلمانوں کی تعداد ضبطِ تحریر میں لائی جائے" مغرب کے دفاعی مبصرین نے اسلام کے اسی اصول کو اپنا کر اسے "نیشن ایٹ وار" (NATION AT WAR) کا نام دے دیا جس کی رو سے ہر بالغ اور عاقل مرد و زن جو جسمانی اعتبار سے

صحت مند ہوں ان کے لئے فوجی خدمات لازمی قرار دے دی گئی ہیں۔ یہ اسلام کے اصولِ جہاد کی نقالی ہے۔ اس طرح مسلمانوں کے مقدس اصول "جہاد" کی نقل کر کے ان مغربی اقوام نے نہایت مختصر مدت میں اپنے افرادِ قوم کو جنگجو بنا دیا۔ حصول مقصد کے لئے سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں فوجی تعلیم و تربیت جبری قرار دے دی گئی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ افرادِ قوم بلا امتیاز فوجی سائنس سے نہ صرف متعارف ہوئے۔ بلکہ قواعد دان سپاہی بنا دیئے گئے۔ جو ضرورت پڑنے پر محاذِ جنگ سنبھال سکتے ہیں۔

دفاعی سیاست اور فنِ حرب کے چند اصول ایسے بھی ہیں جن سے قوم کے ہر فرد کا واقف ہونا ضروری ہے۔ یہ اصول نہایت آسان اور عام فہم ہیں۔ لیکن میدانِ کارزار میں چونکہ خطرات انتہائی بھیانک صورت میں نمودار ہوا کرتے ہیں، دوسرے لڑائی کی نوعیت دم بدم بدلتی رہتی ہے۔ لہٰذا ان اصولوں سے صرف وہی تجربہ کار، صاحبِ عزیمت، دُور اندیش اور مستقل مزاج سپہ سالار کام لے سکتا ہے جس نے بزمانہ امن تاریخی اور واقعاتی کتب کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہو، اور نتائج اخذ کرنے میں مشاق ہو۔ ایسا سپہ سالار مشکل سے مشکل مسائل میدانِ جنگ میں حل کر لیتا ہے۔ نپولین کہتا ہے "میری متعدد کامیابیوں کا راز کسی الہامی اور مافوق البشر طاقت میں مضمر نہیں بلکہ اس میں ہے کہ لڑائی سے پہلے ہی میں آئندہ رونما ہونے والے واقعات پر ہر پہلو سے غور کر کے آخری نتیجے پر پہنچ جاتا ہوں۔ پھر جو دفاعی منصوبہ تیار کرتا ہوں اس کی رو سے دشمن کی ہر قسم کی چال میرے لئے معمہ اور عقدہ لاینحل نہیں رہتی کیونکہ میں اس کی ہر ایک چال کا دفاعی ردِ عمل پہلے ہی سوچ لیتا ہوں"۔

میدانِ جنگ کے جغرافیائی حالات سے واقفیت کی اہمیت

واقعات جنگ کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے میدانِ جنگ اور گرد و نواح کے تمام علاقوں کے جغرافیائی حالات کا پورا علم ہونا نہایت ضروری ہے۔ وہاں کے دریا،

ہمارے میدانی علاقے، نشیب و فراز، کوہستان، سڑکیں، موسمی تغیرات یعنی بارش کب اور کتنی ہوتی ہے۔ سڑکیں بارش سے کس قدر متاثر ہوتی ہیں۔ برف باری، دھند، کہر کس قدر پڑتی ہے، آندھیاں اور بگولے کس طرح آتے ہیں۔ دن کیسا کیا ہوتا ہے۔ نیز ان سرحدوں کی اقتصادی اور معاشرتی حالت کیسی ہے۔ ان تمام امور کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے مختلف کتب انگریزی میں ہیں۔ چونکہ ہمارا مقصد ... فنی اصطلاحات کو آسان انداز سے پیش کرنا ہے اس لئے ہم نے فن حرب پر کتب کثیر سے استفادہ کیا ہے۔ گو ہم ان تمام صاحب تصنیف کی رائے سے متفق نہیں بلکہ حسب موقع ان پر منصفانہ تنقید بھی کی ہے اور اختلاف ظاہر بھی کیا ہے۔ نتیجہ، اتفاق یا اختلاف دونوں صورتوں میں ہمارے پیش نظر یہ حقیقت رہی کہ بنیادی دفاعی اصول اب بھی مستعمل ہیں جو قدیم زمانے میں تھے۔ صرف طریقہ جنگ میں بہت فرق ہو گیا ہے۔ آج کل مشینوں کا دور ہے۔ ... مشینوں نے انسانی اور حیوانی طاقتوں کی جگہ لے لی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب کوئی رسالہ یا پلٹن چوبیس گھنٹوں میں چالیس میل کی مسافت طے کرنے کے بعد دوسرے دن میدان جنگ میں برسرپیکار ہونے کے قابل رہتی تو اُسے نہایت قابل تعریف فوجی دستہ قرار دیا جاتا تھا۔ لیکن اب فاصلے اور قدرتی موانع مثلاً بلند و بالا پہاڑ، دشوار گزار گھاٹیاں، عمیق دریا اور راستے کی دشواریاں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ ہوائی جہاز، موٹر، اور موٹر سائیکلوں پر سوار دستے، پلٹنیں اور توپ خانے، نہایت قلیل وقت میں، بڑی سے بڑی طویل ترین مسافتیں گھنٹوں میں طے کر لیتے ہیں۔

لیکن نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ ان مشینوں سے کام لینے اور انہیں چلانے والا انسان ہی ہوتا ہے۔ یہیں تک موجودہ انسان پرانے زمانے کے انسانوں سے بمقابلہ قوتِ جسمانی و ذہنی اور باعتبار صحت زیادہ بہتر ہیں یا نہیں۔ ہم اس کا جواب نہیں دیتے۔ البتہ بیان کئے دیتے ہیں کہ اگلے وقتوں کے سورما جب میدانِ جنگ

پہن رکھتے تھے ۔ تو ان کے سروں پر وزنی فولادی خود ۔ شانوں پر آہنی بکتر، سینے پہ آہنی زرہ ہوتی تھی ۔ ہاتھ میں وزنی گرز ۔ گلے میں ایک طرف ڈھال ، دوسری طرف تلوار حمائل ہوتی تھی ۔ گھوڑے پر سوار ، چابک دستی کا یہ عالم کہ حریف پر وار کرنے یا اس کا وار خالی دینے میں بلا کی تیزی ، بس یہی معلوم ہوتا تھا کہ ایک بجلی ہے جو کوند گئی ۔ پلک جھپکانے ہی وار یا تو خالی گیا یا کارگر ہو گیا اور شمشیر خارا شگاف موٹے فولادی خود کو کاٹتی ہوئی جسم میں سے سرایت کر کے نچلے دھڑ تک اتر گئی ہے یہ تھا ان کی قوت کا عالم ۔ آج کل کا سپاہی نزاکتِ مجسم ، دست بدست جنگ کا خوگر نہیں ۔ خندقوں میں لیٹ کر دور کی مار کرنے والی رائفلوں سے دشمن پہ باڑھ مارتا اور فضا کی انتہائی بلندیوں سے بم برسا کر بھاگتا ہے ۔

موجودہ زمانے میں مشینی جنگ کے باعث جغرافیائی معلومات کا ہونا اشد ضروری ہے لیکن اگلے وقتوں میں بھی اس کی کچھ کم اہمیت نہ تھی ۔ لشکر کے سپہ سالار کو غنیم کی نقل و حرکت سے واقف ہونے اور اس کا مقابلہ کرنے سے پہلے ضروری تھا کہ وہاں کے قدرتی موانعات مثلاً دریا ، پہاڑ ، ارتفاع اور تمام دیگر چیزوں کا علم ہو ۔ اکثر سپہ سالار محض اس لئے شکست کھا گئے کہ انہیں متعلقہ قدرتی موانعات کا صحیح علم نہ تھا ۔ حالانکہ وہ خود بہت تجربہ کار تھے اور ان کی فوج بھی اعلیٰ قدر مراتب طاقتور اور جری تھی ۔

فنِ حرب کے اصول اور دفاعی سیاست پر میں نے اپنی دوسری کتابوں — حدیثِ دفاع ، ہمارا دفاع ، اسلحہ جنگ ، جہادِ صدیق اور محمد بن قاسم میں بشرح و بسط بحث کی ہے ۔

اخلاقی طاقت

نپولین بونا پارٹ کا قول ہے "جنگ میں فتح و شکست کا زیادہ تر انحصار اخلاقی طاقت پر ہوتا ہے" ہماری تحقیقات کے مطابق یورپ کے نمائندگان صلیب نے جس زمانے میں بیت المقدس آکر جو خدمت گزاری شروع کی تھی ، وہ بے غرض اور بے لوث

نہیں تھی۔ یورپ کے یہ نائٹ ارضِ مقدس میں آکر کمال عجز و فروتنی سے کہیں ہسپتالوں
میں تیمار داری کرتے تھے تو کہیں کلیساؤں میں جاروب کش۔ ان کا منشا و مقصد یہ ہوتا تھا کہ
عربوں کے قریب رہ کر خفیہ طریق سے اسلامی فنونِ جنگ کا گہری نظر سے مطالعہ کر سکیں
وہ اسلام کی دفاعی تعلیم کے راز معلوم کرنے کی نیت سے ادنیٰ خدمتیں تک قبول کر
لیتے تھے۔ ہمارے نظریہ کی تصدیق اس امرِ واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ سب سے اوّل
فرانس نے پیرس یونیورسٹی میں عربی طرزِ سائنس کا درجہ فضیلت قائم کیا۔ پھر نپولین
یورپ کا وہ پہلا انسان تھا جس نے حدیثِ دفاع کا اپنی مادری زبان (فرانسیسی)
میں نہ صرف بنظرِ تحقیق مطالعہ کیا بلکہ لفظاً لفظاً معناً معناً اس پر عمل کر کے دنیا کا کامیاب
جرنیل قرار پایا۔ نپولین اگر تنگ نظری سے کام نہ لیتا، اور اپنے ماتحت جرنیلوں کو
بھی اپنے سائنس سے کماحقہٗ مستفیض کر دیتا تو واٹرلو کے میدانِ جنگ میں اسے
ہرگز شکستِ فاش نصیب ہوتی مگر اس کی خواہش تھی کہ عربوں کے اصولِ جنگ
دریافت فنِ حرب سے عوام واقف نہ ہونے پائیں۔ بلکہ انھیں اس کی ذاتِ خاص
سے منسوب کیا جائے اور وہ "نپولین کے دفاعی اصول و نظریات" مشہور ہوں۔
نپولین اپنی اس خواہش میں کامیاب ہوا لیکن بہت دیر میں۔ اس کے قید ہو
جانے کے بعد اہلِ فرانس پر یہ راز منکشف ہوا کہ نپولین کی عسکری سیاست اور
اس کے دفاعی اصول اس کی ایجاد نہیں تھے۔ بلکہ اس نے مسلمان عربوں سے لئے
تھے۔ لیکن اس زمانے کے سیاسی حالات مقتضی تھے کہ انھیں فرانس کے ایک فرزند
کی جانب معنون و منسوب کر کے یورپ پر احسان جتایا جائے تاکہ شکست خوردہ
اور آبرو باختہ فرانس کو توازنِ یورپ برقرار رکھنے کی خاطر باقی رہنے دیا جائے
اور اس کے مخالفین سے درگزر کر کے اسے آزادی کے ساتھ زندہ رہنے کا
حق بخش دیں اور انتشار پیدا کرنے کا جرم معاف کر دیا جائے۔
نپولین اور اس کے ابنائے وطن اپنی سرقہ پسندی میں کامیاب ہو گئے۔ جس
کی وجہ یہ بھی تھی کہ مغربی حکومتوں نے اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک

تو دیا تھا لیکن انہیں خوف ہمیشہ لگا رہا کہ نہ معلوم کب یہ بند ٹوٹ جائے۔ اور مجاہدینِ اسلام یلغار کر کے پھر یورپ میں داخل ہو جائیں۔ لہٰذا ضروری تھا کہ اصولِ دفنِ دفاع کے ماہر نپولین کا قید و اسیری میں خاتمہ کر کے زاں بعد اسے حدیث دفاع کا موجد اور قائد مشہور کر دیا جائے۔ اس طرح یورپی طاقتوں نے مدت تک اسلامی سلطنتِ عثمانیہ کو خائف بنائے رکھا۔ آج بھی نپولین کی قدر و منزلت کا یہ عالم ہے کہ جس طرح مشرق میں لوگ اپنے بزرگوں کے مزارات پر روحانی استفادہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں بعینہٖ اسی طرح یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے جرنیل نپولین کی قبر پر آستان بوسی کرتے ہیں۔

نظم و نسق

جب دو فوجوں کا آمنا سامنا ہوتا ہے تو وہی فوج غالب رہتی ہے جو تنظیم میں حریف سے برتر اور اعلیٰ ہو اور پھر اس دور میں تو نظم و نسق کی اور بھی اشد ضرورت ہے کیونکہ اقتصادی وجوہ کی بنا پر کسی قوم میں اتنی استطاعت نہیں کہ زمانہ امن میں بھی ایک جرّار لشکر ہر وقت تیار رکھ سکے۔ بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جنگ شروع ہونے کے امکان پر، یا شروع ہونے پر، یا جنگ کے دوران میں، فوج کی کمی ان رضاکاروں سے پوری کی جاتی ہے۔ جو برضا و رغبت وطنِ عزیز کی مدافعت کے لئے اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔ پھر جب اس طرح بھی فوج کی قلت محسوس ہوتی ہے تو حکومت کو جبری فوجی بھرتی کا اعلان کرنا پڑتا ہے۔ ایسے صورت میں لشکروں کے اندر اُن والنٹیروں کی تعداد بہت زیادہ ہو جاتی ہے جنہیں رنگروٹ کہا جاتا ہے۔ اس نیٹ ورک میں اس فوج کو، انتہائی تنگ وقت میں وسیع ترین لشکر بنانا پڑتا ہے لہٰذا نظم کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ نظم کی اب بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی خلفائے راشدین کے زمانے میں تھی۔ جبکہ مجاہدینِ اسلام چاروں طرف سے جوق در جوق جہاد میں شریک ہونے کی غرض سے چلے آ رہے تھے اور انہیں نہایت قلیل وقت میں دشمن کے مقابلے کے واسطے روانہ کرنے سے پہلے بطور مختصر اور تربیت یا فنِ عسکری

جماعت کے ڈھالنا پڑتا تھا اور یہ لازمی تھا۔

نسق

نظم کا زیادہ تر انحصار نسق ہی پر ہوتا ہے۔ کیونکہ ان رضاکاروں کو بصورتِ ممکنہ عسکری جماعت بنا کر اور منظم کر کے دشمن کے مقابلے میں صف آرا کرنا پڑتا ہے۔ پس

میدانِ جنگ میں محفوظ پڑاؤ کا نقشہ

دشمن
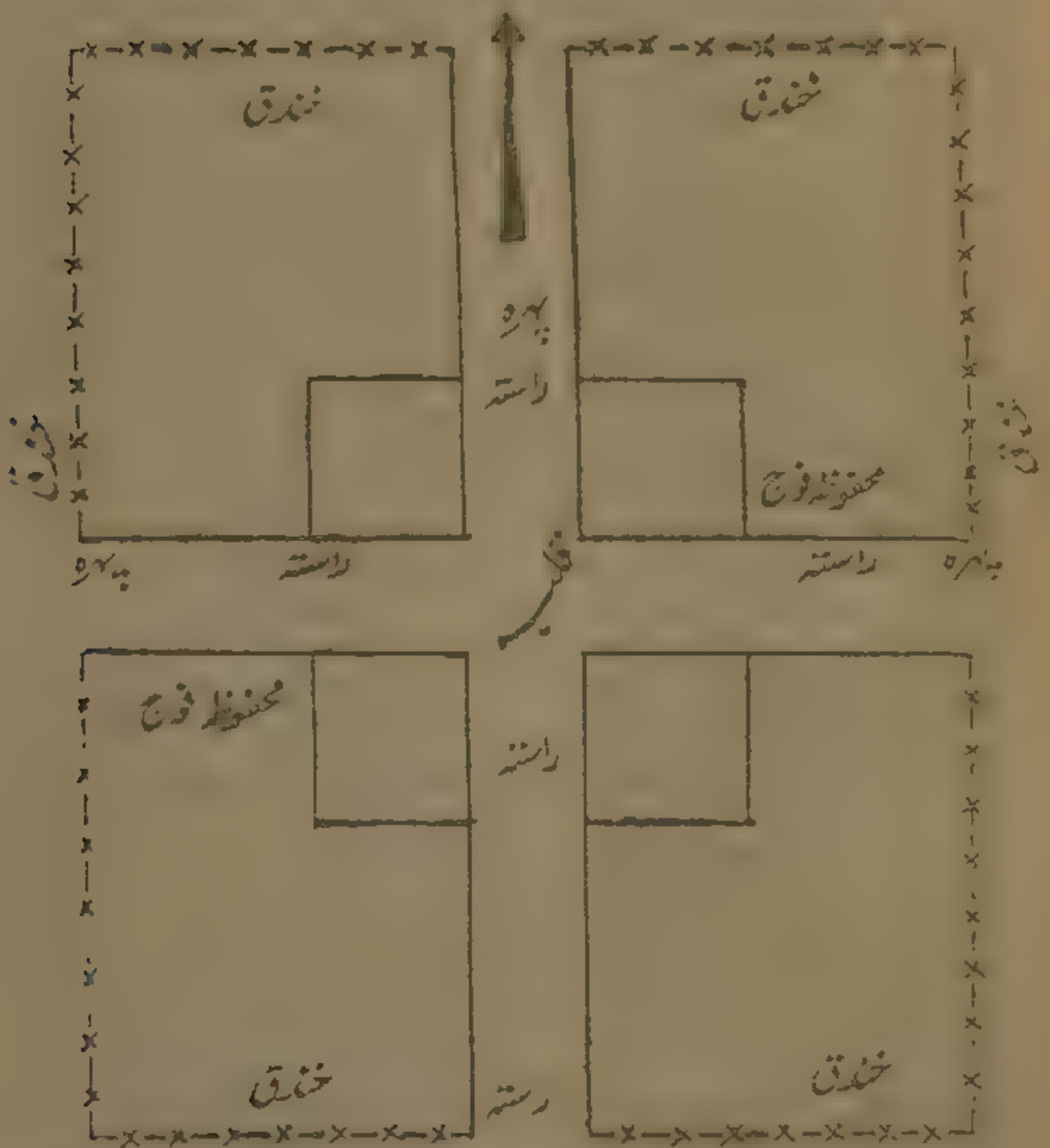
خندق　　خندق

پہرہ

راستہ

محفوظ فوج

پہرہ　راستہ　قبر　راستہ　پہرہ

محفوظ فوج

راستہ

خندق　راستہ　خندق

نظم ترتیب ہے نسق کا اور نظم نسق کا متأخر مرحلہ ہے یا یوں کہئے کہ نسق بنیاد ہے
نظم کی۔ [illegible] میں منظم جماعت کی بجائے منتشر ٹولیاں لڑتی ہیں۔ جیسے گوریلا
جنگ میں [illegible] جب گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ طریقِ جنگ بھی

تنظیم کا محتاج ہے ۔ یہاں بھی نظم کی بہت اہمیت ہے کیونکہ گوریلا جنگ میں سالار اور دیگر عہدے دار اپنے جوانوں سے بہت دور رہتے ہیں ۔

تجربہ شاہد ہے کہ جہاں بھی اور جب کبھی نظم میں کمی واقع ہوئی تو جماعت کا شیرازہ بکھرا اور کمزوری رونما ہوئی ۔ لیکن اس سے ہرگز یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ صرف نظم کی بدولت فتح و ظفر حاصل ہوتی ہے اور اس کے فقدان سے شکست ۔

فوجی نظم ایک اصطلاح ہے ۔ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے ۔ اس کی تعریف میں بے شمار لوازم آجاتے ہیں ۔ پھر نظم و نسق کے ساتھ عزم و استقلال، جرأت اور بے باکی، پامردی، تمام صعوبتیں برداشت کرنے کا ناسہ، یہی وہ خصوصیات ہیں جن کے بغیر کوئی سالار شہرت اور نیک نامی نہ حاصل کر سکا۔ نہ وہ قوم فیروزمند اور سرخرو ہوئی جس کے افراد میں یہ خصوصیات موجود نہ رہی ہوں اور نہ کوئی قوم معراجِ برتری کو برقرار رکھ سکی، تاوقتیکہ اس قوم نے اپنی آنے والی نسلوں میں یہ خصوصیات ودیعت نہ کردی ہوں ۔ جس طرح زنجیر کی ایک کڑی اگر کمزور ہو تو زنجیر ٹوٹ جاتی ہے، بعین اسی طرح قوموں کا اقتدار اور ان کی ترقی کمزوریوں کے باعث زوال پذیر ہو جاتی ہے ۔ اس سے یہ منشا نہیں ہے کہ مذکورہ خصائص صرف ان لوگوں میں لازماً ہونے چاہئیں جو جنگی خدمات انجام دینے پر مامور ہوں، بلکہ قوم کا ایک ایک فرد ان خصوصیات سے متصف ہونا چاہیئے ۔ اور جس طرح خلفائے راشدین کے عہد میں ہر مسلمان مرد اور عورت میں یہ خصوصیات لازماً موجود تھیں، اسی طرح آج بھی ان کی اشد ضرورت ہے ۔ کیونکہ محاربات کی شکل اب بھی وہی ہے جو اس وقت تھی بلکہ اب تو نہ صرف امن کی زندگی خطرے میں ہے، خود اسلام کو شدید خطرہ لاحق ہے ۔ ذرا تصور کیجئے کہ آپ ان چند مسلمانوں میں سے ہیں جو ہجرت سے پہلے مکے میں تھے یا آپ ان مجاہدین میں سے ہیں جو غزوات بدر، حنین، خندق، اور احد میں شامل تھے کیا اس وقت لڑائی صرف ان مجاہدین نے لڑی تھی جو ان غزوات میں عملاً شامل ہوئے تھے یا ان فتوحات میں ان لوگوں کا بھی تعاون شامل تھا جو میدان غزوات سے دور

شہرۂ آفاق انگریز مفکر گبن نے اپنی قوم کو ان الفاظ میں خطاب کیا ہے: "جس قوم کے ہاتھ تلوار پکڑنے سے لرزتے ہیں وہ قوم ذلت و رسوائی کے ساتھ محکوم ہو جاتی ہے۔"
مشہور فلسفی و انشا پرداز طامس کارلائل کہتا ہے: "عدل و راستی کے حقوق! وہ حقوق ہی کیا جو باعدل ہوئے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہر طرح کے حقوق خواہ وہ کیسے ہی ہوں باعدل بنائے جا سکتے ہیں!" ان مفکرین کی آراء پیش کرنے سے ہرگز یہ مدعا نہیں کہ ہم ان سے اتفاق کرتے ہیں۔ یا ان کے اصول ہماری دانست میں پسندیدہ ہیں بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہمارا واسطہ کس قماش کے لوگوں سے ہے۔ اور ان لوگوں کا اصولِ زندگی کیسا ہے۔ اسلامی زندگی کی روحِ رواں امن ہے ——— وہ امن جو عزت اور مکارمِ اخلاق کی بنیاد پر قائم ہو۔

ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جب تک قانون کے احترام اور تحفظ کا کوئی ضمیمہ نہ ہو، انسانی زندگی میں آئے دن کچھ نہ کچھ خلل واقع ہوتا رہتا ہے۔

انسانی فطرت

جنگ فطرتِ انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ ہر زمانے میں کسی نہ کسی شکل میں جنگ دنیا پر مسلط رہی ہے۔ آج کل سائنس کی حیرت انگیز ترقی نے بڑے عجیب عجیب اور برق رفتار وسائل نقل و حمل، آلات اور اسلحہ مہیا کر دیئے ہیں۔ زمین کی طنابیں کھنچ کر رہ گئی ہیں۔ بُعدِ زمان و مکان بے حقیقت شے ہو کر رہ گیا ہے۔ تمام عالم جو ایک دوسرے سے کتنے ہی فاصلے پر کیوں نہ ہوں باہم مسلک ہو گئے ہیں اور اس طرح اقوامِ عالم ایک عالمگیر برادری میں منسلک ہو گئی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ حالت ہے کہ جب تک بین الاقوامی تعلقات مستحکم نہ ہوں ضروریاتِ انسانی پوری نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح بین الاقوامی کشیدگی بھی رونما ہوتی رہتی ہے جس کے نتیجہ میں تباہ کن جنگ کے بادل عالم آبادِ ارضی پر منڈلاتے رہتے ہیں۔ جنگ عظیم اول نے جو غارت خیزیاں برپا کیں ان سے بنی نوع انسان کے دل لرز اٹھے تھے۔ ہر شخص کی زبان پر تھا کہ ہم آئندہ جنگ نہیں چاہتے۔ چنانچہ قیامِ امنِ عالم کے لئے تمام قوموں نے لیگ آف

نیشنز (جمعیۃ الاقوام) قائم کر کے جنگ نہ کرنے اور جنگ کے امکانات ختم کرنے کا پیمان باندھا۔ لیکن ۱۹۳۹ء میں ہٹلر نے اس میثاق کے پرخچے اڑا کر جنگ شروع کر دی۔ نتیجتاً لیگ آف نیشنز اپنی موت آپ مر گئی۔ اور دنیا ایک مرتبہ پھر وحشت و بربریت اور ہولناک کشت و خون، تباہی و بربادی کی لپیٹ میں آگئی۔ اس جنگ کے بھیانک اور خونیں واقعات اب تک عوام کے ذہنوں میں محفوظ ہیں۔ اس جنگ کے خاتمے پر قیام امن عالم کے لئے مجلس اقوام متحدہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ چنانچہ آج اس میں دنیا کے ۹۲ ملکوں کے نمائندے قیام امن اور دنیا کو آئندہ جنگ سے بچانے کے لئے تگ و دو کر رہے ہیں۔ ان کی سعی بلیغ ہے کہ آئندہ دنیا کو جنگ کی تباہ کاریوں سے مامون اور محفوظ رکھا جائے۔

لیکن یہ جنگ کا خطرہ مستقل طور پر ٹل چکا ہے؟ عوام کے دلوں میں اضطراب موجود ہے۔ حکومتیں کوشش کر رہی ہیں کہ نقض امن واقع نہ ہو۔ بایں ہمہ تیسری عالمگیر جنگ کے آثار و قرائن موجود ہیں اگرچہ چار بڑی طاقتیں — فرانس، انگلستان، روس، امریکہ — کے لیڈروں نے ایٹمی لڑائی کی علی الاعلان مذمت کی ہے۔ اور یو-این-او میں اقرار کیا ہے کہ وہ ہرگز جنگ کے خواہاں نہیں ہیں۔ پھر خود ان کی دشمنی میں حالت کا اقتضا یہ نہیں کہ ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، اور دیگر مہلک ہتھیار نہ بنائے جائیں۔ اور نئی نئی ایجادیں نہ کی جائیں۔ ذخیرہ کی جائیں۔

مجلس اقوام متحدہ کے روح رواں ہوتے ہوئے خود ان چار بڑوں میں سے دو — فرانس اور انگلستان — نے حال ہی میں اقوام متحدہ کے خود بنائے ہوئے منشور کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مصر پر جارحانہ حملہ کر دیا۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ وہاں انتہائی خطرناک قسم کے مہلک بم "نیپام بم" استعمال کیا!

آج کل حالات اتنے عجیب و غریب ہو رہے ہیں کہ وہ ملک جسے جنگ میں شریک ہونے کی قطعی خواہش نہیں، اپنی خواہش کے خلاف جنگ میں شرکت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور اسے ناگزیر طور پر جنگ کرنی پڑتی ہے۔ یوں کہیے کہ جنگ اس پر لاد

دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر "الف" ایک ملک ہے۔ وہ جنگ کرنا نہیں چاہتا۔ مگر دوسرا ملک "ب" بلاوجہ اس پر حملہ کر دیتا ہے۔ اب "الف" مجبور ہے کہ اپنی مدافعت کرے۔ اگر "الف" دفاعی جنگ نہیں لڑتا تو وہ مغلوب و محکوم ہو کر غلامی اور ذلت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ملک دوسرے ملک پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان جو تیسرا ملک ہے۔ وہ حملہ آوروں کی بری، بحری، اور فضائی طاقت کو اپنے ملک سے گزرنے کی اجازت دینے کو تیار نہیں۔ اسے بھی جنگ میں شامل ہونا پڑتا ہے خواہ وہ ناخواستہ ہی کیوں نہ ہو، زبردستی جنگ کی لپیٹ میں آ جانے کی اور بھی کئی صورتیں ہیں
ہمیشہ ہوتا آیا ہے کہ انسان کو اختلافات باہمی کے تصفیے کے لیے بالآخر تلوار اٹھانی پڑی۔ اس طرح وہ فطری طور پر جنگ و جدال کا خوگر ہے۔

اعلانِ جنگ

دنیا میں جتنی قومیں آباد ہیں خواہ وہ مہذب ہوں یا غیر مہذب۔ ان کی قیادت ان کے حقوق و مفاد کی نگرانی، اور ان کے جذبات و خواہشات کی نمائندگی ان کی حکومتیں کرتی ہیں۔ اپنی ہمسایہ حکومتوں کے ساتھ دوستی اور دشمنی کی پالیسی بھی ان حکومتوں کو وضع کرنی پڑتی ہے۔ اور تمام امور خارجہ سے متعلق اپنی پالیسی وضع کرتے وقت بہت سے حقائق کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً ہمسایہ حکومتوں کے جغرافیائی اور سیاسی حیثیت، ہمسایہ قوم کے اخلاق و کردار، معاشرت، معاشی حالت، فوجی طاقت، ذہنیت، نیز یہ کہ ہمسایہ قوم اولوالعزم ہے یا نہیں، خوددار ہے یا نہیں۔

چونکہ کوئی قوم اعلانِ جنگ کی جسارت اسی وقت کرتی ہے جب وہ خوددار ہونے کے باوصف برتریت پر اپنے حقوق کے تحفظ کا احساس رکھتی ہو اور وہ آمادہ ہو۔ اس کی خارجی پالیسی عزم و استحکام کے ساتھ برقرار رکھی جا سکے۔ اور اس کے پیچھے تمام صحیح قوتیں موجود ہوں۔

روم اور فارس کے حکمرانوں، ان کے ماتحت دیگر ریاستوں اور ان کے

حکومتوں نے جب دیکھا کہ حجاز جو ہمیشہ سے ان کے زیر نگیں چلا آتا تھا اور ظہور اسلام
کے بعد آزاد ہونے کے لئے انگڑائی لے رہا ہے، تو انہیں سخت ناگوار گزرا۔ عہد رسالت
ہی میں مذکورہ حکومتوں کو خطرہ محسوس ہو چکا تھا۔ نبی کریم صلعم کی وفات کے بعد یہ
حکومتیں اٹھیں اور اس خطرے کا سدباب کرنے کے لئے تمام ضروری وسائل اختیار کئے۔
نبی کریمؐ کی وفات کے بعد دنیائے اسلام کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ
تعالیٰ عنہ منتخب کئے گئے۔ آپ نے مذکورہ سلطنتوں کے جاہ و حشمت، سطوت اور فوجی طاقت
کی بالکل پرواہ نہیں کی۔ اور اسلام کی دعوت تمام روئے زمین پر پہنچانے اور پیغام
دوسروں تک پہنچانے کی خاطر علم جہاد بلند فرمایا۔

جنگ کو جاری رکھنے کی ذمہ داری

قوم اور ملت کی خود داری اور عظمت برقرار رکھنے کے لئے جب جنگ کی جاتی
ہے تو اسے کامیابی سے اختتام تک پہنچانے کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی
ہے جنگ کی رہنمائی حکومت کرتی ہے۔ آج کل کی حکومتیں جنگی قیادت اپنے
بری، بحری، فضائی سپہ سالاروں کو تفویض کر دیتی ہیں یا ایک دفاعی مجلس
تشکیل دے کر اسے مناسب اختیارات سونپ دیتی ہیں۔ سپہ سالار جنگ کو
ذاتی اختیارات دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ کامیابی سے جنگ جاری رکھ سکے۔ لیکن
اس کے ساتھ چند پابندیاں بھی عائد کی جاتی ہیں تاکہ حکومت اور سپہ سالار دونوں اپنی
ذمہ داریاں محسوس کریں اور کمال یکجہتی اور تعاون سے کام کر سکیں۔

غیر دفاعی امور

جنگ چھڑ جانے کے بعد محاربین کو اکثر اوقات کچھ نمائشی کامیابیاں بھی
حاصل کرنی پڑتی ہیں۔ اور انہیں ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ان کامیابیوں کا دفاعی
نقطۂ نظر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا خواہ کتنا ہی غیر ضروری کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اتحادیوں
نے ۱۹۱۵ء میں درہ دانیال پر اس خیال کے تحت حملہ کیا تھا۔ کہ ترکوں کو شکست
دینا ضروری تھا کہ درہ دانیال پر قبضہ کر کے اور ترکوں کو شکست دے کر وہ قوم و

ملک کے آگے نہ محض سرخرو ہوں گے بلکہ اپنے عوام میں عزم و استقلال کی روح پھونک دیں گے ۔ لیکن جب اس محاذ پر خود انہیں شکست کھانی پڑی تو انھوں نے فوراً عراق کی جانب پیش قدمی کر کے اسے فتح کر لیا اور اس طرح عوام کی نظر میں اپنی وقعت اور فتوحات کی صلاحیت کار کا سکہ جما دیا ۔

ہر سپہ سالار کو اپنے اہل ملک کی خوشنودیٔ طبع کا بڑا پاس ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ سامان جنگ ، رسد و کمک ، اسی منبع سے دستیاب ہوتی ہیں ۔ بنابریں بعض اوقات تو مجبوراً صرف اسی سیاسی نظریہ کے پیش نظر چند غیر ضروری فتوحات حاصل کرنے کے احکام کی تعمیل کرنی پڑتی ہے ۔ جو محکمہ دفاع اور سپہ سالار کو موصول ہوئے ہوں ۔ خواہ فن حرب کے اصول و نظریات سے ان احکام میں خواہش کردہ فتوحات کی کوئی وقعت نہ ہو ۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ۱۹۴۱ء میں جرمنی نے اتحادی فوجوں کو شمالی یورپ سے خارج کر دیا تھا ۔ پھر عین اس وقت جبکہ جنرل ویول جرمن اور اطالوی فوجوں پر کاری زخم لگانے والا تھا تو انہیں سیاسی نظریہ کے ماتحت مجبور ہو کر اپنی فوج کا معتد بہ حصہ یونان کی مدد کے لئے روانہ کر دینا پڑا ۔ اور اس طرح وہ خود انتہائی دشواریوں میں گھر گیا تھا ۔

مداخلت ۔

مندرجہ بالا مختصر تذکرہ سے عیاں ہے کہ حکومت کو جنگی کارروائیوں کے دوران میں بارہا طرح طرح کی بے جا مداخلتیں بھی کرنی پڑتی ہیں ۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ۔

۱۸۵۵ء میں برطانیہ کے سیکرٹری محکمہ دفاع —— لارڈ پینمور —— نے کریمیا میں متعینہ سپہ سالار افواج برطانیہ لارڈ ریگلن کو لکھا تھا ۔

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی فوج کے ہر شخص کی اور آپ کی ذمہ داریوں کا معترف ہوں گا ۔ اور آپ کی پوری مدد کروں گا ۔ لیکن مختصر یہ آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسٹر پامرسٹن (وزیر اعظم حکومت برطانیہ) قومی معاملات میں عوام کی باتوں پر بہت زیادہ

دھیان دیتے ہیں (اس سے مراد برطانوی افواج کا وہ جانی نقصان تھا جو جنگِ کولمبیا میں ہوا۔ مصنف) اس لئے ہم مجبوراً عوام کے اضطراب کے باعث آپ کو وعظ و نصیحت کرتے رہتے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کاغذ کے اوراق پر فوجی منصوبہ قلم بند کرنا بہت آسان ہے۔ مگر میدانِ جنگ میں ایسے منصوبے کو جامۂ عمل پہنانا آسان نہیں ہے۔"

حکومت اور عوام، دونوں کو ہمیشہ اس مسلّمہ حقیقت کو ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ میدانِ جنگ میں لڑانے والوں کے خلاف منشا ذرا ذرا سی باتوں میں دخل اندازی بعض اوقات نہایت نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہٹلر نے روس پر حملہ کرنے کے دوران میں اپنے سپہ سالاروں کو ایسی قسم کے احکام دیئے تھے۔ اس اجمال کی تفصیل ہم اپنی کتاب "جار دفاع" میں ظاہر کر چکے ہیں۔

سلطنت روم اور فارس کے فاتح حضرت خالدؓ بن ولیدؓ کو ہمیشہ جنگوں میں فاتح بنانے میں امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنی امداد فرمائی۔ اس پر ہم آئندہ بحث کریں گے۔ نیز آپ کے فرمان اور ہدایات درج کریں گے جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اور جن سے خالدؓ کے کامیاب جنرل بننے پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ فرمان و ہدایات اس قابل ہیں کہ ہماری حکومت کے ارکان اور فوجی افسران بغور مطالعہ فرمائیں اور ان سے استفادہ کریں۔

ملکی حفاظت

عام طور پر اصطلاح کے مطابق "حفاظتی منصوبہ" کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ دشمن کے تسلط سے ملک کے تمام مقامات کی حفاظت کی جائے۔ مگر جہاں ملک کی حفاظت وسیع ہوتی ہے۔ اس اصطلاح کا مفہوم کچھ اور ہو جاتا ہے۔ اس وقت مراد یہ ہوتی ہے کہ اپنے مقبوضہ اور مفتوح ممالک کی حفاظت، نگرانی، اپنے ملک کے تجارتی بین الاقوامی مفادات۔ اپنے ملک کی خارجہ پالیسی کا احترام، اپنے مخالفین یا ان کے مددگاروں کے ہر قسم کے حملے کو پسپا کر دیا جائے۔ اسے دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے

کہ "ملک کی حفاظت" سے مراد ہے کہ دشمن کی یلغار اپنی سمت آنے سے پہلے ہی
اس پر پیش قدمی سے حملہ کر دیا جائے تاکہ اسے ہم پر حملہ آور ہونے کی جرأت ہی نہ ہو۔
اسے بہترین الفاظ میں ادا کرنے کے لئے "جہاد فی سبیل اللہ" موزوں ترجمہ ہے۔
گو مغربی دنیا دانستہ طور پر جہاد فی سبیل اللہ کو غلط معنی پہناتی ہے۔
امر مسلمہ ہے کہ اپنے ملک کی حفاظت کے پیش نظر دشمن کے حملے کا انتظار کرنے
کی بجائے پہلے ہی اس پر حملہ کر دینا بہتر ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول اور
خالدؓ بن ولید کے سوانح پڑھنے سے اس امر مسلمہ کی بار بار تصدیق ہوتی ہے۔

دفاعی سیاست بزمانہ امن

چونکہ جنگ میں دفاعی سیاست کے اصول کو مدنظر رکھ کر فوجیں لڑائی جاتی ہیں
لہذا امن کے زمانے میں دفاعی سیاست کا تقاضائے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اپنے ملک کے
عوام، دولت، لشکر اور تمام ممکن ذرائع اور وسائل کو بہترین اسلوب سے ملک کی حفاظت
میں استعمال کیا جائے۔ یہ اس وقت کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ لوگ جن کے ہاتھ میں
حکومت کی باگ ڈور ہے صاحب تدبر، بیدار مغز اور وقت شناس ہوں۔ زمانہ
امن کی تیاری عموماً تین حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔

سیاسی

اپنے ملک کے عوام اور لیڈروں میں یک جہتی، اپنے ہمسایہ اور دیگر ملکوں میں
اپنا وقار قائم رکھنا اور ان سے دوستی برقرار رکھنا، دشمنوں کے خلاف اپنی جتھہ بندی

مادی

قوم کے ہر فرد کی صحت، تعلیم، اخلاق اور کردار کا معیار بلند کرنا، جذبہ
عزم اور خودداری بڑھانا، تجارت اور صنعت و حرفت کو ترقی دینا، زراعت کو اعلیٰ معیار
پر پہنچانا اور مالیہ اتنی کم سے کم تر رکھنا تاکہ ملک میں خوش حالی اور فارغ البالی کا دور
دورہ ہو جب امن کے زمانے میں ہر طرح کی خوش حالی نصیب ہوگی تو جنگ کے زمانے
میں عوام ہر طرح کی مصیبت برداشت کرنے کے قابل ہوں گے۔ یہ امر ذہن نشین رہنا

جاتے ہیں کہ جنگ کے دوران میں ملک پر بیشتر اخراجات کا بار پڑ جاتا ہے۔ اور تجارت
وصنعت کم ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں جانی اتلاف اور نقصانات بہت بڑھتے ہیں
جنگ میں کام آنے والے سپاہیوں اور افسروں کے اہل و عیال کی پرورش کے
لئے وظائف دینے پڑتے ہیں، جنگ میں مجروح ہو کر ناکارہ ہو جانے والے
فوجیوں کو گزر اوقات کے لئے وظیفہ دینا لازمی ہوتا ہے۔ فوجوں کی تعداد کئی حد
تک بڑھ جاتی ہے اور اسی لحاظ سے انہیں کھانے پہننے، انہیں تنخواہیں ادا کرنے،
اور مزید سامانِ حرب، اسلحہ، گولہ بارود، باربرداری کے ذرائع کے لئے زرِ کثیر
صرف کرنا پڑتا ہے۔ جس کا تخمینہ آسان نہیں۔ ۱۹۳۹-۴۵ء کی جنگ میں انڈین آرمی
ڈیڑھ لاکھ سے تجاوز کر کے ستر لاکھ (۷۰۰۰۰۰۰) تک پہنچ گئی تھی۔ اس سے قیاس
کیا جا سکتا ہے کہ زمانہ جنگ میں حکومت پر اخراجات کا بارِ عظیم کتنا بڑھ جاتا ہے
لہٰذا امن کے زمانے میں حکومت کو ایسے منصوبے تیار کرنے پڑتے ہیں کہ جنگ
کے زمانے میں وہ اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہو سکے۔ اور ہنگامی حالات میں جب کہ
ملک سے بڑی تعداد نوجوانوں کی تلوار و بندوق سنبھال کر میدانِ جنگ میں اتر جائے
تو بھی ملک کی تجارت اور صنعتوں کو انسانی طاقت (MAN POWER) کا فقدان
محسوس نہ ہو، اور ان پر کم سے کم برا اثر پڑے۔ کیونکہ بحالتِ جنگ ایک طرف تو
آتشگیر مادے، بارود، گولے، بم، اسلحہ جنگ، میکانکی آلات، ہوائی سواریاں
بمقدار و بتعداد کثیر فراہم کرنے کے لئے کارخانے بوجھ سے دب جاتے ہیں جس
کے باعث عوام الناس کی روزمرہ ضرورت کی اشیا بنانے میں معتدبہ کمی واقع ہو جاتی ہے
دوسری طرف عوام کو انتہائی ایثار سے کام لینا پڑتا ہے۔ مثلاً فوجوں کے لئے وردیاں
کی ضرورت ہوتی ہے جن کے واسطے خاص قسم کا کپڑا درکار ہوتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے
کہ پارچہ بافی کے مل اور کارخانے اس فوری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہمہ تن مصروف
ہو جاتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں پیداوار کو معیار پر رکھنے کے لئے شب و روز مصروف
رہنا پڑتا ہے۔ جس کے باعث عوام لوگوں کی ضرورت کا کپڑا نسبتاً کم تیار ہوگا۔ اور

عوام کو کم سے کم فراہم کیا جائے گا۔ ان باتوں کا عوام کے اخلاق پر بہت اثر پڑتا ہے اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ملک کی فوج میدانِ جنگ میں پیہم فتوحات حاصل کر رہی ہوتی ہے۔ مگر ملک کے عوام کی قوتِ برداشت جواب دے دیتی ہے، اور وہ ہمت ہار دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فاتح ملک کو دشمن کے آگے صلح کے واسطے ہاتھ پھیلانے پڑتے ہیں۔

انہی اسباب اور وجوہ کے تحت کئی بار رومیوں اور ایرانیوں نے ہمت ہار دی اور صلح کے لئے ہاتھ بڑھائے اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان کی فوجیں شکستِ فاش کھا چکی تھیں، یا ان میں اپنے محصور شہروں اور قلعوں کی حفاظت کرنے کا دم باقی نہ رہا تھا۔ بلکہ طاقتور حکومتوں کی یہ زبردست فوجیں عوام کی پریشانی اور عدم تعاون کے باعث اپنے دشمن سے صلح کرنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ اس تذکرے سے، اور آئندہ مذکورہ حالات کے مطالعے سے آپ پر واضح ہو جائے گا کہ عوام کو صاحب عزم اور منظم بنانا کس قدر زبردست اہمیت کا حامل ہے۔

دفاعی سیاست بزمانۂ جنگ

جس طرح امن کے زمانے میں ہر ملک کی حکومت یقین کر لیتی ہے کہ اگر دشمن نے ضد سے کام لیا تو اپنی پالیسی منوا لینے کے لئے ہم نے بزورِ قوت کا انتظام کر رکھا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح ہر حکومت جنگ کے زمانے میں اپنی پالیسی کو برقرار رکھنے کا عزم بالجزم کرتی ہے۔ اور اس مقصد کے تحت محکمہ دفاع کے تمام شعبے بحری، بری اور فضائی، اپنے فرائضِ منصبی پورا کرنے میں کمال مستعد رہتے ہیں۔

فضائی، بری، بحری افواج کے سپہ سالاروں کو بتا دینا نہایت ضروری ہے کہ حکومت کو ان سے کیا توقعات ہیں۔ حکومت کو چاہیئے کہ ان توقعات کو پورا کرنے میں جو پیچیدگیاں حائل ہوں اور جو دشواریاں بیان کی جائیں، انہیں ہمدردی، اعتماد و دانشمندی سے بغور مطالعہ کرنے، ماہرین کے مشاورت کو محسوس کرنے کے بعد احکام صادر کرے۔ اور یہ احکام ایسے ہوں کہ ان سے تینوں لشکروں پر پورا

پورا تعارف ہو سکے تاکہ یک جہتی سے قوم کا حقیقی مفاد دشمن پر فتح پانا حاصل کیا
جا سکے۔ مفاہمت ہو تو ہر پہلو سے باعزت اور آبرومندانہ ہونے کے ساتھ ساتھ دیرپا
بھی ہو اور قومی آرزوؤں کا آئینہ بھی۔ مگر اس اصول پر عمل کرنا آسان نہیں۔ کیونکہ اکثر
وقت ارکان حکومت ناتجربہ کاری اور لاعلمی کے باعث اپنے سپہ سالاروں سے
ان کی طاقت سے کہیں زیادہ کام لینا چاہتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ
سپہ سالار اپنے ذاتی ہراس یا اور کسی کمزوری کے باعث حکومت سے بہت زیادہ
طلب کرتے ہیں۔ لہذا غلطیاں دونوں طرف سے ہو سکتی ہیں۔ اور انہیں مدنظر
رکھنا نہایت ضروری ہے۔

زمانہ جنگ میں فوج کے لئے ہر قسم کی کمک بھیجنے کے علاوہ حکومت کا یہ
بھی فرض ہوتا ہے کہ فریق مخالف کی سیاسی وقعت کم کرنے کی جدوجہد کرے
اس مقصد کے حصول کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ دشمن کے معاون اور ہمدرد اس
کا ساتھ نہ دے سکیں تو کم از کم انہیں غیر جانبدار رکھ سکے۔ اگر حکومت اپنے
دشمن کے عوام میں انتشار و سراسیمگی پھیلانے میں کامیاب ہو جائے تو اس کا
اثر دشمن کے معاونوں اور بہی خواہوں پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ پس نہایت ضروری ہے
کہ سیاسی سرگرمیاں بھی دفاعی جدوجہد کے ہم آہنگ ہوں۔ اور دفاع و سیاست
میں کامل تعاون اور اتحاد باہمی برقرار رہے۔

دوران جنگ میں دشمن ملک کے ساتھ تمام تعلقات دفعۃً منقطع ہو جاتے
ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ براہ راست خبریں نہیں پہنچتیں۔ لیکن ایک دوسرے کی
خبریں غیر جانبدار ملکوں کے توسط سے ضرور پہنچ جایا کرتی ہیں۔ اور اس طرح
سرکاری اور غیر سرکاری خبریں بھی پہنچتی رہتی ہیں۔ ریڈیو نشریات سے بہت سی باتیں
معلوم ہو جاتی ہیں۔ لہذا حکومت کو ان سب پر سخت احتساب رکھنے کی ضرورت
ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا جائے جو

اگرچہ وہ دشمن کے خلاف ہو لیکن غیر جانبدار ملک پر اس کی زد پڑتی ہو اور ان کے جذبات مجروح ہوتے ہوں تاکہ وہ غیر جانبدار ملک میدانِ جنگ میں خود نہ کود پڑے۔ ۱۹۱۷ء میں جرمنی نے امریکہ اور برازیل کے تجارتی جہاز ڈبو دیئے تھے۔ اور اس طرح حکومتِ امریکہ کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ اس قسم کے واقعات خالد رضی اللہ عنہ کے معرکوں میں بھی اثر ظہور پذیر ہوئے۔ لیکن ان کی دانائی اور ہوشمندی سے دشمن بھی ان کے حامی بن گئے۔ پس حکومت کے فرائض میں داخل ہے کہ جہاں وہ اپنے ملک کے عوام کا حوصلہ بڑھائے اور ان کی دلبستگی کے لئے مساعی رہے۔ وہاں دشمن ملک کے عوامی احساسات پر بھی ہر وقت نظر رکھے۔

خالدؓ اور میدانِ جنگ

گو خالدؓ بن ولیدؓ اسلام کے نامور فاتح اور سپہ سالار رہے ہیں، لیکن صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ ہر مذہب و ملت کے دفاعی مبصرین اور دنیا کے قابل ترین جرنیل آپ کی قابلیت اور عظمت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ دشمنوں نے جیسے کیا اب بھی کرتے ہیں، اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ آپ کے اوصاف و کمالات کے قدردان جس قدر غیر مسلم ہیں اتنے عہدِ حاضرہ کے مسلمان نہیں تو یہ نادرست نہ ہوگا۔

خالدؓ اسلام لانے سے پہلے

قبولِ اسلام سے پہلے، حضرت خالدؓ اسلام اور بانیِ اسلام کے بدترین دشمن اور زبردست مخالف تھے۔ عرصہ تک آپ کی تمام ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں، قوت و شجاعت، دلیری اور سپہ گری اسلام اور مسلمانوں کے استیصال اور بیخ کنی کے لئے وقف رہی۔ غزوۂ بدر میں انہیں اپنے جوہر دکھانے کا موقع نہ مل سکا۔ البتہ غزوۂ احد میں انھوں نے تقریباً لڑائی کا نقشہ بدل دیا تھا۔ غرض یہ حقیقت ہے کہ بدر سے لے کر حدیبیہ تک تمام غزوات میں خالدؓ پیش پیش رہے۔ پھر جیسے ہی ان کا سینہ نورِ ایمان سے منور ہوا، تو ہر جنگ میں آپ

آنحضرت نے ان کے قدم چومے۔ بارگاہِ رسالت سے آپ کو "سیف من سیوف اللہ" کا خطاب عطا ہوا۔ اب آپ کے مقابلے میں آتے ہوئے دنیا کے بڑے سے بڑے سپہ سالار خائف ہونے لگے۔ یہ انقلابِ عظیم کیسے ہوا اور کیونکر ہوا؟

واقعہ یہ ہے کہ جب خالدؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے جاہلیت کی خاطر لڑتے تھے۔ تو ان کا مطمحِ نظر کنبہ اور انتقام ہوتا تھا۔ اس لئے وہ کامیاب نہ ہو سکے مگر وہی خالدؓ جب لشکرِ اسلام کے سپہ سالار بن کر امن و سلامتی کے پیام بر کی حیثیت سے میدان میں آئے تو اقوامِ عالم کی افواجِ قاہرہ ان کا نام سنتے ہی تھرا گئیں، سپہ سالاران سے خائف ہو گئے، پھر اس کے ساتھ دشمن تک ان کے قول و اقرار پر اعتماد کرنے لگے۔ یہ تبدیلی کیسے ہوئی، اسے سمجھنے کے لئے خالد بن ولید کو قریب سے دیکھئے، اور یہ دیکھئے کہ وہ کس ملک میں پیدا ہوئے، کون سے ماحول میں پرورش پا کر جوان ہوئے، اور پھر کس طرح فاتحِ عالم بنے۔

عرب کی جغرافیائی حیثیت

عربستان جزیرہ نما ہے۔ خلیج فارس کی طرف سطح ڈھلوان و وسعت کی وجہ سے کم ہے۔ بحیرۂ قلزم کا ساحل بالکل عمودی اور بے ڈھب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سطح [illegible] مغربی ساحل کی طرف ہے۔ بحیرۂ قلزم سے ملحقہ علاقے کا شمالی اور جنوبی حصہ اونچا ہے۔ جیسے یمن اور میدان کا علاقہ سطح سمندر سے آٹھ ہزار فٹ بلند ہے، لیکن مکہ معظمہ کا مغربی علاقہ سطح سمندر سے صرف ایک ہزار فٹ اونچا ہے۔ بعض مقامات جیسے خیبر اور بعض پہاڑ آٹھ ہزار فٹ بلند ہیں۔

حجاز

حجاز کا ساحلی علاقہ بہت ریتلا ہے۔ اس میں مرجان کی چٹانیں بہت پائی جاتی ہیں، یہ سبب ہے کہ یہ ساحل وسیع پیمانہ پر جہازرانی کے لئے غیر مفید ہے۔ حجاز کا پہاڑی علاقہ شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ اونچائی شمال سے جنوب کی طرف بتدریج کم ہوتی چلی گئی ہے۔ سطح مرتفع کا شمالی حصہ آتش فشاں پہاڑ کا پھیلا ہوا مادہ ہے جس کی وجہ سے اس پہاڑ پر ندی نالے اور چشمے نہیں ہیں۔ جس طرف [illegible] کرتے ہیں، جیسے خیبر کے علاقے کے پہاڑ، ان کی چوٹیوں پر بھی لاوا جما ہوا ہے۔

حجاز میں بڑے شہر اور مقامات بہت کم ہیں۔ [illegible] بہتے ہیں ان پہاڑوں کی چوٹیوں سے شروع ہوتی ہیں۔ ان نالوں کا پانی سمندر میں جا گرتا ہے۔ مگر ان میں مستقل طور سے پانی نہیں رہتا۔ [illegible] پڑ جاتا ہے۔ اسی کی وجہ سے [illegible] موسم میں ندی نالے [illegible] بہتے ہیں۔ اور جلد خشک ہو جاتے ہیں۔ ان نالوں نے ملک کے میدانی حصے کو [illegible] طرح کاٹ دیا ہے جس کے باعث آمد و رفت بہت دشوار ہے۔ اور ان [illegible]

طریقوں سے کام لیا جانے لگا ہے۔

چند مشہور شہر

مکّہ معظمہ زمانہ قدیم سے مقدس مقام سمجھا جاتا ہے۔ اسلام کا آفتاب بھی یہیں سے طلوع ہوا ہے۔ یہ گہری وادی میں واقع ہے۔ چاروں طرف سے کئی کئی سو فٹ اونچے پہاڑ اس شہر کی پاسبانی کر رہے ہیں۔ پرانے زمانے میں تمام ایشیا اور بالخصوص ہندوستان کی تجارت بلادِ یورپ کے ساتھ اسی مکّہ معظمہ کے راستے سے ہوتی تھی۔ گرم مسالے۔ سونے چاندی کے زیورات، ظروف، ریشم اور سوت کے کپڑے یہاں سے ہوکر یورپ اور مصر جاتے تھے۔ تجارت کی گرم بازاری کا اندازہ اس امر واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف اہلِ قریش کا ایک تجارتی قافلہ جس کے مسلم مجاہدین کے ہاتھوں لٹ جانے کا خدشہ تھا۔ اپنی متاع کے لحاظ سے ۵۹۰۰۰ دینار کی قیمت کا تھا۔ مکّہ کے نواح کی زمین بالکل بنجر ہے۔ (آج کل ٹیوب ویل لگا کر اسے شاداب بنانے کی کوشش ہو رہی ہے) اس لئے زراعت بہت کم ہوتی تھی۔ شہریوں کے لئے اغذیہ باہر سے فراہم ہوتی تھیں۔ نخلستان اگر تھے تو خال خال۔ عوام کا گذر زیادہ زائرین کی خدمت اور بار برداری کے ذریعہ ہوتا تھا۔ حج و زیارت کے لئے ہر سال کئی لاکھ زائرین آیا کرتے تھے۔ آب و ہوا گرم خشک ہے۔ لیکن صحت کے لحاظ سے کافی اچھی ہے۔ بلند و بالا پہاڑیوں کی تپش کے سبب سے دن کے وقت مکّہ معظمہ بہت گرم ہو جاتا ہے۔ مگر راتیں اکثر ٹھنڈی ہوتی ہیں، سال بھر میں ایک دو دفعہ بارش ہوتی ہے۔ جب زیادہ ہوتی ہے تو گھنٹوں کئی کئی فٹ پانی کھڑا رہتا ہے۔ اس کا بھی اب تدارک کر دیا گیا ہے ورنہ گذشتہ ایام میں اس شہر کی صفائی اس پانی سے ہوتی تھی جو خس و خاشاک کو اور تمام غلاظتوں کو بہا لے جاتا اور سمندر میں پھینک دیتا تھا۔

مدینہ منوّرہ۔ قبل اسلام اسے یثرب کہتے تھے۔ یہ مکّہ سے بجانب شمال تقریباً ۳۰۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مکّے کی طرح یہ بھی زبردست تجارتی منڈی تھی۔

رومۃ الکبریٰ کی حکومت نے جب یہود کو بالجبر عیسائی بنانا شروع کیا تو وہ بھاگ کر یہاں
آ گئے۔ اور انھوں نے اسے اپنا وطن بنا لیا تھا۔ چونکہ کاروباری لوگ تھے۔ اس لئے
انھوں نے تجارت و زراعت پر قبضہ پا لیا۔ یورپین مورخین کا خیال ہے کہ انھی یہودیوں
نے یثرب کو مدینہ کا نام دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری
کے بعد اُسے مدینۃ النبی اور مدینہ منورہ کہا جانے لگا۔ یہ شہر تین طرف پہاڑوں سے
گھرا ہوا ہے۔ پہاڑ کہیں تو شہر سے پانچ میل دور ہیں اور کہیں گیارہ میل دور۔
ان پہاڑوں سے کئی نالے نکلتے ہیں۔ جو ۲۳۰۰ فٹ بلند وادی مدینہ کو سرسبز و شاداب
کرتے ہیں۔ ان وادیوں میں اچھے نخلستان ہیں اور دنیا میں بہترین قسم کی کھجوریں یہیں
پیدا ہوتی ہیں۔ کہیں کہیں زمین شور بھی ہے اور بعض کنوئیں کھاری بھی ہیں۔ لیکن کھجور
کے پودے اس میں بھی نشو و نما پاتے ہے۔ چونکہ یہاں ہر سمت سے لوگ آ کر آباد ہو گئے ہیں
اس لئے شہر کی آبادی مخلوط النسل ہے۔ اور عرف زبان کے اعتبار سے عرب
کہے جا سکتے ہیں۔ باشندوں کا عام پیشہ زراعت اور تجارت ہے۔ یہاں سے چھ
مستقل راستے قافلوں کے جاتے ہیں۔ نجد، مکہ، ینبوع، اور شام۔ ان راستوں کی
شاہراہیں بالخصوص اہمیت کی حامل ہیں۔

ینبوع۔ یہ ایک بندرگاہ ہے۔ مکہ اور مدینہ سے یورپ کو قافلے اسی
بندرگاہ کے توسل سے جاتے تھے۔ قدرتی بندرگاہ ہونے کے باعث کشتیوں کی
آمد و رفت آسان ہے۔

طائف۔ چھ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ نہایت سرسبز و شاداب
خطہ ہے۔ یہاں کے گلاب اور انگوروں کی شراب کی اس زمانے میں بہت شہرت
تھی۔ شہد، انجیر، انار، زیتون، شفتالو، تربوز، بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔

تہامہ۔ نقشہ میں اس زمانے کے قبائل کے نام لکھ دیئے ہیں۔ یہاں کوئی شہر
نہیں ہے۔ بلکہ قبائل جا بجا ضرورت کے مطابق پڑاؤ ڈال لیتے ہیں جن کا انحصار
چراگاہوں پر ہوتا ہے۔ یعنی جیسے ہی ایک چراگاہ میں چارہ کم ہونے لگتا ہے قبائل

دوسری جگہ [illegible] میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ کہیں کہیں قبائل کے شیوخ اپنے لئے پختہ مکانات بھی تعمیر کر لیتے ہیں۔

دوسرے شہروں کا تذکرہ حسب موقع کیا جائے گا۔

باشندے

عرب میں آباد لوگ عرب کہلاتے ہیں جس طرح یورپ والے یورپین کہلاتے ہیں۔ جس طرح یورپ میں الگ الگ قومیں ہیں، اسی طرح عرب میں بھی الگ الگ قبائل ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لیکن جس طرح اخوت اسلامیہ نے پاکستان کے پنجابیوں، سندھیوں، بلوچیوں، بنگالیوں اور مہاجرین سب کو ایک مشترکہ قوم بنا دیا ہے اسی طرح اہل عرب اسلام کے مقدس رشتہ میں منسلک ہیں۔ اہل عرب اپنے [illegible] اور بڑا فخر اور اپنے حسب و نسب پر بہت ناز کرتے ہیں۔

[illegible] قدیم سے خانہ کعبہ کی خدمت و تولیت قریش کے سپرد تھی [illegible] وہ [illegible] میں ممتاز و محترم سمجھے جاتے تھے۔ خدام کعبہ ہونے کے علاوہ قریش [illegible] بہت بڑھے ہوئے اور بہت دولتمند تھے۔ اس [illegible] دوسرے قبائل کے مقابلے میں بلند [illegible] تھا اور انہیں بہت اقتدار حاصل تھا۔

عربوں کی معاش اور معاشرت قبل از اسلام

تجارت کے علاوہ عوام کا ذریعہ معاش اونٹ اور بھیڑ بکریوں کی پرورش تھا۔ یہ لوگ ان جانوروں کے بدلے میں گندم، کھجور اور دیگر اشیائے ضرورت خریدتے تھے۔ قتل و غارت گری اور لوٹ مار کی گرم بازاری تھی۔ بعض قبائل میں لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ بردہ فروشی کی غرض سے ان کی پرورش کرتے [illegible] زناکاری اور شراب خوری، جوئے بازی عام تھی۔ میلے اور تہواروں پر کشتی، گھوڑ دوڑ، تیر اندازی اور نیزہ بازی کے مقابلے عام ہوتے تھے۔ شعر و شاعری کا ذوق عام تھا۔ جنگ پسند اور جفاکش ہونے کے باعث نہایت قبیلہ [illegible]

خالدؓ بن ولید کا تعارف

خاندان

خالدؓ بن ولید قریش کے قبیلہ بنی مخزوم سے تھے۔ آپ کے والد عبد الشمس ولید بن مغیرہ مخزومی اہلِ قریش میں معزز و ممتاز تھے۔ دولت اور تجارت شہرت کا باعث تھی۔ منصبِ قیادت بھی بنی مخزوم کے ذمے تھا۔ یعنی لڑائی کے وقت سپہ سالاری کا عہدہ اسی قبیلے کے سردار کا حق تھا۔ خالدؓ کی والدہ کا نام لبابۃ الصغریٰ بنت الحارث بن حزن الہلالیہ ہے۔ جو حضرت میمونہ بنت الحارث زوجہ رسولِ کریمؐ کی ہمشیرہ تھیں۔ ان کی ماں کی دوسری بہن لبابۃ الکبریٰ حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کی بیوی تھیں۔

قیادت

قیادت یہ تھی کہ جب کبھی اہلِ قریش کو کوئی مہم درپیش ہوتی تو ایک خیمہ نصب کر دیا جاتا۔ وہ تمام اصحاب جو جنگ میں حصہ لینا چاہتے اس خیمے میں جمع ہوتے۔ کوئی مالی امداد پیش کرتا۔ کوئی فی نفسہ جنگ میں رہنے کی خاطر آتا۔ کوئی سامان جنگ کوئی اشیائے خوراک۔ کوئی باربرداری پیش کرتا۔ ان عطیات کا مناسب استعمال بنی مخزوم کا کام تھا۔ پہلے یہ کام ولید بن مغیرہ خود کرتے تھے۔ بعد ازاں خالدؓ بن ولید کے سپرد ہوا۔

خالدؓ کا بچپن

مندرجہ بالا واقعات سے ظاہر ہے۔ کہ خالدؓ بن ولید کو ایامِ جاہلیت میں بھی اعزاز و اقتدار حاصل تھا۔ قیادت کا عہدہ بے شک وقتاً فوقتاً تفویض ہوا کرتا تھا لیکن اس دور میں "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کا اصول رائج تھا۔ اس لیے خالد بن ولید کو ان کے والد نے بچپن ہی سے شہسواری، شمشیر زنی، نیزہ بازی، تیر اندازی

پہلوانی، اور تمام فنونِ جنگ سے آراستہ کر دیا تھا۔ اس زمانے کے رسم و رواج کے مطابق خالدؓ کا بچپن ان کی دایہ کے پاس گزرا۔ اور وہ بدوی قبائل کی صحرائی زندگی بسر کرتے رہے۔ جہاں محنت، جفاکشی، آزادہ روی، بے باکی سے انہیں سابقہ پڑا اور وہ اس کے خوگر ہو گئے۔ وہاں قبائل کو باہم جنگ و جدال کرتے بھی دیکھا ذہین ذہن نے ان بدوی زندگی سے بہت استفادہ کیا کہ کس طرح وہ اپنی اور اپنے جانوروں کی حفاظت وغیرہ کرتے ہیں۔ حریف سے عہدہ برآ کیسے ہوتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان عربوں کی نقل آج کل بھی حکومتِ برطانیہ کرتی ہے۔ سلطنت متحدہ برطانیہ کا وہ شہزادہ جو تاج برطانیہ کا وارث ہونے والا ہوتا ہے۔ یعنی ولی عہد اسے عام تجربے کے لئے [illegible] کیا جاتا ہے۔ تاکہ عوامی بچوں کی زندگی کا عادی ہو جائے۔ پھر [illegible] فضائی [illegible] میں عام عہدیدار کی حیثیت سے کام کرنا پڑتا ہے۔ [illegible] تمام مناصب سے گزارا جاتا ہے۔ تاکہ فوجی اور انتظامی [illegible] سے کما حقہٗ واقف نہ ہو بلکہ جذبات و احساسات [illegible] بھی متعارف ہو جائے۔

خالدؓ کے چھ بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ بہنوں کی شادی صفوان بن امیہ اور حارث بن ہشام سے ہوئی۔ بھائیوں میں ولید اور ہشام مسلمان ہوئے۔

جسم

ان کا جسم بہت گٹھا ہوا اور مضبوط تھا۔ سینہ کشادہ، بازو طاقتور، قد [illegible] تھا۔ بہت پھرتیلے اور طاقتور انسان تھے۔ شہسواری میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ طاقت کا یہ عالم تھا کہ کئی نامور ایرانی پہلوانوں کو گھوڑے کی پشت پر سے کھینچ کر پھینک دیا۔ اور پیدل کشتی میں بھی بہت ایرانی اور رومی پہلوانوں کو پچھاڑا۔ [illegible] اس زمانے میں بڑی وقعت رکھتا تھا۔ کیونکہ سردار یا سپہ سالار دست بدست جنگ میں شکست کھا جاتا تھا تو تمام فوج ہار مان لیا کرتی تھی۔ جس کی

سپہ سالار میں یہ خصوصیات ہوتی تھیں اُن سے دشمن کی فوج ہمیشہ خائف رہتی تھی خود اس کے ماتحت سالار اور سپاہی بھی ان کا بے حد احترام کرتے۔ اور اس کے احکام کی حرف بحرف تعمیل کرتے۔ خالدؓ پر ان کے والد کی امارت اور تمول کا کتنا اثر ہوا تھا، اس کا مذکور آگے آئے گا۔ وہ ایک نامور رئیس اور بڑے دولت مند کے بیٹے تھے۔ اس لئے بچپن اور جوانی ناز و نعم اور عیش میں بسر ہوئی۔ جسمانی قوت شمشیر زنی، شہسواری نے مزاج میں حرارت اور تیزی پیدا کر دی تھی برداشت کا مادہ نہ تھا اس لئے جلد غصہ آجاتا۔ کبر و نخوت اور خود نمائی طغرائے امتیاز تھی اور یہ اس زمانے میں اہل عرب کے لوازم زندگی میں سے سمجھا جاتا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان کے خاندان کے پاس قیادت کا منصب جلیل تھا۔ عنفوان شباب ہی سے آپ کو قیادت کا حق دار سمجھ کر مزاج میں خودداری و خود آرائی بھی داخل ہو گئی تھی اسی لئے وہ اپنے اختیارات سے بڑھ کر کام کر جاتے تھے۔ [illegible] [illegible] اپنے [illegible] حملہ کر دیا۔ جنگ [illegible] میں اپنے [illegible] سالار کی ہدایت سے بالاتر ہو کر اپنے سواروں کو میدان جنگ سے نکال لے گئے۔ [illegible] پروا نہیں۔

اسلام لانے سے پہلے

باوجود ان ایام کے ناسازگار حالات، اخلاقی پستی، عیاشی کے رجحانات اور خاندانی وقار اور جسمانی قوت کے، خالد بن ولیدؓ طبعاً نہایت با اخلاق شریف اور بلند کردار واقع ہوئے تھے۔ عقبہ، ابوجہل، ابولہب کی طرح نہیں تھے۔ ایام جاہلیت میں آپ نے آنحضرتؐ کی مخالفت کی لیکن ورطۂ تہذیب اور پایۂ شرافت سے گر کر نہیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک دانا اور بہادر دشمن برسر مخالفت ہے گلی کوچوں میں تمسخر اڑانا، گالی گلوچ، غصے میں آکر جھپٹ پڑنا، اور کمتری کی تمام باتوں سے آپ بالکل مبرا ہیں۔ البتہ میدان جنگ میں کمال بہادری و بے جگری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑتے۔ اور جب شکست کھائی تو

احکام کو پسِ پشت ڈال دیا کہ "تم اپنے مقام سے نہ ہلنا" اور وہ بھی لوٹ مار کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔

خالدؓ پسپا ضرور ہوا تھا، قریش کو فرار ہوتے بھی دیکھ رہا تھا، مگر جذبۂ انتقام کے تحت وہ حالات پر قابو پانے کی فکر میں تھا۔ مسلم تیر اندازوں کا جگہ چھوڑنا تھا کہ اس نے اپنے سواروں کے ساتھ پلٹ کر حملہ کر دیا۔ چونکہ یہ حملہ غیر متوقع اور ناگہانی تھا۔ اور مسلمان مالِ غنیمت سمیٹنے میں مصروف تھے، لہٰذا میدانِ جنگ سے ان کے قدم اکھڑ گئے۔ بعینہٖ کفّار نے جب خالدؓ کا حملہ کامیاب دیکھا تو وہ بھی پلٹے اور دوبارہ حملہ کر دیا۔ مسلمان چاروں طرف سے کفّار کی اچانک یلغار کے باعث منتشر ہو گئے۔ کفّار کے لشکر کی تعداد مسلم جمعیت سے کئی گنا زیادہ تھی۔ چنانچہ اس بڑی تعداد کا اثر مسلم لشکر پر شکست کی حالت میں ہونا یاد ہوا۔ لیکن اس نازک موقع پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توازنِ ذہنی کو قائم و برقرار رکھا اور تمام اسلامی لشکر کو ایک مقام پر جمع فرما دیا۔ موجود بنا کر کے اس ہزیمت کو شکست میں تبدیل ہونے سے بچا لیا۔ اور یہ لڑائی بلا فیصلہ ختم ہو گئی۔ آنحضرت صلعم کی سپہ سالاری، حاضر دماغی کی وجہ سے جنگ کے بدلے ہوئے حالات کا خالدؓ کے دل و دماغ پر گہرا اثر ہوا۔

غزوۂ خندق میں خالدؓ اور عمرو بن عاص شامل تھے۔ یہاں کے حادثات نے آنحضرت صلعم کی دفاعی قابلیتوں کو اور بھی اجاگر کر دیا۔ اس لڑائی میں اہلِ قریش اپنے رسالے اور پیدل سپاہ کو کامیابی سے نہ لڑا سکے۔ یہاں مشرکین کے سوار دستوں نے خندق پار کرنے کی کوشش کی وہاں مُنہ کی کھائی۔ اس لئے خالدؓ اور عمرو واپس مکہ چلے گئے۔

صلح حدیبیہ

سنہ ۶ ہجری میں آنحضرت صلعم بنی لحیان کو ان کے مظالم کی سزا دینے تشریف لے گئے تھے۔ عسفان میں آپ نے جب قیام فرمایا، اور مکہ والوں کو جب یہ خبر ملی تو

سکے لئے آپ نے کراع نعیمہ میں دو سانڈنی سواروں کو اس طرح سے جانے اور واپس آنے کا حکم دیا کہ لوگ انہیں اچھی طرح دیکھ لیں ۔ مُدعا یہ تھا کہ مشرکین انہیں دیکھیں اور خیال کریں کہ یہ دونوں پوری فوج کے وہ ہرکارے ہیں جو خبر لانے کی خاطر آگے بھیجے گئے ہیں ۔ اور فی الحقیقت اہلِ مکّہ نے ایسا ہی سمجھا مگر وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ آنحضرت صلعم مکّہ پر حملہ کئے بغیر پھر واپس کیوں تشریف لے گئے ۔

سنہ ۷ھ میں آنحضرت صلعم حج و عمرے کی غرض سے خانہ کعبہ کی جانب روانہ ہوئے ۔ اس قافلے کے کوچ کی خبر جب اہلِ مکّہ کو ہوئی ، تو قریش نے جنگِ اُحد اور جنگِ بدر کا بدلہ لینے کی ٹھان لی کیونکہ بخیال خویش شکار خود بخود صیاد کے دام میں آ رہا تھا ! انھوں نے خالدؓ بن ولید کو رسالے کے بڑے لشکر کا سالار بنا کر مقدمۃ الجیش کے طور پر روانہ کیا تاکہ کراع نعیمہ میں اسلامی قافلے کو روک لیں اور باقی فوج قریش وہاں پہنچ کر مسلمانوں کو ختم کر دے ۔ مگر یہاں بھی آنحضرت صلعم نے ایسی دانائی حکمت عملی سے کام لیا کہ کفارِ قریش مات کھا گئے ۔ اب خالدؓ بن ولید کے قلب میں اگر کوئی شک تھا تو وہ بھی رفع ہو گیا اور انھیں یقین کامل ہو گیا ، کہ آنحضرت صلعم قابل ترین سپہ سالار اور فاتح ہیں ۔ عمرو بن عاص ، خالدؓ بن ولید ، اور عثمان بن طلحہ ، ان تینوں ماہرانِ فنِ حرب ، اور سیاستِ عسکریہ کے قابل ترین بہادروں کے دل میں غزوات احد اور خندق کے بعد یقین پیدا ہو گیا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بازی لے جانا غیر ممکن ہے ۔ اگرچہ ان تینوں نے اپنے دلی جذبات سے ایک دوسرے کو مطلع نہیں کیا تھا ۔

صلح حدیبیہ نے ایک فیصلے کی صورت اختیار کر لی تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں جانبازوں کے قلب کو پلٹ دیا تھا ۔ چنانچہ ایک خوش گوار دن یہ تینوں ایک دوسرے کو خبر دیئے بغیر گھروں سے روانہ ہوئے ۔ اور مدینہ منورہ کے قریب مقام الہدہ پر غیر متوقع طور پر ایک دوسرے سے مل گئے ۔ سب سے پہلے عمرو بن عاص نے

پوچھا۔ "اے ابا سلیمان! کہاں کا ارادہ ہے؟"

خالدؓ بن ولید نے جواب دیا ــــ "خدا کی قسم میں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ محمدؐ یقیناً اللہ تعالیٰ کے نبی برحق ہیں۔ لہٰذا ہم کب تک خواہ مخواہ ضد اور کد پر قائم رہیں۔ آج میں اسلام قبول کرنے جا رہا ہوں!"

عمرو بن العاصؓ اور عثمان بن طلحہؓ نے بھی یہی فرمایا کہ ہم بھی اسی ارادے سے مدینہ جا رہے ہیں۔ یہاں سے یہ تینوں بہادر حلقہ بگوش ہونے کے لئے عازم مدینہ ہو گئے۔

بارگاہِ رسالت میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود خالدؓ کے اسلام قبول کرنے کی پوری توقع تھی۔ اور آپ اس کے منتظر تھے۔ خالدؓ کے بھائی ولید جنگِ بدر کے بعد مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ ان سے بھی آنحضرت صلعم اپنی توقعات کا اظہار فرماتے رہتے تھے۔ جب یہ تینوں حضرات مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو پہلے ان کی ملاقات ولیدؓ سے ہوئی۔ آپ نے کہا کہ نبی کریم صلعم اکثر آپ تینوں کے متعلق ارشاد فرماتے رہے ہیں کہ عنقریب مسلمان ہو جائیں گے۔ اور انہیں ولیدؓ نے آنحضرت صلعم کی بارگاہ میں اطلاع کی کہ عمرو بن عاصؓ، عثمان بن طلحہؓ، خالدؓ بن ولید قبول اسلام کی غرض سے باریاب ہونا چاہتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "الحمد للہ! مکہ نے اپنے تین لخت جگر ہماری طرف پھینک دیئے ہیں۔" جب یہ لوگ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت فرمانے لگے "الحمد للہ کہ خدا نے تمہیں ہدایت دی۔ مجھے تم لوگوں کے اندر وہ فرزانگی نظر آتی تھی جس سے بڑی امید تھی کہ تم ایک نہ ایک دن منزلِ مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔"

خالدؓ نے مودبانہ عرض کیا "یا رسول اللہ! میں گنہگار ہوں۔ اور جتنے معرکوں میں آپ کے مقابلے میں آیا ہوں، ان کے لئے دعا فرمائیے کہ خداوند تعالیٰ مغفرت فرما دے۔"

آنحضرت صلعم نے جواب دیا ــــ "اسلام قبول کرنے سے اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔"

اسلام لانے کا خالدؓ پر اثر

اسلام قبول کرتے ہی خالدؓ بن ولید کے عادات و اطوار میں نمایاں تبدیلی ہو گئی۔ گو ابتدا میں آپ کی تند مزاجی نمایاں رہی لیکن وہ بھی رفتہ رفتہ متبدل بفروتنی و انکسار اور عجز و نیاز ہو گئی۔ انتہائی غور طلب ہے کہ وہی خالدؓ جن کے عمامہ کا طرہ اگر ایام جاہلیت میں کوئی نکال کر پھینک دیتا تو معلوم نہیں کشت و خون کے کیسے ہنگامے برپا ہو جاتے۔ جب ایک مرتبہ مالک بن نویرہ کے قتل کے معاملے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حضور میں حاضری دینے کے لئے آ رہے تھے تو حضرت عمرؓ کے قریب سے گزرے۔ حضرت عمرؓ کو خالد کے عمامے میں شتر مرغ کے پروں کا طرہ لگا ہوا پسند نہ آیا۔ اور آپ نے حضرت خالدؓ کو بے حد سخت و سست کہا اور اپنے ہاتھ سے عمامے سے طرہ نکال کر پھینک دیا۔ اور خالدؓ گردن جھکائے ہوئے خاموش آگے بڑھ گئے۔ خالدؓ نے یہ سلوک کس طرح برداشت کیا؟

خالدؓ بن ولید اگرچہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے تاہم آنحضرتؐ نے آپ کو فی الفور کئی مہمات کی تسخیر کے لئے روانہ فرما دیا۔ ایک مہم کے متعلق خالدؓ بن ولید پر شکایات پہنچ رہی تھیں۔ جس کی بنا پر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے خالدؓ بن ولید سے کچھ کہا جس کا انہوں نے درشتی سے جواب دیا۔ بات بڑھ گئی۔ آنحضرتؐ تک شکایت پہنچی اور آنحضرتؐ نے عتاب آمیز لہجے میں خالدؓ سے فرمایا۔ "تم میرے صحابیوں سے مت الجھو خالدؓ! تم اگر کوہ احد کے برابر سونا بھی اللہ کی راہ میں خیرات کر دو۔ تو تمہاری یہ نیکی ان کی ایک مٹھی نیکی کے برابر بھی نہ ہو گی۔" اس کے بعد خالدؓ نے بخوبی ذہن نشین کر لیا تھا کہ سابقون الاولون کی آنحضرتؐ کے نزدیک کتنی قدر و منزلت ہے۔ اور اس لئے جب آپ کے عمامے کا طرہ نکال کر پھینکا گیا آپ دم بخود رہ گئے۔ جب حضرت عمرؓ نے آپ کو ڈانٹا تو اسے آپ نے سہہ لیا۔ اور جب دربار خلافت سے حضرت عمرؓ امیر المومنین

کا حکم معزولی آپ کے نام صادر ہوا تو آپ نے بے چون وچرا گردن تسلیم خم فرما دی اور کہا "میں نے اپنے نفس کو اللہ کی راہ میں ہبہ کر دیا ہے" اور اسے عمل میں لا کر دکھا دیا معزول ہو جانے کے بعد بھی نہایت جان فروشی و ذوق و شوق سے جہاد میں حصہ لیتے رہے۔ ایمان داری اور دلیری سے لڑائیاں لڑیں۔ آپ کی ہمت کبھی پست نہ ہوئی۔ جنگ یرموک میں لشکر اسلام کو دنیا کی بے مثال اور شاندار کامیابی نصیب ہوئی تھی، جس میں خالدؓ بن ولید کی دفاعی سیاست کے جوہر کھلے تھے حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کی سپہ سالاری کو آپ نے صدق دل سے قبول فرمایا۔ یہ تمام واقعات مظہر و مصدق ہیں کہ حضرت خالدؓ بن ولید کو محض رضائے الٰہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی منظور تھی نہ کہ کوئی دنیوی طمع، عزت، جاہ اور حشمت۔

خالدؓ کا شوقِ جہاد

خالدؓ نے تقریباً ڈیڑھ سو محاربات میں دست بدست اور بطور سپہ سالار داد شجاعت دی۔ تلواروں کے زخموں سے جسم بھر گیا تھا، لیکن کاری زخم صرف ایک بار جنگ حنین میں لگا تھا۔ خوف سے نا آشنا، میدان جنگ کو شہادت گاہ مرد مومن یقین کرنے والے، جہاد میں موت واقع ہونے کے تمنائی لیکن یہی ایک خواہش ایسی تھی جو اس غازی اعظم کی پوری نہ ہو سکی۔ وہ چاہتے تھے کہ آرام و راحت کے ساتھ گھر میں ہمکنار اجل ہونے کی بجائے جام شہادت نوش فرمائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت نہیں تھی۔ جب وفات کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا۔ "میں نے جہاں جہاں گمان ہو سکتا تھا شہادت طلب کی مگر میرے لئے اس کے سوا مقدر میں کچھ نہ تھا کہ بستر پر مروں (لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد) مسلمان ہونے کے بعد میں نے ڈھال لگائے ہوئے رات اسی حال میں بسر کی۔ کہ آسمان سے صبح تک پانی برستا رہا۔ یہاں تک کہ کفار کا نقشہ بدل گیا مجھے کسی اور عمل کی تمنا نہیں .... جب میں مرجاؤں تو میرے اسلحہ اور گھوڑے کا خیال رکھنا

اور اسے آخری لڑائی کی تیاری کے لئے رکھنا۔"

مغربی مورخین نے انتہائی غلط بیانی اور تعصب سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ خالد کو تمام فتوحات بآسانی حاصل ہو گئیں۔ کیونکہ ایرانی سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ اور رومتہ الکبریٰ کا فرمانروا شہنشاہ ہرقل نہایت نااہل واقع ہوا تھا اور دمشق و بیرونی علاقوں کا نظام بودا تھا آگے چل کر بکھر گئے۔ سرِدست یہاں اتنا بیان کرنا کافی ہے کہ سلطنتِ ایران کی فوج بہت طاقتور تھی۔ خزانے بھرپور تھے اور ہرقل بذاتِ خود تجربہ کار، دور اندیش اور بڑا قابل فوجی جنرل تھا۔

خالد محض بہادر سپاہی نہیں تھے۔ ان میں فنونِ سپہ گری کی مہارتِ تامہ کے ساتھ ساتھ دنیا کے بہترین فاتح سپہ سالار ہونے کے جوہر بھی خدا نے ودیعت کر رکھے تھے۔ مدبر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت پُرخطر حالات اور ماحول میں بھی وہ حاضر دماغی اور دلجمعی کے ساتھ موزوں دفاعی منصوبے بنا سکتے تھے اور ان منصوبوں پر عزم و ثبات کے ساتھ عمل پیرا بھی ہو سکتے تھے۔ ان کی ذاتی مہارت فنِ حرب نے ہر بار دشمنوں کی تدابیر کو الٹ دیا۔ ان کے متعدد دفاعی منصوبے انتہائی بے باکانہ اور پُرخطر خیال کئے جائیں گے لیکن اگر بنظرِ تعمق ان کا تجزیہ کیا جائے تو ان کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہو سکے گا اور معلوم ہو سکے گا کہ خالد کس بلند مرتبہ کے سپہ سالار تھے۔

عالمگیر جنگ ثانی میں اتحادیوں کے جنرل ہیڈ کوارٹر سے سپہ سالاروں کو یہ قسم ہدایت وقتاً فوقتاً بھیجی گئیں:-

تاریخِ حرب کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ کامیاب اور فاتح سپہ سالاروں نے چند خاص اصولوں پر عمل کیا۔ مگر یہ اصول و ضوابط ایسے نہیں ہیں جن کی روش اور ہیئت غیر متبدل ہو، بلکہ حسنِ تدبیر اور عقل و دانش سے ان اصولوں پر ان سپہ سالاروں نے عمل کیا تھا۔ اور اپنی رہنمائی کے لئے انہی اصول کو میدانِ جنگ میں پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ ان میں ضرورتِ حالات اور وقت کے مطابق خاص لچک ہوتی

ہے۔ اس لئے ان کا مناسب طریق پر استعمال کرنا چاہیئے۔

یہی وہ ہدایت ہے جسے بخوبی ذہن نشین کرنے کے لئے تاریخ دفاع کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔ اور پھر میدانِ جنگ میں مطالعے کی ضرورت ہے۔

حضرت خالدؓ بن ولید چونکہ نبی کریمؐ کے بہترین شاگرد تھے۔ اور انھوں نے آپ کے تعلیم کردہ اصول دفاع اور حدیث دفاع کو بخوبی سمجھ کر اُن پر عمل درآمد کیا لہٰذا ہر موقع پر کامیابی نے آپ کے قدم چومے۔

حالانکہ خالدؓ بن ولید کی زندگی کا معتدبہ حصہ میدانِ جنگ میں گزرا، ہمیشہ مصروفِ جہاد رہے، پھر بھی آپ علم کی تشنگی محسوس کرتے تھے۔ آپ کی یادداشت نہایت اچھی تھی جو کلمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے انہیں بخوبی ذہن میں محفوظ کر لیتے تھے۔ نبی کریم صلعم کے وصال کے بعد مدینہ میں اہلِ علم کی جو مقتدر جماعت تھی ان میں آپ کا بھی شمار ہوتا تھا۔ اگرچہ جہاد کی مصروفیات نے آپ کو ان اہلِ علم کے ساتھ مسند افتا پر فائز ہونے کا موقع نہ دیا، تاہم یہ کمی حدیثِ دفاع کو باحسن الوجوہ ظاہر و مدون و مرتب کرنے سے پوری ہو گئی۔ اس طرح نہ صرف مسلمانوں کے قلوب میں حدیثِ دفاع کی فضیلت مرتسم ہوئی بلکہ غداران و مشرکین بھی ان اصولوں کو بہترین تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے۔

خالدؓ صاف دل اور نیک نیت، پاک باطن، بے ریا، صداقت [illegible] خلوص، دیانتدار، اور دانشور تھے۔ معاہدت کی [illegible] تھے۔ دشمن کے پیام بروں اور سفیروں کے ساتھ [illegible] صاف گوئی آپ کی خاصہ تھا۔ آپ [illegible] آپ کو شکست [illegible] مقبول تھے لیکن آپ [illegible] دو [illegible] کی بنا پر آپ [illegible] گیا۔

اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے خالدؓ بن ولید کو محض اس لئے معزول
کیا تھا کہ فتوحات نے مسلمانوں کو ان کا گرویدہ بنا دیا تھا، اور لوگ یہ کہنے لگے تھے
کہ جس معرکہ میں خالدؓ ہوں گے وہاں دشمنوں کا خواہ کتنا ہی عظیم لشکر کیوں نہ ہو،
مسلمان ضرور فتح مند ہوں گے۔ اس قسم کے بیانات سے ہمیں اتفاق نہیں۔
حضرت عمرؓ کے خصائل کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خوف اور دہشت
سے قطعی ناآشنا تھے۔ اللہ تعالیٰ پر کلی اعتماد تھا۔ البتہ آپ بڑے منتظم تھے۔ لہذا
مثال قائم فرمانا چاہتے تھے کہ امیرِ لشکر بددیانت نہیں ہے مگر اس کے تغافل کی
وجہ سے اس کا بھی امکان تھا کہ بیت المال میں گڑبڑ ہو جائے۔ لہذا وہ سزا
کا مستوجب ہے! نیز خالدؓ کو معزول کر کے عامۃ المسلمین کو آپ یہ سبق
دینا چاہتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالبوں کے لئے دنیوی جاہ و منصب درکار
نہیں۔ اس کی راہ میں جہاد کرنے والے ہر حالت میں راضی برضا رہتے ہیں۔ اور
آپ کو توقع تھی کہ خالدؓ اس کی متابعت کریں گے۔ اور ابد تک کے لئے مثال
قائم کر جائیں گے۔ اور حضرت خالدؓ بن ولید نے ایسا ہی کیا۔ دوست اور دشمن
نے آپ کو لوہا مانا۔ آج تک دنیا انہیں خراجِ تحسین پیش کر رہی ہے۔

حیرہ کے باشندے جب خالدؓ کی خدمت میں معاہدہ کرنے کے لئے حاضر
ہوئے تو خالدؓ کی مدلل گفتگو، اور اپنی فوج میں ان کی ہر دلعزیزی دیکھ کر حیرت زدہ
رہ گئے اور امیرِ وفد نے بے اختیار کہا —— "خدا کی قسم جب تک تم لوگوں میں ایک
شخص بھی خالدؓ جیسا باقی رہے گا تم برابر اپنی مراد کو پہنچتے رہو گے"

[illegible] آپ کی زندگی کے متفرق واقعات سے بحث کی [illegible]
[illegible]
[illegible] صحابہ اور حضرت خالدؓ بن ولید
[illegible] حضرت عمر [illegible]
[illegible]

ہم لوگوں کو تمام جنگی معاملات اور معرکہ آرائی میں مقدم رکھتے تھے ۔ ان امور میں ہماری رائے لیتے، اور اسے قابلِ اعتنا سمجھتے تھے۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ کے اس وقار کو جو انہیں قبولِ اسلام سے قبل حاصل تھا اور وہ منصب جس پر وہ ایامِ جاہلیت میں فائز تھے۔ بحال رکھا۔ اور جب وہ سب سے پہلے جہاد میں شامل ہوئے تو انہیں "سیف اللہ" کا خطاب فرمایا"۔

روایت ہے کہ "جب حضرت خالدؓ آنحضرتؐ کے دفاعی منصوبے کے تحت ایک گھاٹی کی سمت سے نمودار ہو رہے تھے۔ تو آنحضرت صلعم نے حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا "دیکھو یہ کون لوگ ہیں۔" حضرت ابوہریرہؓ نے جواب میں عرض کیا "خالدؓ بن ولید اور اس کا لشکر۔" آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔ "یہ اللہ کا بندہ بھی کیا خوب ہے"

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاد کے لئے روانہ کرتے وقت حضرت خالدؓ بن ولید کو یہ نصیحت فرمائی تھی :-

"خالد! عزت و جاہ سے بھاگو۔ عزت تمہارے پیچھے پیچھے پھرے گی موت پر دلیر رہو۔ زندگی تمہیں ملے گی۔"

مالک بن نویرہ کے قتل پر مسلمانوں میں ناراضگی پیدا ہونے کے باعث خلیفۃ الرسولؐ نے خالدؓ کو جواب دہی کے لئے دربارِ خلافت میں بلایا اور معقول عذر سُن کر انہیں لوٹا دیا۔ حضرت عمرؓ کا اصرار تھا کہ خالد کو سزا دی جائے۔ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا ـــــ "خالد کے عذر معقول ہیں۔ لہٰذا اس تلوار کو ہرگز نیام میں نہ کروں گا۔ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے واسطے برہنہ فرمایا اور جسے بارگاہِ رسالت سے "سیف اللہ" کا خطاب عطا ہوا ہے۔" یہ جواب سُن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔

اس واقعے کو عام مؤرخوں نے رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کر کے غلط نتائج مستنبط کئے ہیں جن سے مترشح ہونے لگتا ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت خالدؓ کی قبولیت

سے ہراساں تھے۔ یہ رائے قطعی گمراہ کن اور لغو ہے۔ کسی شخص کی جبلی عادت نہیں
بدلتی۔ اگر خدانخواستہ عمرؓ خالدؓ بن ولید سے خائف ہوتے تو اس کا اظہار بعد میں
کسی وقت کرتے۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب عمرؓ عادل تھے۔
بے باک اور دلیر تھے۔ وہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کا بھی لحاظ نہیں رکھتے تھے۔
اور انہیں ذات واحد —— اللہ تعالیٰ —— کے سوا کبھی کسی سے خوف لاحق نہیں ہوا۔

جب حضرت ابن عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمرؓ نے
سپہ سالار لشکر اسلام مقرر فرمایا تو اس پر خالدؓ کا کوئی رعب طاری نہ ہوا کہ انہیں
منصب سپہ سالاری سے معزول فرما دیا ہے۔ اور جب اس کے بعد معرکہ
کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے خالد بن ولید کی سرفروشانہ جنگ آزمائیوں اور جہاد
میں جانبازیوں کا مفصل حال لکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیجا
تو حضرت عمر نے اسے پڑھ کر فرمایا۔ ”خالد نے خود اپنے آپ کو سپہ سالار بنا لیا
حضرت ابوبکرؓ پر اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرمائے وہ مجھ سے زیادہ مردم کے آدمیوں
کو پہچانتے تھے۔“

اپنی معزولی کے بعد جب خالدؓ حضرت عمر کے دربار میں حاضر ہوئے۔ اور
عرض گزار ہوئے کہ ”امیر المومنین! بخدا آپ نے میرے معاملے میں اچھا سلوک
نہیں کیا، اور آپ انصاف سے کام نہیں لے رہے ہیں۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا۔ ”خدا کی قسم تم مجھے بے حد
عزیز اور محبوب ہو۔“

پھر حساب و کتاب کی جانچ کے بعد آپ نے تمام بلاد و امصار میں اعلان فرمایا
”لوگو! میں نے خالدؓ کو کسی ناراضی یا خیانت کی بنا پر ہرگز معزول نہیں کیا۔“ اور
جب حضرت عمرؓ کو حضرت خالدؓ کی وفات کی اطلاع ملی تو آپ نے بے ساختہ فرمایا:
”عرب کی عورتیں خالدؓ کی مانند فرزند جننے سے قاصر رہیں گی۔“

ایک دفعہ عرب کا ایک مشہور شاعر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ

نے فرمایا مجھے خالدؓ بن ولید کے متعلق اپنے اشعار سُناؤ۔ چنانچہ اس نے حکم کی تعمیل کی
آپ نے اشعار سُن کر کہا ——— "تم خالدؓ کا پورا حق ادا نہ کر سکے"۔

کیا خالدؓ کا جہاد اللہ کی راہ میں نہیں تھا؟

خالدؓ بن ولید کی مہمات کا ذکر کرنے سے پہلے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ مذکورہ بالا شبہ پر روشنی ڈالیں۔ کیونکہ معترضین نے یہ شبہ پیدا کر دیا ہے۔ اور ہمارے مسلمان مورخوں نے ان شبہات کا نہ تو ازالہ کیا ہے اور نہ اعتراضات کے جواب دیئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ متعصّب غیر مسلم مورخین کو یہ سوالات اٹھانے کی جرأت ہوئی ہے۔

۱۔ کیا خالدؓ کی مہمات محض لوٹ مار اور فتوحات کی غرض سے نہ تھیں؟ اور کیا دعوتِ اسلام محض ایک بہانہ نہ تھی؟

۲۔ کیا اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا؟ ورنہ مسلمانوں کو ایران، شام، مصر پر حملہ کرنے کی ضرورت کیا تھی؟

۳۔ مسلمان مورخین نے اس قسم کے سوالات پر بحث کرنے کی ضرورت کیوں محسوس نہیں کی؟ کیا ان کا سکوت ان اعتراضات کے صحیح ہونے کی غمازی نہیں کرتا؟

ان اعتراضات کا جواب باصواب دینے کی خاطر ہم مدینے کے نواح کے اور دُنیا کے حالات پر روشنی ڈالیں گے، تاکہ فوج کشی کے اسباب اور وجوہ عیاں ہو جائیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ دُنیا میں قدیم الایّام سے جتنے مذاہب رائج رہے اُن میں سے ایک قسم کے مذاہب تو وہ ہیں جن میں انسانی ضابطۂ حیات سے متعلق کوئی قواعد و قوانین نہیں ہیں الا یہ کہ دیوی دیوتاؤں کی پرستش کی جائے۔ پجاریوں اور مندروں کے نگران کاروں کی تقدیس تسلیم کی جائے اور انہیں نذریں گزرانی جائیں اُن کا عقیدہ یہ رہا ہے کہ رسمِ پرستش ادا کرنے والے ہی صرف اُن دیویوں دیوتاؤں کے محبوب ہوتے ہیں اور خیر و برکت صرف ان کے قدم چومنے اور انہیں خوش رکھنے

منظم اور باقاعدہ بنا کر اس کی مثال پیش کر دی کہ :-

۱- مدینہ کے فرمانروا آپ خود تھے۔

۲- آپ صرف مبلغ اور اخلاقیات کے معلم ہی نہیں تھے بلکہ آپ جج بھی تھے

۳- زمانہ امن میں دفاعی تربیت کے آپ بہترین استاد تھے۔ اور زمانہ جنگ میں دنیا کے بہترین سپہ سالار۔

۴- نظم و نسق کے سربراہ بھی تھے۔

۵- ایک طرف مسجد میں نماز باجماعت کی امامت کے فرائض انجام دیتے تھے، تو دوسری طرف بازار میں تجارت کرتے تھے۔

۶- عدالت میں مجرموں کو سزا دیتے تھے، اور غریبوں، مظلوموں، یتیموں کے سب سے بڑے مددگار بھی تھے۔

اس طرح آپ کی ذات، قدس جامع کمالات تھی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی پوری پوری تقلید کی۔

دعوتِ اسلام گرد و پیش کی دنیا کے لئے زبردست انقلابی پیغام تھا۔ لہذا جہاں جہاں آنحضرت کے پیغام رساں سفیروں کے ساتھ انصاف اور احترام ملحوظ رکھا گیا، مثلاً حکومت حبش وغیرہ، وہاں کوئی لشکر کشی نہیں کی گئی۔ لیکن یران شام، اور دوسری جن حکومتوں نے اسلام کے فرستادہ سفیروں کو ذلیل کیا، اور قتل بھی کر دیا، وہاں از سرِ نو دعوتِ اسلام کے لئے وفود روانہ کئے اور نقصان کا تاوان مانگا، لیکن جب ان پُرامن مبنی بر انصاف تقاضوں کو بھی بے استغناء سے ٹھکرا دیا گیا تو ان سلطنتوں کو سزا دینا لازم ہو گیا۔

کیا آج کل کی دنیا ایسی مثالیں پیش کر سکتی ہے جن سے واضح ہو کہ قومیں دوسری قوموں پر جو فوج کشی کرتی ہیں وہ ایسے ٹھوس اخلاقی وجوہ کی بنا پر ہو؟ ہر دو عالمگیر جنگوں کے اسباب و علل پر ہم اپنی کتاب "حدیث دفاع" اور "ہمارا دفاع" میں شرح و بسط سے روشنی ڈال چکے ہیں۔ لہذا یہاں ان کا اعادہ کرنا چنداں ضروری نہیں۔

جنگِ موتہ کے اسباب

شرجیل بن عمرو غسانی شہنشاہ ہرقل قیصر روم کی طرف سے شام کا گورنر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر ازدی کو سفیر اور داعی اسلام بنا کر مع اپنے ایک خط کے شرجیل کے پاس روانہ فرمایا۔ شرجیل خط پڑھ کر اس قدر برافروختہ ہوا کہ عالم غیض و غضب میں حضرت حارث کو شہید کرا دیا۔ آنحضرت صلعم کو اس حادثہ کا شدید صدمہ پہنچا۔ صرف خون بہا اور سفیر کو بین الاقوامی قوانین کے خلاف قتل کر دینے کا ہی سوال نہ تھا۔ بلکہ شام کے اس گورنر کا منشا یہ بھی تھا کہ بانی اسلام صلعم کو اقوام عرب کی نگاہوں میں حقیر ظاہر کیا جائے۔ کسی زمانے اور کسی حکومت کی نظر میں اس بد سلوکی کے بالعوض آمادہ جنگ ہو جانا ناجائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ لیکن اس قسم کے حالات میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سپہ سالاروں کو جو احکام و ہدایات دیئے ان پر عمل درآمد کر کے آج بھی اقوام عالم اپنے آپ کو بہتر و برتر قومیں بنا سکتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سپہ سالاروں کو نصیحت فرمائی۔ "جو لوگ مذہبی عبادت کرتے ہوں اور کلیساؤں میں نظر آئیں انہیں ہرگز قتل نہ کرنا ضعیف، بچے، عورتیں، اور مریض تمہارے ہاتھوں ہرگز قتل نہ ہوں۔ اثنائے راہ میں ہرے بھرے کھیت، شاداب باغ، اور چشمہائے آب ہرگز تاراج نہ کئے جائیں۔" آپ نے حضرت حارث کو موتہ میں دفن ہونے سے بھی منع فرمایا تھا۔ آپ نے زید بن حارثہ کی سرکردگی میں تین ہزار مجاہدین اسلام کی فوج روانہ فرمائی۔ اور ہدایت کی کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو ان کی جگہ حضرت جعفر بن ابی طالب امیر جیش قرار پائیں۔ اور اگر یہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ سپہ سالار ہوں

اور جب وہ بھی جامِ شہادت نوش کر جائیں، تو لشکرِ اسلام کو اختیار ہے جسے چاہے اپنا امیر چن لے۔ شرجیل غسانی نے اس جمعیت مجاہدین کے مقابلے کے لئے ایک لاکھ لشکرِ جرّار روانہ کیا، اُس میں کچھ رومی فوج تھی اور بقیہ رومی حکومت کے ماتحت قبائل نعم، جذام، بلقین، بنو غنم، بنو غسان، بنو ثعلبہ کے لوگ تھے۔ خود قیصرِ روم ہرقل مقام بلقا پر فروکش تھا۔

مجاہدین مدینہ سے کوچ کر کے شہر معان تک پہنچے اور جب انھیں رومی لشکر کی تعداد کا علم ہوا، تو وہاں ٹھہر کر حالات کا جائزہ لینے لگے۔ بالآخر یہی طے پایا کہ رومیوں پر حملہ کیا جائے۔ مجاہدین کا لشکر دھند کی وجہ سے موتہ کے شہر کو نہ دیکھ سکا۔ کچھ دور آگے نکل گیا۔ ادھر سے شرجیل کا لشکر بلقا سے روانہ ہو کر مشارف میں پہنچا تو موتہ کے نواح میں لشکرِ اسلام کی موجودگی کا علم ہوا۔ چنانچہ وہ فی الفور مقابلہ کے واسطے اُدھر بڑھے۔

حضرت حارث رضؓ نے اپنی فوج کی ترتیب اس طرح دی تھی :-

میمنہ کا امیرِ لشکر ——— قطبہ بن قتادہ

میسرہ کا امیرِ لشکر ——— عبایہ بن مالک انصاری

رومی اور اسلامی فوجیں بڑی جرأت اور بہادری سے ایک دوسرے پر حملے کر رہی تھیں۔ جنگ نے ہولناک شکل اختیار کر لی۔ اور حضرت زید رضؓ، حضرت جعفر رضؓ، اور حضرت عبداللہ نے باری باری جامِ شہادت نوش کیا۔ اس کے بعد ثابت بن اقدم نے علم اسلامی بلند کیا۔ اور آپ ہی کی تجویز پر حضرت خالد بن ولید رضؓ امیرِ لشکر منتخب ہوئے۔ حضرت خالد رضؓ نے امیرِ لشکر ہوتے ہی چیدہ چیدہ شہسواروں کی معیت میں دشمن کے ایک بازو پر شدت کا حملہ کر دیا۔ اتفاق سے وہاں بنو غسان کا لشکر (جو بنو غنم کی زبردست شاخ تھی) موجود تھا۔ اس ناگہانی حملے کی تاب نہ لا کر پسپا ہو گیا۔ صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ ان کا زبردست جنگی نقصان ہوا۔ اس واقعہ نے رومی لشکر میں ہراس پیدا کر دیا۔ اور وہ اب جارحانہ حملوں کی بجائے بچاؤ اور

مدافعت کی لڑائی لڑنے لگے۔ اس طرح دن تمام ہو گیا۔ رات ہوئی تو لڑائی بند کر دی گئی۔
جب رومی لشکر تمام دن کی نبرد آزمائی اور کشاکشِ حرب کے بعد آرام کر رہا تھا، خالدؓ نے اسلامی لشکر کو از سرِ نو ترتیب دیا۔ بجائے اس کے کہ سب کو ایک ہی صف میں کھڑا کرتے، ان قبائل کو جو اوّل دن پچھلی صفوں میں تھے آگے کھڑا کیا اور جو مجاہد گزشتہ دن لڑتے رہے تھے۔ انہیں پیچھے کھڑا کیا۔

قلب

میمنہ

میسرہ

محفوظہ
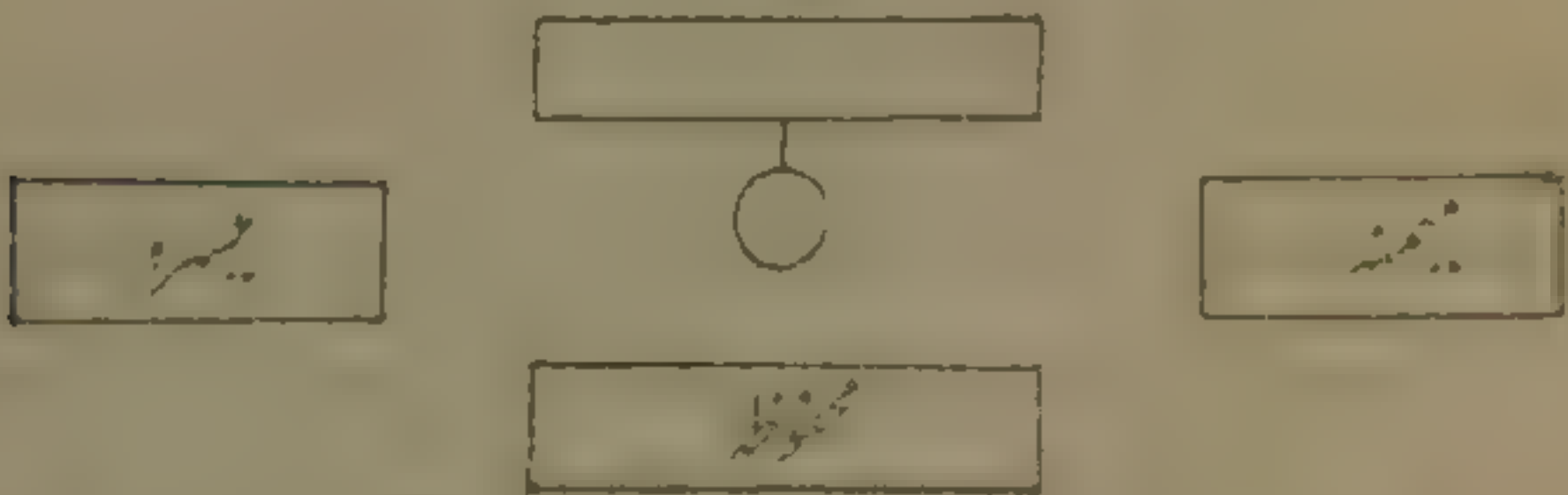
اس ترتیب سے عیسائی عربوں کے لئے یہ ترتیب بہت مؤثر ثابت ہوئی۔ انہیں خیال ہوا کہ مسلمانوں کو مزید کمک پہنچ گئی ہے۔ جس کا حال وہ خالدؓ کے جاسوسوں سے پہلے ہی سے پروپیگنڈا سے سن چکے تھے۔ دوسرے دن خالدؓ نے پرانے عربی دستور کے مطابق دست بدست لڑائی کے لئے دشمنوں سے مبارزت طلب کی۔ چنانچہ دشمن کے جتنے پہلوان اور مشہور سپاہی نکلے وہ سب خالدؓ کے مقابلے میں آئے مارے گئے۔ مبارزانہ جنگ کا یہ سلسلہ دو دن تک جاری رہا۔
قبیلہ عرب کے ساتھ ایک کاہنہ تھی۔ اس نے اپنے لوگوں کو ایسے شخص سے لڑنے سے منع کیا۔ جو طویل جسم ہوں گے جن کے گھوڑے لاغر ہوں گے جن کے منہ پر چیچک کے داغ ہوں گے۔ چنانچہ یہ سب باتیں حضرت خالدؓ میں موجود تھیں نیز ان کے پہلے دن کے حملے اور دوسرے اور تیسرے دن کی لڑائی نے اس قبیلہ والوں کے دل میں کاہنہ کی تخویف کا یقین پیدا کر دیا۔ اور یہ لوگ رومی لشکر چھوڑ کر فرار ہو گئے۔
ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لشکر کو روانہ فرمانے کے بعد بے فکر نہیں ہو گئے

سکتے۔ آپ نے اعلانِ جہاد فرمایا۔ اور نئی فوج تیار کرنی شروع کی۔ اس کا علم بھی شرجیل کو اُس کے جاسوسوں کے ذریعے ہو چکا تھا۔ علاوہ بریں غسانی سردار کے اہلِ لشکر کو یقین نہ آتا تھا۔ کہ لشکرِ اسلام کی تعداد کے بارے میں ان کے جاسوس جو خبریں لائے ہیں وہ صحیح ہوں گی۔ اور صرف تین ہزار مجاہد ہی ایک لاکھ کے مقابلے میں آئے ہوں گے۔ اگر یہ صحیح ہوتا تو اتنے دن تک ایک لاکھ لشکر جرار کے سامنے کس طرح ٹھہر سکتے تھے۔ پھر قبیلہ حدس کے فرار ہونے کے بعد دیگر قبائل بھی رفتہ رفتہ مراجعت کرنے لگے، تو شرجیل بہت گھبرایا اور مناسب سمجھا کہ اپنے لشکر کو میدانِ جنگ سے فی الحال ہٹا لے جائے۔ اور دوبارہ تنظیم کر کے مناسب موقع پر انہیں دشمن سے لڑائے۔ شرجیل کے جھنڈے تلے جمع ہونے والے عرب قبائل کے لئے یہ کوئی نیا طریقِ جنگ نہ تھا۔ ان کے ہاں مدت مدید سے یہی ہوتا چلا آتا تھا۔ کہ اگر چند دن کی لڑائی فیصلہ کن ثابت نہ ہوئی تو لڑنے والے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے۔ کیونکہ یہ لوگ محض چند دن کے واسطے اپنا اور اپنے جانوروں کا ذخیرہ رسد لے کر آیا کرتے تھے۔ مزید براں اگر کسی لشکر کا سردار مارا جاتا تو وہ قبیلہ ہار مان کر اپنے گھر واپس لوٹ جاتا۔ آنحضرتؐ نے ان اصولوں میں بہت تبدیلیاں کروی تھیں۔ مثلاً رسد کافی دن کے لئے جمع کرنے اور اگر امیرِ لشکر مارا جائے تو اس کی جگہ دوسرا امیر مقرر کرنے کے احکام صادر کئے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ جنگ اور مجاہدین کی خیریت کے متعلق فرمان ارشاد کرتے ہوئے حالاتِ جنگ بیان فرمائے۔ خالدؓ کے حق میں دعائے نصرت فرمائی، اور کہا ــــ "خالدؓ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔" اور اسی دن سے حضرت خالدؓ سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

یہ جنگ آئندہ واقعات پر اہم طور سے اثر انداز ہوئی۔ چنانچہ غزوہ تبوک کے وقت یہ معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں کا رعب دشمنانِ اسلام کے دل میں بیٹھ چکا ہے۔

وہ یہ قبائل مجاہدینِ اسلام کے عزمِ بے پناہ سے حد درجہ مرعوب ہیں۔ علاوہ بریں خالدؓ کے بحیثیت سپہ سالار تقرر نے بھی ان کی قدر و منزلت میں اضافہ کر دیا۔ اور پھر یہ اپنی نوعیت کی وہ پہلی جنگ تھی جس میں صرف تین ہزار مجاہدینِ اسلام رومتہ الکبریٰ ایسی عظیم مرفہ الحال اور طاقتور سلطنت کی ایک لاکھ سپاہ والی جمعیت سے مبارزت طلب ہوئے اور انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس سے مجاہدینِ اسلام کے قلوب میں بھی جذبۂ خود اعتمادی بلغایت درجہ پیدا ہو گیا۔

جنگِ موتہ کا اختتام بھی عجیب طریقے سے ہوا۔ شرجیل کی فوج خود بخود پسپا ہو کر واپس چلی گئی۔ اور پھر خالدؓ نے بھی اپنی فوج کو ہٹا لیا۔ اہلِ مدینہ پر اس جنگ کا اچھا اثر نہ ہوا۔ کیونکہ وہاں عوام میں سے بعض کا خیال تھا کہ مسلمانوں نے شکست کھائی ہے۔ مگر حقیقت یہ نہ تھی۔ اس میں شک نہیں کہ شروع شروع میں مسلمانوں کا کافی نقصان ہوا۔ مگر اخلاقی اور ذہنی شکست رومیوں ہی کو ہوئی۔ کیونکہ انھوں نے دیکھا کہ اسلامی فوج اپنے تین سپہ سالاروں کے مارے جانے کے باوجود کمال عزم و ثبات کے ساتھ محوِ جدال و قتال ہے۔ اور اگر اس مختصر سی جمعیت کو مزید کمک پہنچ جائیگی تو اس کی شجاعت کا کیا ٹھکانا ہوگا۔ چنانچہ ان خیالات کے زیرِ اثر ہی پریشان ہو کر فوجِ کفار میدان چھوڑ کر چلی گئی۔ خالدؓ نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ دشمن کا تعاقب نہ کیا جائے۔ علاوہ ازیں دشمن کی پشت پر ہرقل بنفسِ نفیس ایک لشکر لئے ہوئے پڑا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم موتہ آنے کے لئے نہیں تھا۔

معرکۂ حنین، طائف اور تبوک

موتہ کی لڑائی میں خالدؓ نے اپنے جذبۂ جہاد اور سپہ سالارِ جنگ ہونے کی قابلیت اور اہمیت کا زبردست ثبوت دیا تھا۔ لہٰذا معرکۂ حنین میں آنحضرت صلعم نے انہیں مقدمۃ الجیش کا کمانڈر بنا دیا۔ اس جنگ میں خالدؓ نے جرأتِ مردانہ اور جوہرِ سپہ گری کا بہترین مظاہرہ کیا۔ خالدؓ خود زخموں سے چور چور تھے یعنی خطرناک زخم بھی لگے جسم سے بکثرت خون بہہ گیا۔ بایں ہمہ نہایت عالی حوصلگی سے آخر دم تک لڑتے رہے اور دشمن کو میدانِ جنگ سے بھگا کر دم لیا۔

اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ کی خاص طور سے دلجوئی فرمائی۔ ان کے زخموں کی مرہم پٹی کرائی۔ اور ان کی صحت کے لئے جناب باری میں دعا فرمائی۔ فتح مکہ کے وقت بھی خالدؓ کو آنحضرت صلعم نے فوج کا سپہ سالار بنایا۔ بعینہٖ اسی طرح محاصرۂ طائف کے وقت مقدمۃ الجیش کا سردار نامزد فرمایا۔ اکیدر رئیس دومۃ الجندل کی گرفتاری کی مہم بذاتِ خود معرکۃ الآرا بابِ فتوحات ہے جسے مستقل [illegible] کارنامے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہماری نظر میں فی الوقت اس واقعہ کی اہمیت اس فوجی اصولِ جنگ کے پیشِ نظر ہے جسے اتحادیوں اور روسیوں نے ۱۹۴۵ء میں "کمانڈو" (Commando) کے نام سے موسوم کیا۔ اور اسے بزعمِ خویش [illegible] سے تعبیر [illegible] ساتھ [illegible] اور اس لئے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ [illegible] کی ایجاد نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلعم نے [illegible] استعمال کیا ہے۔

نئے اصول جنگ کی بدولت ایک مستحکم قلعہ فتح ہوگیا اور ایک بہادر اور متکبر رئیس محرم بن گیا۔

بنو جذیمہ

اس قبیلے کے پاس دعوتِ اسلام کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے داعیانِ حق کے ساتھ ایک لشکر بھی روانہ کیا تھا۔ کیونکہ اس نے انتہائی فتنہ و شر پھیلا رکھا تھا۔ اس اسلامی لشکر میں بنو سلیم کے مجاہدین بھی شامل تھے۔ یہاں چند ایسے واقعات پیش آئے جن کا تعلق ہمارے نفسِ مضمون سے نہیں ہے اختصاراً:۔ غلطی سے کچھ مسلمان قتل ہوگئے۔ انھوں نے "اسلمنا" (ہم مسلمان ہوگئے) کہنے کی بجائے "صبانا" (ہم بے وطن ہوگئے) حالانکہ ان کا مدعا اسلام لانے ہی تھا، کیونکہ اس کے معنی ہوتے ہیں کہ ہم اپنے اجداد کے دین سے منحرف ہوگئے اس قتل سے خالد رضؓ کو اپنی ذمہ داری بخوبی ادا نہ کرنے کا ملزم قرار دیا گیا۔ اور آنحضرت صلعم نے حضرت خالد رضؓ کو سخت سرزنش کی تاکہ وہ ان فرائض و واجبات سے آگاہ رہیں جو ایک لشکر کے سپہ سالار کے لئے ضروری ہیں۔

آنحضرتؐ خالد رضؓ کی اہلیت اور جاں نثاری سے بخوبی واقف تھے۔ لہٰذا آپ نے خالد رضؓ کو جلد اور موقع عطا فرمایا تاکہ عوام میں خالد رضؓ کے متعلق غلط فہمی نہ پیدا ہونے پائے۔ خالد رضؓ کو نجران بھیجا گیا۔ جاتے وقت آنحضرتؐ نے انہیں یہ ہدایت فرمائی:۔

"دعوتِ اسلام سے تعلق رکھنا، اور کسی بے گناہ پر تلوار نہ اٹھانا"

اس مہم میں خالد رضؓ کو بہت کامیابی ہوئی۔ خالد رضؓ خود اس مہم میں داعی بھی تھے اور معلم بھی۔ مشرکین کو دین سکھاتے رہے۔ اور ایک منتخب اصحاب کا وفد یہاں سے حصول تعلیم کے لئے اس لئے مدینہ روانہ کیا کہ وہ فارغ التحصیل ہوکر اس علاقے میں دین کی اشاعت کا کام کرے۔

منتیں، نذر و نیاز سب کچھ بتوں سے وابستہ تھا۔

اب چونکہ ہبل اور لات کے بعد عزیٰ کی پرستاری نے انتہائی اہمیت حاصل کر لی تھی اور اس کا مٹانا ضروری تھا۔ اس لئے آنحضرت صلعم نے خالدؓ کو لشکر دے کر نخلہ کے مستقر کی سمت روانہ فرمایا۔ خالدؓ وہاں پہنچے اور بدوں خاص مزاحمت کے عزیٰ کے بت کو بھی پاش پاش کر دیا۔ اس کے بعد آپ نجران نیز بنو حنیفہ میں تبلیغ کے لئے مامور فرمائے گئے۔ چونکہ یہ کام بہت دشوار تھا۔ لہٰذا حسبِ دستورِ سابق اور یمن کی طرح حضرت علیؓ کو خالدؓ کی مدد کے واسطے روانہ کیا، اور حضرت علیؓ نے قیادت فرمائی۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ حضرت علیؓ کی عملی تربیت سے خالد مستفیض ہوئے۔

بحرین اور اس کے نواح میں حضرت عمرو بن عاصؓ مصروفِ تبلیغ و ارشاد تھے۔

سنہ ہجری میں جب کہ تمام اطراف عرب میں اسلام بسرعت پھیل رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہو گیا۔

نیز روم ماریس کو شکست فاش دے کر قید کر لیا۔ اسے شدید تکلیفیں دی جاتی تھیں
کہ قیصر روم ایرانیوں کی قید میں بحالت ذلت و تشدد مر گیا۔ نوشیرواں عادل بھی اسی
خاندان سے تھا۔ اس نے بھی رومیوں سے جنگ کی، مزید علاقے چھین لیے۔ اب
خسرو [illegible] دریائے سندھ سے لے کر شمالی افریقہ تک وسعت اختیار کر چکی تھی۔
نوشیرواں کا جانشین اس کا خلف اکبر ہرمز عیاش، نا اہل، مغرور، جفا کار تھا۔
انجام کار اپنے ایک سردار بہرام کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس کے بعد بہرام نے ہرمز
کے بیٹے خسرو پرویز کو تخت نشین کیا، اور زمام حکومت و اختیارات خود اپنے
ہاتھ میں لے لی۔ خسرو کو بہرام کی مداخلت ناگوار ہوئی، نتیجتاً دونوں میں جنگ ہوئی۔
خسرو بھاگ کر قیصر روم مارکس کے پاس جا پہنچا۔ قیصر نے نہ صرف خسرو کی
دلجوئی کی بلکہ ایک بڑا لشکر اس کے ساتھ کر دیا جس کی مدد سے بہرام کو زیر کر لیا گیا۔
بہرام کو ختم کرنے کے بعد خسرو نے فلسطین پر فوج کشی کی۔ مجوسی اور یہود عیسائیوں
سے پرانی عداوت اور جذبہ انتقام کے تحت خسرو کے ساتھ شامل ہو گئے۔ نیز بدو
عرب لوٹ مار کی غرض سے ہزاروں کی تعداد میں خسرو کے ہمراہ ہو گئے۔ بیت المقدس
کے کلیسائے اکبر کو نذر آتش کر دیا گیا۔ قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا۔ نوادرات
کے ساتھ صلیب مقدس بھی خسرو اپنے ہمراہ لے گیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر
خسرو نے مصر کا رخ کیا۔ جہاں رومیوں کی آبادیاں تاراج کیں۔ اسے فتح کیا۔
پھر طرابلس پر حملہ آور ہوا۔ وہاں بھی [illegible]
مدائن واپس آ گیا۔

مدائن

ایران کا دار السلطنت تھا۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

یوسنہ کے مطابق ان کے بیان سے بھی آخر صداقت جھلک پڑتی ہے۔

جب پرویز دوبارہ تخت نشین ہوا تو اُس نے رومیوں کی مدد سے چار سال میں امن وامان قائم کر کے بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ ادھر قیصر روم موریس کے قتل ہو جانے پر اس کے بیٹے فوقاس کی امداد کے لئے روم پر لشکر کشی کی۔ رومیوں نے ہرقل کو تخت نشین کیا تھا۔ خسرو کے ہاتھوں ہرقل نے پیہم شکستیں کھائیں اور آخر خسرو کے سپہ سالار سین سے درخواست صلح کی۔ جب سین نے صلح کی سفارش کی تو خسرو کی بارگاہ میں معتوب ہوا۔ پھر خسرو قسطنطنیہ کی جانب بڑھا چنانچہ ہرقل نے ذلت آمیز صلح کر لی۔

لیکن انقلابِ گردوں نے وہ دن بھی دکھایا کہ چند ہی روز کے بعد ساسانی سلطنتِ عظمیٰ نے جس کی دھاک چار دانگِ عالم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ہرقل کے ہاتھوں شکست کھائی۔ اور وہ ذی جاہ خسرو پرویز جس کا نام سن کر دنیا کانپ اٹھتی تھی۔ وہ کسریٰ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوت نامہ چاک کر دیا تھا۔ اور آپ کو گرفتار کر کے لانے کا حکم صادر کیا تھا۔ شکستہ دل اور مایوس ہوا اور اپنے بیٹے مردانشاہ کو اپنا ولیعہد بنا دیا۔ اور کاروبار سلطنت اس کے سپرد کر کے خود علیحدگی اختیار کر لی۔ اس کے دوسرے بیٹے شیرویہ کو باپ کا یہ فیصلہ ناگوار گزرا۔ چنانچہ حکمتِ عملی سے اُس نے باپ اور بھائی کو قید کر کے قتل کرا دیا نیز اُن تمام شہزادگان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جو تاج و تخت کے دعویدار ہو سکتے تھے۔ شیرویہ تھوڑی مدت میں فوت ہو گیا۔ اِس کے بعد کئی شہزادے یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔

آخرکار یزدجرد سریر آرائے سلطنت ہوا۔ لیکن ان پے در پے تبدیلیوں کا ملک پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ حکومت بلحاظِ وسعت اسی حالت میں تھی جس میں خسرو پرویز نے اسے چھوڑا تھا۔ کسی صوبہ نے بغاوت کر کے الگ نہیں ہوا تھا۔ خزانہ بدستور بھرپور تھا۔ تمام چھاؤنیوں میں لشکر جرار موجود تھا۔ عوام کی زندگی کسی طرح

بہت متاثر نہیں ہوئی تھی۔

یزدجرد

یزدجرد خسرو پرویز کا پوتا تھا۔ پے در پے شہزادوں کو قتل ہوتے دیکھ کر
اس کی والدہ نے اُسے خفیہ رکھی، اور جلاوطنی کی حالت میں کئی اسے بہتر تعلیم
وتربیت دی۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۱۲ برس کی تھی۔ خاندانِ شاہی
سے ارادت مندی اور عقیدت کیشی زمانۂ قدیم سے چلی آتی تھی۔ چنانچہ یزدجرد
کے بادشاہ ہونے پر ملک میں اظہارِ مسرت کیا گیا۔

یزدجرد ہوشیار، اور قابل نوجوان بادشاہ ثابت ہوا۔ اس نے اپنے جد
پرویز کے برعکس، انصاف اور رعایا پروری سے کام لیا۔ عوام پرویز کے ظلم
وجور و غضب سے نالاں تھے۔ لہٰذا نئے بادشاہ سے بہت خوش ہوئے۔ پرویز
نوشیروان عادل کا پوتا تھا۔ مگر بہت ظالم و جابر، اور یزدجرد اسی جابر
پرویز کا پوتا تھا۔ مگر بہت قابل اور ہوشیار، چنانچہ اُس نے عوام کے دل
میں گھر کر لیا۔ اور اس کی خیرخواہی و جاں نثاری کا جذبہ ہر ایرانی کے دل میں
موجزن ہوگیا۔ یزدجرد کی خوش قسمتی تھی کہ اُسے اپنے دادا کے تمام خزانے
حاصل ہوئے۔ پھر کب اس دور میں سلطنتِ ایران منظم، مستحکم اور خوب آباد
تھا، خوشحال اور فارغ البال تھی۔

چونکہ ہرقل نے خسرو کو شکست دے کر اپنی توجہ ایران کی جانب سے ہٹا
لی تھی اور ایران کو بالکل تباہ کرنے کا منصوبہ آئندہ کے لئے اٹھا رکھا تھا۔
اس لیے وہ اپنے علاقوں اور صوبوں کو جو ایرانیوں کی لوٹ مار سے تباہ ہو چکے
تھے از سر نو آباد و مستحکم کرنے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ یہ مہلت یزدجرد کے
لیے باعثِ غنیمت تھی۔ چنانچہ اُنھوں نے بھی عراق، عمان، یمن کو مضبوط
و مستحکم بنانے کی طرف توجہ مبذول کی۔

دراصل وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں نے اشاعت و تبلیغِ مذہب کے لیے

شہر حیرہ جو فرات سے تین فرسنگ پر واقع تھا۔ عربوں کے تمدن کو اس شہر نے بہت فروغ دیا۔ یہ حیرہ جنوبی عرب میں نہایت عالیشان شہر بن گیا۔ آتش پرستی کی عظمت اور عیسائیت کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔

اردشیر بابکان نے اگرچہ عمرو بن عدی کو اپنا باجگزار بنا لیا تھا۔ تاہم حیرہ کی شان برقرار رہی۔ کیونکہ یہاں کے فرمانروا ایرانی شہزادگان کے اتالیق مقرر ہوتے رہتے۔ شاہ پور ساسانی نے حجاز و یمن کو بھی سلطنت ایران میں شامل کر کے امرؤ القیس کندی کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔ لیکن عربوں کو جب بھی موقع ملتا آزادی کے لئے جدوجہد کرتے۔ مگر حکومت ایران عموماً ان پر جلد غالب آجاتی۔ ایک بار شاہ پور عربوں کو سخت سزا دینے کی غرض سے قتل و غارت گری کرتا ہوا مدینہ تک پہنچ گیا تھا۔ چونکہ وہ قیدیوں کے شانے اکھڑوا دیتا تھا۔ لہٰذا عربوں نے اسے ذوالاکتاف کے نام سے یاد کیا۔

خسرو پرویز کو جب معلوم ہوا کہ نعمان بن منذر نے عیسائیت قبول کر لی ہے۔ تو وہ انتہائی غضبناک ہوا کیونکہ اسے عیسائیت سے انتہائی بغض اور شدید نفرت تھی۔ اور جب نعمان بن منذر نے پرویز کے حکم سے روگردانی کرتے ہوئے عیسائیت سے مرتد ہونا قبول نہ کیا تو اسے گرفتار کر کے قید کر لیا گیا۔ اور وہ قید خانے ہی میں مر گیا۔ نعمان نے دربار ایران کی طلبی پر بیش بہا [illegible] قیمتی سامان قبیلہ بکر کے پاس امانتاً رکھ دیا تھا۔ اس کی وفات کے بعد قبیلہ بکر نے یہ سامان دربار ایران کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا [illegible] میں پرویز کی سرکردگی میں دو ہزار ایرانی سپاہ کو قبیلہ بکر کی گوشمالی کے لئے بھیجا گیا۔ مقام ذی قار میں لڑائی ہوئی۔ ایرانیوں کو عربوں سے شکست فاش ہوئی۔ اس شکست کے متعلق آنحضرت نے فرمایا تھا۔ "یہ پہلا دن ہے کہ عربوں نے عجم سے بدلہ لیا۔"

یزدجرد کی تخت نشینی پر ایرانیوں نے عربوں کو زیر کرنے کا تہیہ کیا۔

پہلے حیرہ کو فتح کیا۔ پھر یمن میں حمیری خاندان کا قلع قمع کیا اور بحرین و عمان کو سلطنت ایران کا صوبہ بنا لیا۔

جب یہ قبائل مسلمان ہو گئے تو انھوں نے ایرانیوں سے بدلہ لینے کی ٹھانی ان میں سے اب خانہ جنگی اور ذاتی عداوت و نفاق ختم ہو چکا تھا۔ شروع شروع میں انھوں نے سرحد حیرہ و ابلہ پر چھیڑ چھاڑ کی۔ تا ایں زبردست سلطنت تھی یزدجرد نے عرب قبائل کے چھوٹے چھوٹے حملوں کا جواب سختی سے دینا شروع کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۃ المسلمین مقرر ہوئے تھے۔ اس قبیلے کے سردار مثنیٰ شیبانی نے اور سوید عجلی نے ایرانی جرنیل ہرمز کے مقابلے کے لئے آٹھ ہزار سپاہی اور مجاہد جمع کئے۔ لیکن ایرانیوں کا زبردست لشکر دیکھ کر مثنیٰ نے حضرت ابوبکر رضی سے امداد طلب کی اور اسی غرض سے امداد پہنچانے کے لئے خالد بن ولید عراق و ایران کی سمت بڑھے۔ ایرانی حکومت مُصر تھی کہ اس کی تمام رعایا آتش پرست ہو جو ایران کا شاہی مذہب تھا اور اسی لئے خسرو نے فلسطین میں عیسائیوں کا قتل عام کیا اور کنیساؤں کو جلا کر خاک کیا تھا۔ اور وہ مسلمانوں کے بھی مذہب تبدیل کرانے کے عزائم رکھتا تھا۔

ایرانی علاقہ میں خالد رض کی فتوحات

یہ علاقہ صوبہ حیرہ تھا جس کا گورنر ہرمز تھا۔ اس کا شمالی حصہ جزیرہ، شمالی عراق، آرمینیا اور کردستان پر مشتمل تھا۔ اور جنوبی حصہ وہ تھا جسے ۱۹۱۹ء تک عراق عرب کے نام سے موسوم کیا جاتا رہا۔

شمالی علاقہ۔ اس کی زمین وسیع میدان ہے۔ جگہ جگہ نشیب و فراز ہیں کہیں سرسبز پہاڑیاں بھی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے دریا رواں ہیں، جو دجلہ و فرات میں جا گرتے ہیں۔ بارش عموماً بہ نسبت جنوبی علاقے کے زیادہ ہوتی ہے۔ اور اکثر اپریل اور اکتوبر میں ہوتی ہے۔ موسم باران میں جب طغیانیاں آتی ہیں تو تمام

تلوار اور گرز ہوتے تھے۔ وہ گرز کے استعمال میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ایرانی سواروں کو اعلیٰ زرہ بکتر سے محفوظ کیا جاتا۔ ان کے سروں پر فولادی خود ہوتے تھے۔ ورن کے رسالے ایرانی پیدل پلٹن سے دوگنی تعداد میں تھے۔ ایران میں پہلوانوں کا بہت اقتدار تھا۔ اور پہلوان اکثر و بیشتر لڑائی کے میدان میں حریف کے لشکر سے اپنے مدِمقابل شمشیر زن کو دعوت دے کر دست بدست جنگ کرتے۔ اور یکے بعد دیگرے حریف کے نامور سالاروں کو ختم کر دیتے تھے۔

جب ایرانی سپہ سالار دیکھتا کہ حریف اپنے بہترین بہادروں کے قتل سے متاثر اور مرعوب ہو چکا ہے تو یک دم حریف پر تمام فوج کے ساتھ ہلّہ بول دیتا۔ بسا اوقات ایرانی اپنی پیدل سپاہ کو باہم گر زنجیروں سے باندھ دیتے تاکہ دشمن کا رسالہ پیادہ فوج کی صفوں کو درہم برہم نہ کر سکے اور حملہ آور رسالہ ان زنجیروں میں اُلجھ جائے۔ نیز ایرانیوں کا یہ بھی خیال تھا کہ اس طرح پیدل فوج ہمت ہار کر بھاگ نہیں سکے گی۔ کیونکہ بزدل کو بھی دوسروں کے ساتھ زنجیر میں بندھا ہونے کے باعث مجبوراً استقامت سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اور اس طرح مجبوری انہیں لڑنے مرنے پر آمادہ کر دیتی تھی۔ لیکن کیا یہ نظریہ صحیح تھا؟ اس پر ہم آئندہ روشنی ڈالیں گے۔

اس فوجی تربیت میں ایک نقص تو یہ تھا کہ میر میران آپس میں متحد ہو کر اپنی فوجوں کو لڑانے کی مہارت نہ رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں جس میر میران کو بادشاہ تمام لشکر کا کمانڈر انچیف مقرر کرتا۔ اس سے دوسرے میر میران حسد اور بغض کے تحت نفرت کرنے لگتے اور اُسے ذلیل کرنے کی سعی کرتے تھے۔ علاوہ بریں باجگذار امراء اپنے آپ کو ان سپہ سالاروں سے آزاد تصور کرتے تھے۔ چنانچہ ایران کا کوئی مستقل رسالہ نہیں تھا۔ البتہ سوار اور پیدل سپاہی مختلف شخصیات پر تقسیم ہوتے تھے۔ [illegible] ایرانی لڑ رہے ہیں۔

[illegible]

گردوپیش کی دنیا

روم کی حکومت

رومۃ الکبریٰ کی سلطنت کی بنیاد ۷۵۳ء قبل مسیح میں رکھی گئی تھی۔ شہر روما
کا پایہ تخت تھا جو ایک ہزار پچاس برس تک رہا۔ ۳۲۱ء میں شہنشاہ قسطنطین نے
بحیرۂ باسفورس کے ساحل اور دردانیال کے متصل شہر قسطنطنیہ کی بنیاد رکھی اور
اسے دارالسلطنت قرار دیا۔ اس قسطنطنیہ کو اب استنبول سے موسوم کیا جاتا ہے۔
۳۶۴ء میں روم کی سلطنت کے دو حصے کئے گئے۔

مغربی حصہ۔ اس میں اٹلی اور یورپ و جزائر کا علاقہ شامل سمجھا جا سکتا ہے۔
اس کا صدر مقام روم پاپا یعنی پرانے دارالسلطنت کو از سرِ نو اختیار کیا گیا۔ اس
حصے کے ساتھ عرصہ تک اسلامی لشکر دو بدو نہ ہوا۔

مشرقی حصہ۔ اس کا صدر مقام قسطنطنیہ رہا۔ اس سلطنت کے شہنشاہ
ہرقل کی فوجوں کے ساتھ خالد بن ولید رضؓ کی قیادت میں مسلمان مجاہدوں نے قیصر کی
لڑائیاں لڑیں۔ اس سلطنت کے اس زمانے کی حدود اربعہ کی نسبت یہ کہا جا سکتا
ہے کہ اس دور میں یہ بڑی زبردست حکومت تھی۔ اس کی مغربی سرحد [illegible]
ایڈریاٹک کی قدیم [illegible] کرتی تھیں۔ شمال میں تاتار [illegible] زیر نگیں
تھا۔ مشرق میں دریائے دجلہ سلطنت روما کو سلطنت فارس سے الگ کرتا تھا
اور جنوب میں اس کی حدیں حکومت حبشہ [illegible]
سلطنت کے فرمانروا دنیا کے فاتح [illegible] شہنشاہ [illegible]
ظہور اسلام کے وقت ۶۱۰ء میں شہنشاہ [illegible] قتل کر دیا گیا [illegible]
شہنشاہ تھا جس نے ایران کے شاہ خسرو پرویز کو [illegible]

اور تخت کسریٰ پر قابض کرایا تھا۔ اس حقِ دوستی کے باعث پرویز بادشاہ
موریس کا ممنونِ احسان تھا۔ موریس کے قتل کے بعد اس کا فرزند فوقاس
تخت نشین ہوا۔ مگر تھوڑے عرصے بعد اس حکومت کے ماتحت افریقہ کے گورنر
ہیراکلیس نے فوقاس کو معزول کر کے خود تخت پر قبضہ کر لیا۔ اور ہرقل کے نام
سے ایرانی شہنشاہیت کا سکہ جمایا۔ خسرو پرویز نے اپنے محسن زادے کی معزولی
کا انتقام لینے اور احسان کا بدلہ اتارنے کی خاطر ہرقل سے جنگ شروع کر دی
اور تھوڑی مدت میں شام، مصر، دیگر علاقہ جات افریقہ۔ انطاکیہ، بیت المقدس
فتح کر لئے۔ اس کی فوج نے مقدس قبر کو نذرِ آتش کر دیا، کلیسائے قیامت کو جلا
کر خاک کر دیا۔ اور دل کھول کر قتل، غارت گری اور لوٹ مار کی۔ بطریقوں کو پکڑ
کر ساتھ لے لیا۔ اور وہ صلیب جس پر بقول پیروانِ مسیح حضرت مسیح علیہ السلام
کو سولی دیا گیا تھا اور تبرکات میں سے تھی۔ اپنے ہمراہ فارس لے گیا۔ معلوم ہوتا
ہے کہ ہرقل اس وقت تک خوابِ غفلت میں تھا کہ اس قدر علاقے ہاتھ سے
نکل گئے۔ اور غارت گری کے بعد اسے ہوش آیا۔ اور اس نے مستعدی
اور ہمت سے اپنی فوج کو از سر نو ترتیب دے کر ایشیائے کوچک کے بلاد کیلیکیا
کی سمت پیش قدمی کی۔ اس وقت ایرانی لشکر ایبدسی کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔
سنہ ۶۲۲ء میں ہرقل کے ترتیب دادہ لشکر سے ایرانی فوج کی پہلی بار مڈ بھیڑ ہوئی
جس میں ایرانی فوج کو شکستِ فاش ہوئی۔ اس کے بعد رومی لشکر ایرانی افواج
کا تعاقب کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ اپنے تمام مفتوحہ علاقے واپس لے
لئے۔ سنہ ۶۲۷ء میں رومی لشکر نے ایرانیوں کو آخری اور فاش شکست دی۔

[illegible] نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور عاجزانہ صلح کر لی۔

ایرانیوں کی جنگ سے فارغ ہو کر ہرقل نے اپنی مملکت کی اصلاح کا بیڑا
اٹھایا۔ اس زمانہ میں عیسائی مذہب میں کئی فرقے تھے۔ اور ان سب میں
باہمی شدید مخالفت تھی۔ لیکن دو فرقے نسطوری اور یعقوبی اہم تھے۔

یعقوبی ۔ اس فرقے کے عیسائی نصاری، مصر و شام میں بکثرت تھے۔
نسطوری ۔ اس فرقے کے عیسائی عراق اور جزیرے میں بکثرت تھے۔
پھر ان فرقوں میں بھی کئی ذیلی فرقے تھے ۔ مثلاً
خیالی ۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا عقیدہ تھا کہ حضرت مسیحؑ کو سولی نہیں دیا گیا۔ بلکہ کوئی اور شخص ان کی جگہ سولی پر لٹکا دیا گیا تھا۔
ایکنالی ۔ اس فرقے کے عقائد خارجیوں سے ملتے جلتے تھے ۔ یہ رو سا کی فرمانبرداری کے قائل نہیں تھے ۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی گروہ تھے جن کے عقائد مختلف تھے۔ علاوہ بریں یہودیوں کی بہت بڑی تعداد سلطنت روم میں اقامت پذیر تھی ۔ ہرقل نے طے کیا کہ پہلے متذکرہ دو بڑے فرقوں کو متحد کیا جائے ۔ زاں بعد چھوٹے فرقوں کو ان میں ضم کرے ۔ چنانچہ اس نے فرقہ یعقوبی کے مشہور مقتدا بطریق سنالیوس کو اپنے ساتھ ملا لیا، جس نے نئے عقیدے کی بنیاد ڈالنے کی تجویز پیش کی تاکہ دونوں بڑے فرقوں کے عیسائی ایک مرکز پر آ جائیں ۔ قسطنطنیہ کے بطریق بیروس نے بھی اسے شرف منظوری بخشا ۔ لیکن بیت المقدس کے بطریق اصفرونیوس نے اور عمان کے اسقف اور شاہی کلیسا کے پادریوں نے اس جدید عقیدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، جس کے باعث روم بلحاظ مسلک دو گروہوں میں تقسیم ہو گیا:-

۱۔ نئے مذہب کے ماننے والے

۲۔ پرانے عقائد کے پیرو ۔

چونکہ ہرقل نے اس مخالفت کو قومی وحدت کے راستے میں ایک رکاوٹ سمجھ کر اسے ختم کرنے کا عزم کر لیا تھا، لہذا اس نے نئے مذہب کی حمایت میں اپنی رعایا پر بے حد سختیاں کرنی شروع کر دیں ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی قبائل سلطنت روم سے الگ ہو کر سلطنت فارس میں شامل ہو گئے ۔ ہرقل کو جب اس کی خبر ملی تو اس نے انہیں فارس میں داخل ہونے سے روک کر نئے مذہب کو اختیار کرنے کے

واسطے پے در پے کئی فوجی مہمات روانہ کیں۔ لیکن جب ان لوگوں نے واپس جانے سے انکار کیا تو انہیں اور یہودیوں کو بے دریغ قتل کر دیا۔

اس جبر و تشدد سے متاثر ہو کر یہود نے ہر جگہ علمِ بغاوت بلند کر دیا، اور صوبہ فنیقیہ کے پایۂ حکومت شہر صور پر قبضہ کر کے وہاں کے گورنر کو تہ تیغ کر دیا۔ فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ ہرقل نے اگرچہ ان کی شدید بیخکنی کی، لیکن یہودیوں نے نقصان پہنچانے کے اور بھی کئی طریقے اختیار کر لئے۔ وہ عیسائیوں کو بطور غلام خرید کر قتل کر دیتے تھے۔ ہرقل نے ان کی اس حرکت پر مشتعل ہو کر ایک حکم نافذ کیا جس کی رو سے۔

۱۔ یہودیوں کا غلام خریدنا سنگین جرم قرار پایا۔
۲۔ یہودیوں کو مذہبی تہوار منانے کی ممانعت کر دی گئی۔
۳۔ یہودیوں کے تمام تعلیمی مراکز بند کر دیئے گئے۔
۴۔ یہودیوں کے ساتھ ہر جگہ تشدد آمیز سلوک روا رکھا گیا۔

جس وقت ہرقل ان بغاوتوں کو فرو کرنے میں مصروف تھا اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے دعوت نامۂ اسلام ملا۔ ہرقل نے دانائی سے اس نئے مذہب اسلام کے متعلق ابی سفیان سے حالات معلوم کئے۔ وہ علانیہ مسلمانوں کے ساتھ معاندت پر آمادہ نہیں ہوا۔ البتہ اسلام کے چاروں طرف سے امنڈتے ہوئے سیلاب کی روک تھام کی فکر اسے دامنگیر تھی۔ وہ سیاسی تدبیر و مصلحت اندیشی کے ساتھ اُسے ختم کرنے کے لئے بے دریغ روپیہ خرچ کرنے لگا۔ اس نیت سے اُس کا سب سے پہلا اقدام یہ تھا کہ اس نے سرزمین شام اور بیت المقدس کا سفر کر کے قبائل اور باشندوں کو اپنی دولت اور طاقت سے مرعوب کیا تاکہ یہ عربی قبائل اپنی قوت کے ذریعے ہرقل کو اس نئی آفت ــــ اسلام ــــ سے محفوظ رکھیں۔ اس کے بعد غزوہ تبوک اور دوسری لڑائیاں ہوئیں جنہیں صاف الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہرقل نے اپنی دسیسہ کاریوں سے شامی عرب

کو حجازی عربوں سے لڑوا دیا۔

ہرقل نہایت جری، قابل اور صاحب تدبیر فوجی جرنیل تھا۔ تاریخ نے اس کے کارناموں کو نپولین کی کارگزاریوں کے یورپ میں دھرایا ہے۔ نہیں بلکہ کئی سو برس بعد عمدگی سے دھرایا ہے۔

ہرقل نے فوجی تنظیم پر بہت توجہ دی۔ ملک کی حفاظت کے لئے زبردست قلعے تعمیر کرائے۔ اور انہیں مستحکم کیا۔ فوج کو اعلیٰ ساز و سامان اور اسلحہ سے مزین کیا۔ ملک کے استحکام سے اس کے خزانے بھرپور ہو گئے۔

حکومتِ روم کی فوج

سلطنت روم کی فوج کا نظام بالکل سادہ تھا۔ بادشاہ بطورِ خود سپہ سالار ہوتا تھا۔ بڑے افسر بادشاہ کے عزیز و اقارب ہوتے تھے۔ چنانچہ بادشاہ کے بھائی بیٹے، بھتیجے وغیرہ صوبوں کے گورنر بنائے جاتے۔ اگر بہادر اور جنگجو ہوتے تو وہی مقامی سپہ سالار افواج بھی ہوا کرتے۔ ان کے تحت بطریق ہوتے۔ ہر بطریق کے ماتحت دس تا بارہ ہزار جنگجو پیدل یا سوار ہوتے، یا دونوں ہوتے۔ ان بطریقوں کو بیش قرار جاگیریں عطا ہوتیں اور وہ انہیں جاگیرات کی آمدنی سے فوج کے مصارف پورے کیا کرتے تھے۔ میدانِ جنگ میں نمایاں خدمات انجام دینے والوں کو بھی بطور صلہ جاگیریں عطا ہوا کرتی تھیں۔ ہر بطریق کا فرض تھا کہ صوبے کے گورنر یا شہنشاہ کے حکم ملتے ہی اپنی فوج خود یا اپنے نامزد سپہ سالار کے ماتحت میدانِ جنگ میں بھیج دیتے۔

طرخان۔ بطریق کے ماتحت دو افسر ہوتے تھے جنہیں طرخان کہا جاتا تھا۔ یہ طرخان پانچ پانچ ہزار سپاہ کے دستوں پر افسری کرتے۔ انہیں بھی جاگیریں عطا ہوتی تھیں۔

قومس [illegible]۔ ہر طرخان کے ماتحت پانچ [illegible] افسر ہوتے تھے جو ہزار سپاہ کے کمانڈنگ افسر ہوتے تھے۔

تومس - ہر طرنجاریہ کے ماتحت پانچ تومس ہوتے اور ہر تومس کے ماتحت
دو دو سو سپاہ ہوتی تھیں۔
قمطرح - ان کے جو ماتحت رہتے انہیں "قمطرح" کہا جاتا اور وہ پچاس
پیدل یا سوار فوج پر افسر ہوتے
دامرخ - ان کے نیچے کے افسر "دامرخ" کہلاتے - اور ان کی ماتحتی میں دس
سپاہی ہوا کرتے تھے۔

اس طرح یہ فوج کی تنظیم مختلف افسروں کی نگرانی اور ذمہ داری میں بڑی
پابندگی سے ہوا کرتی تھی - اور یہ افسر اپنے ماتحتوں کی پرورش، نگرانی، تربیت
خوراک، لباس، ہر بات کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ حکومت کو اس سے یہ فائدہ تھا
کہ وقت بےوقت اور کم خرچ سے بوقتِ ضرورت زبردست لشکر فراہم ہو جایا کرتا
تھا۔ مگر اس میں چند خامیاں بھی تھیں۔ مثلاً اگر بطریق یا گورنر ادائے فرض سے
غفلت کرنے والے ہوتے تو انہیں فوجوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تھی، عین
وقت پر وہ لوگوں کو فوج میں بھرتی کرنے لگتے۔ اسلحہ جنگ ان کے ذخائر میں
محفوظ رہتا تھا۔ بھرتی ہونے والوں کو بغیر تربیت کے اسلحہ سے ملبس کر کے میدان
جنگ کو روانہ کر دیا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی فوج میں جذبہ شجاعت و جانثاری
پیدا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ [illegible] مزدوری کی خاطر یہ لوگ میدانِ جنگ میں جاتے
تو ان کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ جنگ جیتنے کی بجائے اپنی جان بچانے کی زیادہ فکر
کرتے تھے۔ اور وہ یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ جاگیر اور روپیہ تو گورنر، بطریق
اور ان کے افسر لے لیتے ہیں اور ہمیں تو ان کا برا بنا کر ہلاک کرانا چاہتے ہیں
جو بطریق وفادار اور قابل ہوتا وہ مستقلاً باقاعدہ فوج رکھتا اور فوجی تربیت کا
[illegible] کرتا تھا۔ رومی افسر اول تو بڑے جری اور بہادر تھے اور فتوحات
ان کے حصے میں آئی تھیں۔ پھر جب ان کا مقابلہ ایسے عربوں سے تھا جو صرف
خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے واسطے سر سے کفن باندھ کر نکلے تھے جنہیں اپنے

بچاؤ کا مطلق فکر نہ تھا، اُن کو یقینِ کامل تھا کہ مر جائیں گے تو درجۂ شہادت نصیب ہوگا۔ اور مار لیں تو غازی ہوں گے۔ اس لئے رومی سرداروں کے لئے وہ قہرِ آسمانی بن جاتے تھے۔

بطریق، طومرخان، طرنجاریہ، عموماً اپنے قلعوں میں تمام اسلحۂ تلوار، بھالے، تیر کمان، منجنیقیں، زرہ بکتر، خود، گرز، معقول تعداد میں جمع رکھتے تھے

قیصرِ روم کا یہ حکم تھا کہ سال میں ایک بار شہنشاہ کی سالگرہ کے موقع پر تمام بطریق اپنی افواج کا معائنہ کریں۔ اور تحقیق کریں کہ ہر سپاہی کے پاس عمدہ قسم کے ہتھیار اور سازو سامان موجود ہے۔ اس موقع پر شمشیر زنی، نیزہ بازی، تیر اندازی پہلوانی کے مقابلے ہوتے اور کرتب دکھلائے جاتے۔

کذابوں کی آخری جدوجہد

حجاز میں اسلام کی ہر دلعزیزی کافر سرداران قبائل اور دوسرے غیر مسلم مذہبی رہنماؤں کے لئے بہت ناقابلِ برداشت تھی۔ امراء و رؤسا جاہ طلب، فریب النفس ہیں جتلا، امتیاز و تفوق کے خواہاں رہنے نسبی و خاندانی امتیازات کی بقا ان کا مطمح نظر تھا۔ کمزوروں کو دبا کر اور زیر دستوں پر مظالم روا رکھ کر اپنی برتری اور عظمت قائم رکھنے کے آرزومند رہتے تھے۔ اسلام جو دنیا میں تفرقہ مٹانے آیا تھا۔ انہیں ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ اور وہ سراً وعلانیتاً اسلام کی مخالفت میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انھوں نے حشرات الارض کی طرح سر اٹھایا۔ روم اور ایران کی حکومتوں کی جانب سے انھیں نہ صرف شہ مل رہی تھی۔ بلکہ مالی امداد اور اسلحہ کی بہم رسانی بھی کی جا رہی تھی۔ ان تمام مشرکین نے اس موقعہ کو اپنے عزائم میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے غنیمت سمجھا۔

یہ جانتے ہوئے کہ اہلِ عرب مدت ہائے دراز سے منہیات کے عادی رہے ہیں۔ شراب، زنا، قتل و غارت ان کا شیوہ رہا ہے۔ لہٰذا عجب شیوخ قبائل نے از سر نو انھیں عیش و عشرت اور سابقہ رنگین زندگی دینے کا وعدہ کیا اور زکوٰۃ و عبادات کی قید سے مخلصی دلانے کا اقرار کیا۔ قرین سے لے کر حدود شام تک اور خلیج فارس کے ساحل سے لے کر بحیرۂ اسود تک اسلام کے خلاف بغاوت کے شعلے بلند ہونے لگے۔ ارتداد کے طوفان نے ان کے احساسات خوابیدہ کو جگا دیا۔

بنو عامر بن طفیل جو قبیلہ بنو عامر کا سردار تھا علانیہ کہنے لگا ــــــ "میں

قریشی النسل کے پیمبر کا پیرو کیسے رہ سکتا ہوں جبکہ میری تمنا یہ ہے کہ میں پورے عرب کا سردار بن جاؤں ۔"

قبیلہ غطفان اور بنو اسد نے اس موقع پر اپنا نبی مقرر کر لیا جس کا نام طلیحہ تھا۔ اور قبائل نے کہا "قریش کا نبی تو خوابِ عدم میں روپوش ہو گیا اور ہمارا نبی ابھی زندہ ہے ۔"

یمن میں عبد القیس نعمان بن منذر کا پوتا تھا وہ حمیری حکومت رفتہ کی شان و شوکت کو از سرِ نو زندہ کرنے کا متمنی تھا اور اہلِ یمن کے دلوں میں حمیری خاندان کی حکومت اور دبدبہ کی یاد ہنوز باقی تھی۔ چنانچہ دعویٔ نبوت اس قدر عام ہو گیا تھا کہ مرد تو مرد کئی عورتوں نے بھی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس حالت میں راسخ العقیدہ اور سعادت مند تو استقلال سے اسلام کا دامن تھامے رہے لیکن منافقین اس طوفان میں بہہ گئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفۃ المومنین بنے ہوئے ایک ہفتہ بھی نہ گذرنے پایا تھا کہ تمام عرب میں بغاوت و طغیان بپا ہو گیا اور ہر جگہ سے ارتداد کی خبریں آنے لگیں۔ ادھر شام کی طرف سے حکومت کے شر کی خبریں آنحضرت صلعم کے وصال سے قبل آ چکی تھیں اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اس مہم کے لئے مقرر کیا جا چکا تھا۔

ان حالات میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جس عزم و استقلال، بیدار مغزی اور فوجی سپہ سالار کی اعلیٰ قابلیت کی مثال قائم فرمائی آنحضرت صلعم کے جانشین اور خلیفہ سے وہی متوقع تھی ۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ عہدِ رسالت اور دورِ خلافت میں کوئی باقاعدہ فوج نہیں ہوتی تھی۔ صرف یہ تھا کہ ہر مسلمان اللہ کا سپاہی تھا اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے کا رضاکارانہ جذبہ ہر دل میں موجزن تھا۔ جب ضرورت پڑتی اور جہاد کا اعلان کیا جاتا تو عامۃ المسلمین جوق در جوق دین کی خدمت کرنے کے

لئے آتے، نہ وہ تنخواہ اور مال ومتاع کے لالچ سے آتے تھے نہ دُنیا اور دُنیا
کے تعیشات ان کا منتہائے نظر تھا۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر میدان میں نکل پڑتے تھے۔
اعلانِ جہاد کو لبیک کہنا ہر مسلمان ازبس ضروری سمجھتا تھا۔ اس تعمیل سے انکار
یا شریکِ جہاد ہونے سے پس وپیش کوئی سیاسی جرم نہیں تھا، لیکن لوگ اسے
گناہِ عظیم سمجھتے تھے۔ اس لئے باقاعدہ ملازمت کی ضرورت نہیں تھی۔ پھر
خلیفہ کے ہاں نہ کوئی خزانہ شاہی تھا، نہ ان کی کوئی ریاست تھی۔ حضرت
ابوبکر صدیق رضؓ نے سب سے پہلے ان قبائل کی سرکوبی اور استیصال مناسب
سمجھا جو حکومتِ روم کی شہ پر ہمیشہ آمادہ جنگ رہتے تھے اس کے بعد
مدینہ کے تحفظ کا دفاعی منصوبہ زیرِ عمل لائے آپ نے صحیح اندازہ لگایا تھا کہ
کہ حضرت اسامہ رضؓ کا لشکر سمت شام روانہ ہونے کے بعد مرتدین لشکر کی غیر موجودگی
کا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے اور اس کی تیاری آپ نے مناسب
طور سے کرلی چنانچہ مرتدین نے مدینے پر حملہ کیا۔ اور آپ نے اصولِ دفاع اور
اور اصولِ فنِ حرب کام میں لا کر دنیا کے سامنے بہترین مثال پیش کی۔ آپ نے
دشمن کا حملہ روکا۔ پھر اچانک اس پر ایسا حملہ کیا کہ اس کا تمام زور ٹوٹ گیا۔ آپ
نے جب مدینے پر بیرونی حملے کا خطرہ بالکل دور کردیا، اس کے بعد جب اسامہ رضؓ
کا لشکر واپس آگیا تو حضرت صدیق اکبر رضؓ نے سب سے پہلے بدوِ عرب کے مفسدین
کا زور ختم کرنے کی توجہ کیا، اور اس سے فارغ ہوکر سلطنت ہائے روم وایران
سے متوقع حملوں کے خطرات کا سدِباب کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

آپ نے مفسدین کی سرکوبی اور سرکشوں کے لئے گیارہ لشکر تیار کئے
اور جدا جدا سمتوں میں روانہ فرمایا۔ حجاز میں سب سے بڑے دشمنانِ دین مسیلمہ
اسود عنسی وغیرہ تھے۔ ان کی سرکوبی کے لئے آپ نے جو لشکر روانہ فرمایا اس کے
کمانڈر خالد بن ولید رضؓ بنائے گئے اور انہی مہمات میں ان کے تدبر، شجاعت اور

جاں بازی کے جوہر کھلے اور کمانداری کی قابلیت و اہلیت اجاگر ہوئی۔ خالدؓ نے تصویر کے دونوں رخ دیکھے تھے یعنی آپ نے آنحضرتؐ کے خلاف بطور دشمن فوج کے کماندار کے عسکری اصولوں اور حربی طریقوں کا تجربہ حاصل کیا تھا اور مشاہدہ کیا تھا کہ آنحضرت صلعم بحیثیت سپہ سالار لشکرِ اسلام کس طرح صبر و استقلال، بدون گھبراہٹ بڑے ٹھنڈے دل سے مشکل حالات پر قابو پالیتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے آنحضرتؐ کے ماتحت سالار، اور پھر خود مختار سالار کی حیثیت سے نہایت اہم اور مشکل حالات کا مقابلہ کرنا سیکھا تھا۔ اور یہ ان کی خوش بختی اور سعادت تھی کہ انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے دنیا کے سب سے قابل جرنیل کا شاگرد ہونا نصیب ہوا۔ بنا بریں خالدؓ کا قابل جرنیل اور فاتح بن جانا کوئی مقامِ حیرت نہیں، خصوصاً جبکہ حضور نبی کریم صلعم نے انھیں "سیف اللہ" کا لقب عطا فرما کر ان کی جنگی مہارت پر مہر توثیق ثبت فرما دی۔

اس جگہ بہت ضروری ہے کہ ہم مخالفینِ اسلام کے ان الزامات کا آخری جواب دیں جنھوں نے خالدؓ کی جنگی مہمات کو تلوار کے زور سے اسلام پھیلانے اور لوٹ مار کی لالچ سے تعبیر کیا ہے۔

عہدِ نبویؐ میں جس قدر غزوات اور مہمات پیش آئیں ان سے، پھر نبی کریمؐ کے طرزِ حکومت، اور آپ کے جملہ احکام، اور آپ کے تمام ہدایات سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ آپ نے سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے کسی دوسری قسم کی لڑائی اور جنگ کی اجازت نہیں دی۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ اور خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے احکام، قول، اور فعل خود اس کی بدیہی دلیل ہیں کہ صرف جہاد فی سبیل اللہ ان کا مسلک رہا، اور انھوں نے نبی کریم صلعم کی اتباع میں اسلامی احکام کی سختی سے پابندی کی، اور جب کبھی اور جہاں کہیں لشکرِ اسلام کے کسی فرد یا سپہ سالار سے اس اتباع سنت میں ذرا سی بھی لغزش ہوئی تو آپ نے اسے سزا دی۔ اس کا احتساب کرتے۔ ورنہ اس پر شدید سے متفق کرتا ہی نہیں فرمائی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتدین کی سرکوبی کے لئے جو فوجی مہمیں روانہ کیں ان کی روانگی سے قبل ہر جگہ اپنے قاصد بھیجے۔ جنھیں خاص طور پر ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ خلیفہ کا فرمان بآوازِ بلند لوگوں کو سنائیں، اور بتا دیں کہ ان قاصدوں کے ہمراہ یا بعد میں اسلامی لشکر آئیں گے۔ اور جب لشکر ان کے ہاں پہنچے اور اہلِ لشکر کی اذانوں کے جواب میں مرتدین نعرۂ تکبیر بلند کریں تو سمجھا جائے گا کہ یہ لوگ اپنے کئے پر نادم ہیں اور دوبارہ اسلام لے آئے ہیں، بصورتِ دیگر ان کے خلاف جہاد کیا جائے۔ ان سے خون بہا اور جزیہ لیا جائے۔ فرمانِ خلافت یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - یہ فرمان ابوبکر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہر اس شخص کے لئے ہے جو خواہ اسلام پر قائم ہو یا اس سے مرتد ہو گیا ہو۔ جان لو اے لوگو! کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نبی برحق بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ کو خوش خبری دینے والے، ڈرانے والے، خدا کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دینے والے اور ہدایت دینے والے ہیں۔ جو شخص دعوتِ اسلام قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دیتا ہے، اور اس کیلئے فائز المرام ہونے کی راہیں کھول دیتا ہے۔ اور جو شخص اس سے انکار کرتا ہے اسے بامر اللہ تعالیٰ، بذریعہ جہاد انقیاد و اطاعت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے احکام نافذ فرما کر، اور مسلمانوں کو نصیحت فرمانے اور اپنے فرائضِ تبلیغ انجام دینے کے بعد اس دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں اور اس امر کی خبر قرآن کے ذریعے سے آپ کو پہلے ہی دے دی گئی تھی کہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ اور تم میں سے کسی کو دائمی زندگی نہیں دی گئی۔ تو اگر تم مر جاؤ گے تو کیا وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے؟ اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (محمد صرف رسول ہیں اور ان سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں) پس کیا وہ مر گئے یا قتل ہو گئے تو کیا تم

ایک نہ ہو، اس کا محاسبہ اللہ تعالیٰ خود کرے گا۔ جو لوگ انکارِ اسلام پر قائم رہے
اور پھر مجاہدین کو لڑنے پر مجبور کیا تو بے شک اللہ تعالیٰ مجاہدین کو غلبہ و نصرت عطا
فرمائے گا۔

"ہم نے امیرِ لشکر کو ہدایت کر دی ہے کہ اپنے ہمراہیوں کو جلد بازی اور
شر پسندی سے منع کریں اور کسی غیر شخص کو لشکرِ اسلام میں نہ گھسنے دیں، تاوقتیکہ
اس کی بخوبی پہچان نہ ہو جائے تاکہ لشکرِ اسلام جاسوسوں کی شرارتوں سے محفوظ رہے۔"

"ہم نے امیرِ لشکر کو یہ بھی ہدایت کی ہے کہ وہ مسلمانوں سے حُسنِ سلوک روا رکھیں
دورانِ سفر اور قیام میں ان سے نرمی سے کام لیں، ہمدردی کریں، گفتگو اور نشست
و برخاست میں ایک دوسرے کے ساتھ حُسنِ خلق ملحوظ رکھیں، اور اخوتِ اسلامی
کا ہر لمحہ پورا پورا خیال رکھیں۔"

اللہ اللہ! ایسے نازک اور پُرخطر ماحول میں بھی حضرت ابوبکرؓ کے شفقت آمیز
احکام ان سنگدلوں کے لئے جنھوں نے بار بار عہد شکنی کی تھی، جو اخلاق اور
انسانیت سے بہت نیچے گر گئے تھے، جو ظلم و ستم کر رہے تھے۔ ان احکام سے خلیفہ
رسول صلعم کا عزم و ثبات، صدق و یقین، رحم و کرم، حلم و عفو ظاہر ہوتا ہے۔
اور ہمارا مشورہ ہے کہ آج کی مجلس اقوامِ متحدہ و نیز تمام عالم کے حکمران ان ہدایت
کو حرزِ جاں بنائیں، اور انھیں اپنے لئے مشعلِ ہدایت بنا کر ان پر کاربند ہوں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عام احکامِ جنگ بھی قابلِ مطالعہ اور زرّیں ہیں
چنانچہ روانگی کے وقت حضرت اسامہ بن زیدؓ کو فرمایا:-

"خیانت اور بدعہدی نہ کرنا۔ دشمن سے کینہ اور بغض نہ رکھنا۔
مقتولین کے اعضاء جوارح (ناک، کان، وغیرہ) نہ کاٹنا۔
دشمن کے مویشی اور اونٹ ہرگز ذبح نہ کرنا۔ درختوں کو نہ اکھاڑنا، نہ جلانا
اور میوہ دار درختوں کو نہ کاٹنا۔ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔"

اثنائے راہ میں تمہیں وہ لوگ بھی ملیں گے جو کنیساؤں اور خانقاہوں میں معتکف

عبادت ہیں۔ ان سے تعرض نہ کرنا۔ نہ ان کی عبادت گاہوں میں خلل ڈالنا۔

بعض لوگ تمہارے واسطے کھانے کے خوان لائیں گے۔ اگر تم کھانا چاہو تو اللہ کا نام لے کر کھانا

تمہیں ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑے گا۔ جو وسط سر منڈاتے اور گردن کے بال بڑھاتے ہیں انہیں تلواروں سے ہدف کرنا۔

اس مہم میں تم نبی کریم صلعم کی ہدایات کی پوری پوری تعمیل کرنا اور آپ کی وفات کے سبب سے جو تاخیر ہوئی ہے اسے ملحوظ رکھ کر عجلت نہ کرنا۔ میدان جنگ میں جو بھی تم سے لڑے اُس سے بہادری سے لڑنا اور اگر فریق مخالف صلح کی طرف جھکے تو صلح کر لینا۔

صلح ہر حال میں جنگ سے بہتر ہے۔

اب تم خدا کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ

ابُوبکر

سے نہ سمجھ سکا تو پھر ضرار بن ازورؓ کو آنحضرت صلعم نے اس کی تنبیہ کے لئے روانہ فرمایا، ضرارؓ نے طلیحہ کو شکست فاش دی۔ ایک مبارز نے اس پر [illegible] بھی کیا لیکن کارگر نہ ہوا اور وہ بچ کر نکل گیا۔

اس واقعے کا طلیحہ نے بہت فائدہ اُٹھایا۔ اپنے معتقدین کے ذریعہ مشہور کرایا کہ اس پر ہتھیار اثر نہیں کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد قبائل نے اپنی خودمختاری قائم رکھنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ ان حالات نے طلیحہ کے لئے سازگار حالات پیدا کر دیئے۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کئی ہزار عرب اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ طلیحہ بہت لسّان تھا اور مقفیٰ جملے بنا رہا تھا۔ اس نے یہ بھی اعلان کیا کہ اس پر وحی نازل ہوئی ہے کہ زکوٰۃ بالکل معاف ہے۔ نماز پڑھنے کی اب ضرورت نہیں رہی۔ چنانچہ بہت سے عرب اس کے حامی بن گئے اس نے عیارانہ طریق پر قرۃ بن ہبیرۃ القشیری کو اور اس کی قوم بنو عامر کو بھی اپنا مرید بنا لیا۔ بنو طے کے بھی اکثر اشخاص اس کے زیر اثر آ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اس نے اپنا ایک وفد مدینہ روانہ کیا تاکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اپنے شرائط منوائے۔ اور جب حضرت ابوبکرؓ نے نفی میں جواب دیا تو وہ بھی اپنے متبعین کو ساتھ لے کر مدینے پر حملہ آور ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کے لشکر کو منتشر کر کے بھگا دیا۔ پھر اس کے بعد سلہ ہجری میں حضرت خالد بن ولیدؓ اور عدی بن حاتمؓ کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ عدیؓ نے پہلے تین دن کے اندر اپنے قبیلہ طے کو طلیحہ سے جدا کر لیا، اور اس طرح کئی ہزار افراد قبیلہ طے کے پھر تو مشرف باسلام ہو گئے۔ پھر حضرت عدیؓ نے خالدؓ سے کہا کہ قبیلہ جدیلہ کے ساتھ بھی کوشش کرنے دیجئے۔ اغلب ہے کہ وہ بھی مان جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ اس مقصد میں کامیاب ہوئے۔ یہاں سے فراغت پا کر آگے بڑھے تو بنی طے و جدیلہ کے ایک ہزار نوجوان شریک ہو کر ان کے ساتھ ہو گئے حالانکہ بنو طے و بنو جدیلہ طلیحہ سے منحرف ہو کر اسلام میں داخل ہو چکے تھے لیکن ان

کے اکٹھے ہونے کے باوجود طلیحہ کے پیروؤں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ جس وقت لشکرِ اسلام نے بزاعہ کی نواح میں کیمپ لگایا تو طلیحہ کے لشکریوں نے حقارت سے کہا کہ اسلام کے مجاہد صرف مٹھی بھر ہیں ہم انہیں چیونٹیوں کی طرح مسل کر رکھ دیں گے۔ حضرت خالدؓ نے دربارِ خلافت کے احکام کے مطابق تین بار اپنے قاصد اور اپنا تبلیغی مشن طلیحہ کے پاس روانہ کیا۔ لیکن اس نے متکبرانہ رویہ اختیار کیا نیز دو صحابیوں ــــ حضرت عکاشہؓ اور حضرت ثابتؓ کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ بغیر جنگ کے نہ مانیں گے۔ چنانچہ آپ نے اعلانِ جنگ فرما دیا۔

لشکرِ اسلام کو بطورِ ذیل ترتیب دیا گیا۔

میمنہ	مقدمۃ الجیش	میسرہ
حضرت عدیؓ	حضرت زبرقان	حضرت زید الخیل
	قلب و محفوظ	
	حضرت خالدؓ	

خالدؓ کا دفاعی منصوبہ یہ تھا کہ بچاؤ کے اصول پر لڑائی لڑی جائے۔ کیونکہ دشمن لاتعداد تھا۔

بنو اسد اور بنو غطفان کے شہسواروں نے لشکرِ اسلام پر پے در پے حملے کیے کبھی وہ میمنہ پر اور کبھی میسرہ پر حملہ آور ہوتے۔ جب ہر جگہ مجاہدین پر زیادہ دباؤ پڑتا حضرت خالدؓ اپنی محفوظ فوج کے ساتھ عقاب کی طرح مشرکین کے بازوؤں پر حملہ کر کے انہیں مار بھگاتے پھر محفوظ فوج کو قلب لشکر کے قریب لا کر کھڑا کر دیا جاتا۔

طلیحہ خود تو دور اور لشکر کے عقب میں مقیم رہا اور لشکر کی کمان عیینہ بن حصن کے سپرد کی۔ جب عیینہ کے متعدد حملے ناکام رہے تو وہ طلیحہ کے پاس گیا تاکہ جنگ کے متعلق پتہ لگائے کہ اس کے الہام پر کیا وحی نازل ہوئی ہے۔ چند بار حاضر ہونے اور تشفی

بخشش جواب نہ ملنے پر اس نے اپنے قبیلے بنو فزارہ کو محاذ جنگ سے الگ ہو جانے
کا حکم دے دیا۔ وہ جنگ سے الگ ہو کر واپس لوٹ ہی رہا تھا کہ لشکر اسلام نے
اُسے گرفتار کر لیا۔ سپہ سالار کی گرفتاری کی خبر آناً فاناً طلیحہ کے لشکر میں پھیل گئی۔
جس سے سارا لشکر بدحواس ہو گیا، اور ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ لوگ گھبرا گھبرا
کر اپنے گھروں کو واپس جانے لگے، اور طلیحہ موقع پا کر اپنی بیوی کے ہمراہ ملک
شام کی طرف بھاگ گیا۔ اس طرح یہ مہم فتح ہوئی۔

یہی طلیحہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں تائب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوا اور
ایران کے خلاف جنگ میں شہید ہوا۔

اسباق

۱۔ اس مہم میں حضرت ابوبکرؓ کے احکام کی تعمیل نہایت فہم و فراست سے کی گئی۔
دعوت اسلام مشرکین کو بذریعہ تحریر، اور بذریعہ تقریر دی گئی۔ عدیؓ جیسے مجاہدین جب
قبیلہ طے میں جا کر تشریف لے گئے تو دشمنوں نے انہیں طعن و تشنیع کی اور ہلاک کرنے
کی تہدید بھی کی، لیکن ان کی ہمت پست نہ ہوئی اور کسی کا خوف ان پر غالب نہ آیا۔
قبیلہ طے اور جدیلہ تو بحث و مباحثے سے راہ راست پر آ گئے تھے۔ طلیحہ
کے لشکر نے دو مجاہدین اسلام کو شہید کر دیا اس پر بھی خالدؓ اور عدیؓ نے کئی
دن تک مسلسل کوشش کی کہ وہ دین سے سرکشی سے باز آ جائیں، اور جب کسی قیمت
پر نہ ملے تو چار و ناچار جنگ کرنی پڑی۔ کیا اس سے بہتر طرز عمل دنیا کوئی اور
نمونہ پیش کر سکتی ہے؟ کیا آج کل کی مہذب مغربی دنیا اس اصول پر عمل پیرا ہے
کہ حکمت عملی سے بغیر لڑے بھڑے دشمن کے صفوں کو تباہ کر لیا جاتا ہے؟ پہلے سوال
کا جواب زمانہ حال کی دو جنگوں کے تجربات سے نفی میں ملتا ہے، اور دوسرے
سوال کا جواب اثبات میں ملتا ہے۔ پہلے سوال میں ہم کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے
کیونکہ یہ واقعاتی تاریخ خود اس امر کی شاہد ہے کہ اسلام کی صحیح جوابی حکمت عملی
کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکا۔ البتہ دوسرے سوال کا مثبت جواب یہ ہے کہ مختلف خود

۶ - جونہی دشمن نے پست ہمتی کا اظہار کیا خالدؓ نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور ان کی جماعت کو منتشر کر دیا۔ اور وہ لوگ جو اڑے رہے خالدؓ کی فوج کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے یا گرفتار کئے گئے۔ اور ما بقا ایسے بھاگے کہ ان کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہ رہا۔

سلمیٰ

طلیحہ کے فرار کے بعد بنو ہوازن، غطفان، اور بنو سلیم کے پسماندگان فرار ہو کر سلمیٰ بنت مالک بن حذیفہ کے جھنڈے تلے جمع ہوئے، اس عورت نے بھی فتنہ ارتداد سے متاثر ہو کر اسلام سے بغاوت کی تھی۔ وہ بہت خوب صورت، فن سپہ گری میں حاذق، تقریر کرنے میں بے مثال تھی اور سیاسی توڑ جوڑ میں بھی اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ بنو ہوازن، بنو غطفان، بنو اسد، بنو خزارہ، بنو عامر اور یہودیوں کے شکست خوردہ لوگ اس سے جا ملے۔ لیکن خالدؓ نے اس سرعت سے سلمیٰ کی جانب پیش قدمی کی کہ اسے لشکر کی تنظیم کا موقع نہ مل سکا۔ بایں ہمہ وہ طلیحہ کے برعکس بہادری سے میدانِ جنگ میں لڑی، اور اپنی فوج کی کمان کرتے کرتے قتل ہو گئی۔

مدعیۂ نبوت سجاح

سجاح بنو تغلب کے شیخ کی لڑکی تھی۔ بنو تمیم اس کی ننہال تھی۔ یہ بھی بے حد حسین و جمیل تھی۔ حتیٰ کہ اس کے حسن و جمال سے مغلوب نہ ہو جانا امر محال تصور کیا جاتا تھا۔ یہ ذہن رسا، فتنہ پرور، اور مکار عورت تھی۔ زود فہمی اور ذہانت میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ سجاح نے جب اسود، سلمیٰ وغیرہ کو دعویٰ نبوت کرتے سنا تو وہ بھی مدعیۂ نبوت بن بیٹھی جس پر ستی و عصبیت عرب اس کی تابع تھی۔ چنانچہ سجاح کا جادو چل گیا۔ اس نے شراب اور زنا کی حلت کا فتویٰ دیا البتہ نماز پنجگانہ کو واجب رکھا۔ بنو تغلب کے سردار ہذیل بن عمران اور بنو نمر کے سردار عقبہ بن ہلال، اور بنو شیبان کے رئیس سہیل بن قیس نے سجاح کے دعوے

نبوت کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لے آئے

سجاح نے اپنی چرب زبانی کی سحر کاریوں سے کام لے کر بنو تمیم کو گرویدہ کر لیا
اور ان سے مصالحت کر لی۔ وہ چار ہزار سے زیادہ نبرد آزما اور جنگجو سپاہ کی سپہ سالار
بن کر مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے پیش قدمی کی۔ ابھی اپنے مستقر سے چل کر کچھ منزلیں
ہی طے کی تھیں کہ بنو تمیم اس سے الگ ہو گئے۔ اس کے باوجود اس نے مدینے
پر حملہ کرنے کا قصد ترک نہ کیا۔ لیکن مزید چند منازل طے کرنے کے بعد اس کا ارادہ
پلٹ گیا۔ اب اس نے ایک نئی چال چلی۔ مسیلمہ کذاب کو اپنے ساتھ ملانے کا
منصوبہ بنایا۔ کیا وہ بھی اسی طرح کہ دعوت نامہ خود مسیلمہ کی جانب سے اسے موصول
ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور مسیلمہ کا دعوت نامہ ملتے ہی سجاح اپنے لشکر کو وہیں مقیم
چھوڑ کر ایک حفاظتی دستے کی معیت میں مسیلمہ کذاب سے ملنے کے بہانے یمامہ
کی طرف چل دی۔

مسیلمہ اس کی پیشوائی کے لئے چند منزل آگے آیا۔ دونوں نے مل کر اپنی خود
شادی رچالی پھر تین دن سجاح مسیلمہ کے پاس رہی۔ یہ طے پایا کہ نصف نبوت
بحق سجاح کے پاس رہے گی۔ اس کے بعد دونوں مدعیان نبوت کے پیروؤں کو
صبح و عشاء کی نمازیں معاف کر دی گئیں۔

تین دن مسیلمہ کے پاس رہنے کے بعد سجاح یمامہ سے روانہ ہو کر اپنے لشکر
کے پاس پہنچی۔ لیکن اس کے بعد ہی خالدؓ نے اس کے لشکر پر حملہ کر دیا تھا اور مرتدین
پر اس قدر خوف و ہراس طاری ہوا کہ وہ مغلوب ہو کر بھاگ گئے۔ سجاح اپنی جان بچا
کر الجزیرہ کی طرف فرار ہو گئی۔ اور بنو تغلب سے پناہ کی طالب ہوئی اور
وہیں مر گئی۔

اسباق

ہمیں سب سے پہلے غور کرنا چاہیئے کہ خلافت کی یہ مہمیں (لڑائیاں) کس نوعیت کی
تھیں۔ باآسانی سمجھنے کے لئے کہنا چاہیئے کہ ان کی نوعیت وہی تھی جو [illegible]

نہ ہونے دیا۔ مثلاً اگر سجاح کا لشکر طلیحہ کے لشکر سے جا ملتا تو خالدؓ کی دشواریاں بہت بڑھ جاتیں۔

یہ حقیقت ہے کہ نصرت الٰہی اور توفیق خداوندی کے شامل حال ہوئے بغیر کامیابی نہیں ہوتی، اور اللہ تعالیٰ نے خالدؓ کی غیبی تائید فرمائی۔ لیکن تقدیر پہ ہی بیٹھ رہنا اسلام کی تعلیمات نہیں، اور اس لئے اللہ ربّ العزّت سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگے، وہ اس کی تقدیر کو موافق بنانے کی التجاؤں کے ساتھ ساتھ عمدہ تدبیروں سے کبھی غافل نہ رہے۔

بنو تمیم

بنو تمیم عرب کا بہت زبردست اور طاقتور قبیلہ تھا۔ یہ کئی چھوٹے چھوٹے ذیلی قبیلوں میں منقسم تھا۔ یا یوں کہیے کہ اس کی متعدد شاخیں تھیں۔ اِس قبیلے کے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے۔ اور نبی کریم صلعم نے ان کے سرداروں مالک بن نویرہ، وکیع بن مالک، قیس بن عاصم اور صفوان بن صفوان رضؓ کو عامل زکوٰۃ مقرر فرمایا تھا جب فتنہ ارتداد کا آغاز ہوا، تو یہ تمام سردار بجز صفوان بن صفوان مرتد ہو گئے اور انہی کے اہلِ قبیلہ زیادہ تر مسیلمہ، سجاح اور طلیحہ کے ہمنوا ہوئے۔ ورانہی کے نمائندہ حضرت ابوبکر رضؓ کی خدمت میں معافیٔ زکوٰۃ کی عرضداشت لے کر حاضر ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ نے جو کلمات ارشاد فرمائے وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

"واللہ ایک بکری کا بچہ جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا جاتا تھا۔ اسے بھی دینے سے کوئی انکار کرے گا تو میں اس منکر کے خلاف جہاد کروں گا۔"

دحضرت عمرؓ نے اسی موقع پر حضرت ابوبکر رضؓ کی صاف گوئی اور اصابت رائے کا اعتراف کیا تھا۔

حضرت خالد رضؓ نے اندازہ لگایا تھا کہ بنو تمیم کو یقین ہے کہ خالدؓ عرصے تک بنو تمیم اور ان کے حلیفوں سے لڑائی میں الجھے رہیں گے۔ اور اس اثنا میں ہم سجاح اور مسیلمہ کے لشکروں کو ہمراہ لے کر مدینہ فتح کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر جب انھوں نے سنا کہ طلیحہ، سلمیٰ، سجاح کے لشکر درہم برہم ہو گئے اور ان کے قبائل اسلام کے مطیع ہو چکے ہیں۔ تو انھوں نے ان تینوں کا ساتھ چھوڑ کر اپنے گھر کی راہ لی تاکہ اپنے اہل وعیال کی محافظت کر سکیں۔ ان لوگوں کے عزائم سے خالد خوب واقف تھے چنانچہ اسلامی لشکر آتا فی آتا مقام بطاح میں اس قبیلے کے

درمیان جا پہنچا۔ اُسے دیکھتے ہی اہلِ قبیلہ کے ہوش و حواس بجا نہ رہے۔ جب خالدؓ نے اُن سے سوال کیا کہ تم مسلمان ہو یا نہیں، تو اُن لوگوں کی گم گشتگیٔ ہوش کا یہ عالم تھا کہ وہ کچھ جواب نہ دے سکے۔ لیکن ان لوگوں میں بھی عرب کی جبلّی خصوصیت موجود تھی۔ وہ رعونت و استکبار مجسّم تھے۔ انہیں اپنے قبیلے کی وسعت اور کثرتِ تعداد پر بھی ناز تھا۔ ادھر خالدؓ بھی صاف گو مجاہد تھے۔ جب سردارانِ قبیلہ نے صاف جواب نہ دیا۔ اور گومگو کے عالم میں بات ٹالنے کے درپے ہوئے تو خالدؓ نے ان سرداروں کو گرفتار کر لینے کا حکم دے دیا اور ان سب کی گردن مار دی۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مالک بن نویرہ مرتد ہو گیا تھا۔ لیکن اس کی بیوی اسلام پر قائم تھی۔ جسے مالک نے اپنے ظلم و تعدی کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ جب مالک قتل کر دیا گیا تو خالدؓ نے عام رواج کے مطابق بڑے سردار کی معزز خاتون کا وقار قائم رکھنے کی غرض سے اس سے نکاح کر لیا۔ لیکن دشمنوں اور مخبروں نے دربارِ خلافت میں اس واقعے کو بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ پہنچایا۔ چنانچہ خالدؓ کی طلبی ہوئی۔ جرم کی تفتیش کی گئی۔ اور جب وہ بے قصور ثابت ہوئے تو خلیفۂ اوّل نے انہیں ان کے عہدے پر بحال فرما دیا۔

اسباق

۱۔ خالدؓ کی برق صفت پیش قدمی نے بنو تمیم کے چھکے چھڑا دیئے اور ان کے مسلمان ہونے کے صحیح ہونے کے روشن دلائل پیش کر دیئے۔

۲۔ خلیفۂ اوّل نے آنے والی نسلوں کے لئے ایک قابلِ تقلید مثال پیش فرمائی کہ حاکمِ اعلیٰ کو انصاف کیسے کرنا چاہیئے۔ حالانکہ خالدؓ کے خلاف زبردست پروپیگنڈا کی مہم چلائی گئی تھی اور حضرت عمرؓ بھی اس سے متاثر معلوم ہوتے تھے۔ مگر آپ نے عزم و ثبات سے دامنِ عدل و انصاف کو تھامے رکھا اور خالدؓ کی بے قصوری اور برأت کا اظہار فرمایا۔ دشمن کے قائد اور فاتح جرنیل کو اس کی قوم کے مفادات کے پیشِ نظر منانا اور گرانا بھی ایک کامیاب چال ہوتی ہے

اس کے ثبوت میں فاتح سندھ غازی محمد بن قاسمؒ اور ابو عبیدہؓ کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ اور یہ محض مسلمانوں ہی کے ساتھ پیش نہیں آیا۔ بلکہ ہر ملک اور ہر قوم میں ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اور اسی لئے ہم مسلمانوں کو دشمنوں کی چالوں سے ہوشیار رکھنا چاہتے ہیں۔

۱۹۱۴ء - ۱۹۱۸ء کی جنگِ عظیم میں کئی برطانوی امیر البحر اور جرنیل اس غلطی کا شکار ہوئے تھے۔ ۱۹۴۰-۴۱ء میں فرانسیسی جنرل ڈی گول، برطانوی جنرل فلر وغیرہ جیسی جلیل القدر فوجی ہستیاں تھیں جو سیاسی دسیسہ کاروں کے غیظ و غضب کا شکار ہوئیں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے متعدد واقعات دیکھے اور طویل میعاد تک میں خود بھی اس کا مزہ چکھا۔

خالدؓ پر یہ ناجائز حملہ دوسری بار ہوا تھا۔ پہلی بار فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اور یہ دوسرا حملہ تھا۔ لیکن دونوں مرتبہ آپ باعزت بری ہوئے۔ اور اس طرح خدمتِ دین جاری رکھ سکے۔

سب سے قابلِ تعریف بات یہ ہے کہ ان صدمات کا آپ کے قلب و دماغ نے کوئی اثر قبول نہ کیا اور آپ پوری تندہی اور جان فروشی سے دین کی خدمت اور جہاد فی سبیل اللہ میں منہمک رہے۔ اگر کوئی اور ہوتا تو ممکن ہے کہ بددل ہو جاتا مگر خالدؓ سے اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کا کام لینا تھا۔ اس لئے توفیقِ ایزدی آپ کے شاملِ حال رہی۔ ایک واقعہ اور غور طلب ہے۔ اس الزام کی جواب دہی کے لئے جب خالدؓ دربارِ خلافت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو آپ کے کلاہ میں شتر مرغ کے پروں کی کلغی لگی ہوئی تھی۔ یہ پر آپ کو عہدہ کے مالِ غنیمت سے ملے تھے جو [illegible] لگ گیا تھا۔ جب خالدؓ حضرت عمرؓ کے سامنے گئے تو آپ نے خالدؓ کے عمامے میں سے پر کھینچ کر زمین پر پھینک دیئے اور اس پر بہت کچھ زجر و توبیخ کی لیکن حضرت خالدؓ بن ولید مؤدب سر جھکائے کھڑے رہے اور پھر شام و دمشق سے آگے بڑھ گئے۔ یہ ضبط و تحمل صرف اسلام کا صدقہ تھا۔

انہیں عطا ہوا تھا۔ برأتِ جرم کے موقع پر امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ارشاد فرمایا کہ حضور نبی کریم صلعم نے خالد رضؓ کو "اللہ کی تلوار" کا خطاب دیا ہے۔ پس میں اللہ کی تلوار کو نیام میں نہیں کرنا چاہتا۔

۲۔ مندرجہ بالا واقعہ سے ہم یہ سبق بھی حاصل کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کو نمود و نمائش ہرگز پسند نہ تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مجاہدین میں کسی قسم کی خود نمائی، رعونت اور استکبار پیدا ہو۔ اسی لئے خلفائے راشدین سادگی کو پسند فرماتے تھے۔

سادگی پسندانہ رجحانات کا راز اتحادیوں نے اس وقت سمجھا جبکہ دوسری جنگ عالمگیر میں ان کے خزانے خالی ہو چکے تھے۔ چنانچہ فوجی سپاہیوں کی بھڑک دار وردیاں متروک ہوئیں، اور اکثر اوقات تو اچھے اچھے امریکی اور انگریز محض ہاف پینٹ یا بہت ہوا تو بنیان پہن کر جنگی کارروائیوں میں حصہ لیتے تھے۔ وہ بنیان نما قمیض بش شرٹ کہلائی، اور اب تک مروج ہے۔

مسیلمہ کذاب

مسیلمہ بن حبیب قبیلہ بنو حنیفہ کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوا۔ اس نے سنہ ۱۰ھ یعنی نبی کریم کی حیاتِ مبارکہ ہی میں اعلانِ نبوت کر دیا تھا۔ اور ایک خط کے ذریعے رسالت و نبوت میں آنحضرت صلعم کو نصف کا شریک ہونے کی تحریک کی تھی۔ نیز تحریر کیا تھا کہ وہ نصف ملک پر قریش کی نبوت تسلیم کرتا ہے۔ اور بقیہ نصف عرب کا اسے نبی تسلیم کر لیا جائے۔

آنحضرت صلعم چونکہ شفقت، رحمت اور شرافت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اس وجہ سے آپ نے بار بار مسیلمہ کو عذاب آخرت سے ڈرایا اور دعوتِ حق دی۔ مگر وہ باز نہ آیا۔ آنحضرت صلعم کے وصال کے بعد اس کا حوصلہ اور بڑھ گیا۔ اور دنیوی جاہ و حشم کے طلب گار مسیلمہ نے اپنے قبیلے کے مزعومہ نبی کا اقتدار قائم کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے عکرمہؓ کو امیرِ لشکر بنا کر مسیلمہ کی سرزنش و ذلت اور اہانت کی غرض سے روانہ فرمایا۔ اور حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کاتبِ رسول اللہ کو عکرمہؓ کی امداد کے واسطے بھیجا۔

حضرت عکرمہؓ نے حضرت شرحبیلؓ کے آنے کا انتظار نہ کیا اور مسیلمہ کی طاقت کا اندازہ کئے بغیر حملہ کر دیا جس کے باعث انہیں شکست ہوئی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت شرحبیلؓ کو لکھ بھیجا کہ تم اپنی جگہ ہی ٹھہرو اور خالدؓ کے آنے کا انتظار کرو جب تک وہ نہ آئیں تم مسیلمہ سے جنگ مت شروع کرنا۔

[illegible]
[illegible] نہیں تھی

کہ مسیلمہ انتہائی چالاک واقع ہوا ہے۔ اس نے اپنی شاطرانہ چالوں سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا اور اُسے مطلق پرواہ نہیں تھی کہ اس کے ماننے والے اور پیرو کار تباہی کے غار میں گر جائیں گے۔

مسیلمہ اور اُس کے پیروؤں کو راہ راست پر لانے کے لئے آنحضرت صلعم نے نہار الرجال بن عنفوہ کو بطور معلم خود روانہ فرمایا تھا۔ نہار الرجال کو قرآن مجید پڑھایا اور وہ امور شرعیہ سے واقف کیا گیا تھا تاکہ مسیلمہ کے ادعا کی تردید کر سکیں۔ یہ بنو حنیفہ کے قبیلے سے تھا۔ لیکن مسیلمہ کی چرب زبانی سے متاثر ہو کر اور لالچ دلانے پر یہ مرتد ہو گیا۔ اس نے جب عوام کے روبرو مسیلمہ کے حق میں شہادت دی کہ میں نے آنحضرتؐ کو کہتے سنا ہے کہ مسیلمہ کو میرے ساتھ نبوت میں شریک کر دیا گیا ہے۔ تو عوام کالانعام پر اس کا بہت گہرا اثر ہوا اور قبیلہ بنو حنیفہ مرتد ہو گیا۔ کئی ہزار نو مسلم اسلام سے پھر گئے۔ بنو تمیم پر بھی اس کا اثر پڑا اور وہ بھی مرتد ہوئے۔ مسیلمہ نے یمامہ میں حرم بھی متعین کر لیا اور اس طرح اس کی طاقت بہت بڑھ گئی۔

جس زمانے میں خالدؓ مدینہ میں جواب دہی کیلئے حاضر ہوئے تھے ابوبکرؓ نے انہیں مسیلمہ کو زیر کرنے کا حکم دیا اور تیرہ ہزار مجاہدین اسلام کے لشکر کی کمان کرتے ہوئے حضرت خالدؓ نے یمامہ کی جانب کوچ کیا۔

جنگ یمامہ

مسیلمہ کو جب خالدؓ کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو اس نے عقربا میں پڑاؤ ڈال دیا۔ اس کی جمعیت کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ خالدؓ کا لشکر ایک شب کی مسافت کے فاصلے پر تھا۔ کہ ایک شب کو ایک دستہ سپاہ کو جن کی نفری تعداد میں چالیس تھی ایک جگہ سوتے ہوئے پا کر گرفتار کر لیا۔ استفسار پر انہوں نے کہا کہ وہ بنو عامر پر حملہ کرنے اور لوٹ مار کرنے گئے تھے۔ ان کے سردار مجاعہ حنیفہ ہیں۔ خالدؓ نے مجاعہ بن مرارہ کو لطور یرغمال اپنے پاس قید کر لیا۔ خالدؓ کے لشکر کی خبر پہنچتے ہی مسیلمہ نے پنا

لشکر ترتیب دیا۔ رقال کو امیرِ لشکر بنا کر اسلامی لشکر پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ خالدؓ نے اپنے لشکر کو اسی طرح ترتیب دیا۔

خالد بن فدان المخزومی
مقدمۃ الجیش

زید بن الخطاب — میمنہ

ابو حذیفہ — میسرہ

خالدؓ و محفوظ فوج

قلب

ثابت بن قیس — شرحبیل بن حسنہ — عبدالرحمٰن بن ابوبکر

مسیلمہ کے فوجی بہت دلیری اور بہادری سے لڑے۔ انھوں نے پے در پے مسلمانوں پر حملے کئے۔ میمنہ اور میسرہ کو دباتے ہوئے قلب کے قریب جا پہنچے۔ لیکن اسلامی محفوظ دستہ انھیں ہر بار پسپا کر دیتا۔ کبھی ان کے عقب پر حملہ کرتا، کبھی پہلو پر۔ اور وہ مار کھا کر پیچھے ہٹ جاتے۔ انھی حملوں کے دوران میں عبدالرحمٰن بن ابوبکر کے ہاتھوں محکم بن طفیل قتل ہوا جس کے باعث کفار کے حوصلے پست ہوگئے۔ اور وہ پسپا ہو کر باغ میں پناہ گزین ہوگئے۔ یہ باغ گڑھی کے مانند تھا۔ بلند اور مضبوط دیواریں، مضبوط دروازے۔ انھوں نے اندر سے دروازے بند کر لئے۔ اس حملے میں مسلمانوں کا بھی کافی جانی نقصان ہو گیا تھا۔ جو کہ اس سے قبل مسلمانوں کو کبھی اتنا جانی نقصان نہ ہوا تھا۔ کفار نے باغ میں بڑی دلیری سے مقابلہ کیا۔ آخرکار براء بن مالک نے مجاہدانہ جوش و خروش سے باغ کی دیوار پر چڑھ کر اندر چھلانگ لگا دی اور مردانہ وار لڑتے ہوئے گڑھی یا باغ کے دروازے کھول دیئے۔ نعرۂ تکبیر بلند ہوا۔ اور مسلمان افواج قلعہ میں داخل ہوگئی اور دست بدست لڑائی شروع ہوگئی۔ خالدؓ، ابوحذیفہ، عبدالرحمٰن، ثابت، زید، سب نے تہیہ کر لیا تھا کہ آج یا تو فتح حاصل کر کے رہیں گے یا دشمنوں کی وہیں جامِ شہادت نوش کر کے جنت الفردوس میں گھر بنائیں گے۔

خالدؓ نے مسیلمہ کو ختم کرنے کی نیت سے اپنی جگہ سے ہٹنا شروع کیا اور اس کی جانب رُخ کیا۔ مسیلمہ بھانپ گیا اور اپنی جگہ سے ہٹ۔ اس کو اپنی جگہ چھوڑنا تھا کہ کفار کی فوج کے حوصلے پست ہو گئے۔ ان کے قدم اکھڑ گئے۔ اور عین اسی دوران میں وحشیؓ نے بھالے سے مسیلمہ کا کام تمام کر دیا۔ اور مارے خوشی کے بآواز بلند نعرۂ تکبیر بلند کیا اور کہا "لوگو! میں نے مسیلمہ کو واصلِ جہنم کر دیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ مرتدین میں بھاگڑ مچ گئی۔ لیکن دیوار ہونے کے باعث راہِ فرار نہ مل سکی۔ بکثرت قتل ہوئے۔ مجاعہ کی وساطت سے محصورین نے صلح کی درخواست پیش کی۔ ازروئے اسلام چونکہ صُلح کو جنگ پر فضیلت حاصل ہے۔ لہذا خالدؓ نے درخواست قبول کر لی۔ اور حسبِ ذیل عہدنامہ صلح لکھا گیا:-

"یہ معاہدہ ہے جس پر خالدؓ بن ولیدؓ نے مجاعہ بن مرارہ، سلمہ بن عمیر وغیرہ سے صلح کی ہے۔ جس قدر سونا چاندی بنو حنیفہ کے پاس ہے وہ سب خالدؓ کے حوالے کیا جائے گا۔ بنصف کنیزیں اور غلام اس کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔ حدیقہ اور کل علاقہ اس کے قبضے میں دے دیا جائے گا۔ ہر قریہ میں ایک باغ اور ایک کھیت ان کے قبضے میں دیا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ اسلام قبول کریں۔ اس کے بعد انہیں امان اور آزادی ہے۔ ان شرطوں کی پابندی اور ایفا کے لئے میں خالدؓ بن ولیدؓ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں اور اس کا مُقر ہوں۔"

اسباق

۱- خالدؓ نے اس مرتبہ پھر اپنی اعلیٰ سپہ سالاری کا ثبوت دیا کیونکہ انہوں نے [illegible] دانش سے کام لیا۔

۲- آپ نے چند عزم و استقلال سے [illegible] میں [illegible] کا جذبہ دوبارہ پیدا کیا۔ دشمن [illegible] کو چوتھی بار [illegible] فتح [illegible]

وہاں یہ بھی نہ بھولنا چاہیئے کہ زندگی فانی ہے ۔ لہٰذا سالار کے ختم ہونے پر اور
بھی زیادہ جوش و خروش اور عزم و استقلال سے لڑے اسی اصول اور اسی
سبق کا اطلاق جہد و سعی کے ہر میدان میں ہونا چاہیئے ۔ یہ اصول صرف لڑائی
کے میدان ہی کے واسطے نہیں ہے بلکہ سیاسی، دینی، معاشری ہر میدانِ
عمل میں اسی اصول کو اپنانے کی اشد ضرورت ہے ۔
اب سوال اُٹھایا جا سکتا ہے کہ کیا ہم پاکستان میں اس اصول پر عمل کر رہے ہیں؟

۵ - عکرمہؓ اور شرجیلؓ کی شکستیں ہمیں انتباہ دیتی ہیں کہ کبھی جلد بازی سے کام نہ
لینا چاہیئے اور نہ احکام کی خلاف ورزی کی جائے، اپنے نیک نام ہونے
کا لالچ نہ کیا جائے ۔ کیونکہ بسا اوقات اسی قسم کی لغزشوں سے قوموں کی
قسمت بدل جاتی ہے ۔ اگر ہٹلر ۱۹۴۲ء اور ۱۹۴۳ء میں جلد بازی سے کام
نہ لیتا، رعونت اور تکبر اس کی سرشت میں نہ ہوتا ۔ تو بہت ممکن تھا کہ یورپ
کی تاریخ آج کسی دوسرے پیرائے میں لکھی جاتی ۔ یہ اس کی جلد بازی اور
کبر پسندی تھی کہ جرمن قوم نتائج سے مغلوب ہو گئی اور اسے بہت بُرا خمیازہ
بھگتنا پڑا ۔

۶ - یہاں ایک اور دلچسپ واقعہ قابلِ اندراج ہے :-
مسیلمہ اور اس کے لشکریوں کی غالب تعداد کی ہلاکت کے بعد مجاعہ اور بنو حنیفہ
امان مانگنے اور صلح کرنے آئے تو خالدؓ سے کہا کہ ابھی قلعہ میں ہماری بہت بڑی جمعیت
ہے ۔ جو ذلت پر موت کو ترجیح دیتی ہے ۔ لہٰذا جو شرائط ہم پیش کر رہے ہیں وہ
آخری ہیں ۔ اور اگر آپ کو ہمارے بیان کا یقین نہیں ہے تو کسی کو قلعہ میں بھیج کر تحقیق
کر لیں ۔ اور اگر آپ کچھ عرصے کے لئے امان دیں تو ہم اپنے اہلِ لشکر کو قلعے کی دیوار
پر کھڑا کر دیتے ہیں تاکہ آپ کو اندازہ ہو جائے ۔ خالدؓ نے منظور کر لیا ۔ مجاعہ اور [illegible]
کے ساتھی گئے ۔ ان لوگوں نے عورتوں تک کو زرہ بکتر پہنا کر مردانہ لباس میں کھڑا
کر دیا تاکہ تعداد بہت زیادہ معلوم ہو ۔ خالدؓ نے بھی دیکھا اور ان کے اندازے

والوں نے ہمیں بتایا کہ بنو حنیفہ کی تعداد بہت ہے۔ لیکن جب صلح نامہ لکھا جا چکا
اس پر دستخط ثبت ہو چکے، تو خالدؓ کو حقیقت حال کا علم ہوا چنانچہ آپ نے ان
لوگوں سے غلط بیانی اور فریب دہی کا جواب طلب کیا۔ مجاعہ نے مؤدبانہ عرض کیا۔
— اے خالدؓ! میں نے فریب نہیں دیا بلکہ اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اس قوم کا
ایک فرد میں بھی ہوں مجھے اپنی قوم کی پسماندہ تعداد کو بچانا منظور تھا میں اس
کے ہزاروں افراد کو اپنی آنکھوں سے قتل ہوتے دیکھ چکا ہوں اب اسے مزید تباہی سے
بچانا میرا فرض تھا۔ اور یہ بھی فرض تھا کہ اس قوم کو تاوانِ جنگ سے بچاؤں۔
لیکن اس کے ساتھ آپ کے فرائض بھی میرے پیش نظر تھے۔ اور اس لئے میں
نے اپنی قوم سے کڑی شرطیں منظور کرائی ہیں۔ میں نے دھوکہ نہیں دیا۔ یہ دو رنگی
حکمتِ عملی تھی۔ چونکہ مایوسی میں بھی قوم نے میرا ساتھ دیا۔ اس واسطے میں اپنے
ارادے میں کامیاب ہو گیا"

خالدؓ نے اس کی ذہانت کی تعریف کی، اور معاہدۂ صلح کی تمام شرائط کی
سختی سے پابندی کی۔

کیا مخالفینِ اسلام کے الزامات کا یہ جواب نہیں ہے؟ ان حالات میں اگر
خالدؓ کو مال و دولت کی طمع ہوتی، لونڈی غلام کی تمنا ہوتی، تو وہ تاوانِ جنگ
کے مطابق سب کچھ لوٹ لیتے۔ جو لونڈی غلام پسند ہوتے انہیں پاس رکھتے بقیہ
کو فروخت کر دیتے۔ لیکن آپ نے ایسا نہ کیا اور معاہدے پر سختی سے عمل پیرا ہے
نہ صرف یہ بلکہ آپ نے بنو حنیفہ کا ایک وفد بارگاہِ خلافت میں روانہ کیا تاکہ وہاں جا کر
بذاتِ خود دعوتِ اسلام حاصل کرے۔

خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے عہد زریں میں فتوحات اور عدل
وغیرہ کی جو مثالیں ملتی ہیں، انہیں پیش نظر رکھ کر کس وثوق سے ہم تحدی کرتے ہیں کہ اس
قسم کی کوئی ایک مثال ہی ہمیں مل جائے۔ لیکن نہیں ملتی۔

کس نام نہاد نئی روشنی کے زمانے اور مغربی تہذیب میں عہد نامے کیا ہیں؟

محض کاغذ کے اوراق جو وقتی مصالح کے تحت وقتی مصرف کے واسطے معرض تحریر میں لائے جاتے ہیں اور جب وقت گزر جاتا ہے تو انہیں پھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے پھر فاتح قومیں اختتام جنگ پر نمائشی عدالتیں قائم کرتی ہیں تاکہ مفتوح قوم کے چیدہ چیدہ سالار اور سپہ سالار، اور بڑے بڑے سیاسی لیڈر کسی نہ کسی بہانے سے مجرم قرار پائیں اور ان کی زندگی ختم کر دی جائے۔ جرمنی اور جاپان کے ہزارہا لیڈروں اور سالاروں کا یہی حشر ہوا۔ نیز جرمنی نے یہودیوں کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا دنیا نے اسے ابھی فراموش نہیں کیا ہے۔

۱۸۵۷ء کی ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلم مذہبی رہنماؤں اور عام مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا، وہ اب تک بھولا نہیں ہے۔

دنیا میں جب تک مجاہدین اسلام نے اپنے عہد معاہدوں [illegible] مفتوح اقوام پر نازیبا مظالم ڈھانے سے احتراز کیا اور صحیح طور پر اصول و قواعد پر عمل کیا تب تک ہمیشہ فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے۔

حیرہ کا والی ہوگا۔ جب تم دونوں اللہ کے حکم سے حیرہ میں اکٹھے ہو جاؤ اور عرب اور فارس کی درمیانی چوکیوں کو توڑ ڈالو اور تمہیں اطمینان ہو جائے کہ اب مسلمانوں پر عقب سے کوئی حملہ نہ کر سکے گا، تو تم میں سے ایک حیرہ میں قیام کرے اور دوسرا فارس میں داخل ہو جائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہوا ملک پر قبضہ کرتا چلا جائے دیکھو! اللہ تعالیٰ سے ہر وقت مدد مانگتے رہو۔ اس کا ہمیشہ خوف اپنے دلوں میں رکھو۔ ہر معاملے میں دنیا پر آخرت کو ترجیح دو۔ دنیا کو ترجیح نہ دینا۔ ورنہ دونوں ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ توبہ میں جلدی کرنا۔ گناہوں پر اصرار نہ کرنا"

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو تمام افواج شام کا سپہ سالار مقرر فرما کر جابیہ کی طرف جانے کا حکم دیا اور حضرت عمرو بن العاص کو بجانب فلسطین روانہ فرماتے ہوئے حکم دیا کہ "میں تم کو طائف، ہوازن، ثقیف، بنی کلاب و حضر موت کی فوجوں کا امیر بناتا ہوں۔ اگر تمہیں کمک کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ تم کوئی دفاعی منصوبہ ابوعبیدہؓ کے مشورہ کے بغیر مرتب نہ کرنا۔ خداوند تعالے تمہارے اور ابوعبیدہ کے ارادوں میں برکت عطا فرمائے۔

اس کے بعد آپ نے حسب ذیل ہدایات دیں :-

"ظاہر و باطن میں خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔ خلوت میں اللہ سے شرم کرنا۔ کیونکہ وہ تمہارے حالات اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ تم خود جانتے ہو کہ میں نے تمہیں تم سے بہتر اور بزرگ تر اور معزز لوگوں پر حاکم مقرر کیا ہے۔ پس آخرت کے لئے کام کرو۔ اور اپنے اللہ کو خوش رکھو۔ اپنے رفیقوں پر مثل باپ شفقت رکھنا ان کی خبر گیری میں کوتاہی نہ ہو۔ ان میں ہر قسم کے لوگ ہیں۔ ضعیف و ناتواں بھی ہیں تم دور کے سفر پر جا رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری امداد فرمائے۔ اسی پر اعتماد و یقین رکھنا اور توکل کرنا۔ جن رستوں سے شرجیل بن حسنہ اور یزید بن ابوسفیان گئے ہیں تم وہ راستے اختیار نہ کرنا بلکہ ایلہ کی سمت جاؤ۔ انشاء اللہ تعالیٰ فلسطین پہنچ جاؤ گے اور جب وہاں پہنچو تو مخبروں اور جاسوسوں کے ذریعے ابوعبیدہ کے تمام حال سے

باخبر رہنا۔ دریں صورت کہ وہ وہاں کامیاب ہو جائیں۔ تم فلسطین ہی میں دشمنوں سے
لڑائی لڑتے رہنا۔ اگر تم دونوں کو کمک درکار ہو تو ایک دوسرے سے طلب کر لینا
اور یہ امدادی افواج سعید بن خالدؓ، حارث بن ہشام، عکرمہ بن ابی جہل۔ اور سہیل بن
عمرو کے زیر کمان ایک دوسرے کو بھیجی جائیں جس کام پر تم کو مامور کیا ہے اس
میں سستی نہ کرنا۔ کاہلی سے بچنا۔ دشمن کی کثیر جمعیتہ دیکھ کر ہرگز نہ گھبرانا اور یہ نہ کہہ
اٹھنا کہ خلیفۂ رسولؐ نے ہمیں کس بلا میں ڈال دیا ہے کہ اس کا مقابلہ کرنا ہماری
قوت سے باہر ہے۔ اے عمروؓ میں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ بسا اوقات باوجود
قلیل التعداد ہونے کے کثیر التعداد مشرکین کا ہم نے نہ صرف مقابلہ کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے
ہمیں ان پر فتح و نصرت عطا فرمائی۔ خیبر کا واقعہ تمھیں یاد ہوگا، کیا اس وقت فتح مسلمانوں
کے قیاس میں تھی؟ اے عمروؓ! مہاجر اور انصار اہل بدر تمھاری معیت میں ہیں۔
ان کی تعظیم و تکریم کرنا۔ تکبر سے گریز کرنا۔ اور یہ خیال ہرگز دل میں نہ لانا کہ ابوبکرؓ نے
مجھے ان پر حاکم مقرر کیا ہے۔ اس واسطے میں ان سے افضل ہوں۔ اور تم نفس کے
فریب سے بچنا۔ اپنے آپ کو صرف ایک مجاہد سمجھ کر صحابیوں سے ہر کام میں
مشورہ لینا۔ نماز سب سے مقدم ہے۔ انتظام ایسا کرنا کہ نماز کے اوقات میں
فی الفور اذان دی جائے۔ بغیر اذان کے نماز نہ پڑھنا۔ خبردار کوئی بغیر اذان کے نماز
نہ پڑھے اور جب تم کو یقین ہو جائے کہ سب نے اذان سن لی ہے تو پھر اپنے لشکریوں
کے باجماعت نماز ادا کرنا۔ جو لوگ جماعت سے نماز ادا کریں گے انھیں فضیلت
حاصل ہوگی۔ اور جو اپنی قیام گاہ میں نماز ادا کریں گے انھیں بھی پورا ثواب و اجر
[illegible] سے ملے گا۔ ایلچیوں کی باتیں خود سننا۔ دوسروں کے ذمے ڈال کر اس اہم
فریضہ سے بچنے کی کوشش نہ کرنا۔

دشمن سے چوکنے رہنا۔ محافظ اور نگہبانی باری باری سے مقرر کرنا۔ اپنے ہمراہیوں
کو قرآن مجید کی تلاوت کی برابر تاکید کرتے رہنا۔ رات کو اپنے ہمراہیوں میں بیٹھ کر
زیادہ خیال کرنا۔ اور جب کسی کو سزا دو تو سختی نہ کرنا۔ اور نہ اتنی ڈھیل اور مہلت

فرشت کے حق میں کیا جاتا ہے۔ چونکہ تم نے جزیہ دے کر امن طلب کی ہے۔ لہذا
خداوند تعالیٰ کی امان دی جاتی ہے۔ ایک ہزار کی رقم جو تم نے اپنی جانب سے اور
اپنے خراج دہندگان، اور جزیرہ، باغیا اور بادوریا کے باشندگان کی جانب سے
دی ہے میں نے اسے قبول کیا، میرے تمام ہمراہی مسلمان اس تصفیے پر تم سے
خوش ہیں اور آج سے تم سب کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور
مسلمانوں کی حفاظت میں لیا جاتا ہے۔

ہُرمز کے ساتھ جنگ

اِن قبائل سے فارغ ہو کر خالدؓ نے ابلہ کی جانب کوچ کیا اور خلیفۃُ المسلمین کے احکام کے مطابق ہرمز کو حسبِ ذیل خط روانہ کیا :-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد لکھتا ہوں کہ اگر تم کو امن و سلامتی کی زندگی مطلوب ہے تو یا تو اسلام قبول کر کے ہمارے بھائی بن جاؤ یا پھر اپنی قوم کی طرف سے جزیہ ادا کر کے مسلمانوں کی پناہ میں آجاؤ - ورنہ میں تم سے جنگ کروں گا - میں تمہارے مقابلے کے لئے ایسے انسان لایا ہوں جنہیں جس طرح زندگی عزیز ہے - اسی طرح مقامِ شہادت حاصل کرنا بھی محبوب ہے۔"

ہرمز نے اس مکتوب کے جواب میں اپنا لشکر آراستہ کیا اور امداد کے لئے حکومتِ ایران کو عرضی روانہ کی - ہرمز اپنا لشکر لے کر حفیر کی جانب بڑھا - لیکن خالدؓ اپنا لشکر لے کر کاظمہ چلا گیا - اور جب ہرمز کاظمہ کی طرف روانہ ہوا تو خالدؓ دوسرے راستے سے پھر حفیر کی طرف بڑھا - ہرمز اس کے پیچھے اسی طرف گیا - اسی طرح خالدؓ نے ہرمز کو جو بہت بھاری سامان لئے ہوئے تھا خوب بھٹکا کر اس میں انتشار پیدا کر دیا -

آخر کار جب خالدؓ نے لڑنے کا فیصلہ کر لیا تو اپنا دفاعی منصوبہ بطورِ ذیل مرتب کیا :-

۱- اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا - ایک پر خود کمانڈر بنا، دوسرا مثنیٰؓ کے تحت دیا، اور تیسرے کی کمان عدی بن حاتمؓ کے سپرد کی -

۲- مثنیٰؓ کو دائیں سمت اور عدیؓ کو بائیں سمت روانہ کیا اور یہ دونوں مرکز کی فوج سے ایک دن کی مسافت پر جا کر ٹھہر گئے -

۳- خالدؓ نے انہیں حکم دیا کہ وقتِ معینہ پر تینوں لشکر آگے بڑھ کر ہرمز کے لشکر کو گھیرے میں لے لیں -

ہرمز خاندان کے حالات سے بخوبی واقف تھا۔ ہرمز کو اپنی شمشیر زنی اور پہلوانی پر بڑا ناز تھا۔ ابھی تک کوئی پہلوان اور شہسوار اس سے مقابلہ میں جیت کر نہ نکل سکا تھا۔ پھر اس کے لشکر میں شہسوار، پیدل، سب ہی تھے۔ زرہ بند دستے بھی موجود تھے، ہاتھی بھی تھے۔

ایرانیوں نے رومیوں کے خلاف لڑائیوں میں زنجیروں کا استعمال سیکھ لیا تھا جس کے تحت ان کی پیادہ فوج نے باہم دگر زنجیروں سے باندھ دیا۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ پیدل سپاہ دشمن کے حملے سے ڈر کر بھاگ نہ سکے گی۔ لیکن درحقیقت فنِ حرب کے لحاظ سے اس کا مقصد یہ تھا کہ صفوں میں شگاف نہ پڑنے پائے۔ کیونکہ دشمن کا رسالہ پلٹن پر صرف اسی وقت آسانی سے حملہ آور ہو سکتا ہے۔ جبکہ پلٹن کی صفوں میں شگاف پڑ جاتے ہیں۔ بعد رسالے کا سالار ان شگافوں کو وسیع تر بنانے کی خاطر پے در پے حملے کرنے اور زیادہ سے زیادہ شہسوار گزارتے ہیں تاکہ حریف کو درمیان سے دو ٹکڑے کر دے، اور ہر طرف سے درہم برہم کر دیا جائے یہ اصول مصنف کو اس زمانے میں سکھایا گیا جبکہ مصنف خود ایک رسالے میں تھا اور رسالے کے ہتھیار، تلوار، بھالا اور بندوق تھے اور چونکہ مصنف کو تین چار بار دست بدست لڑائی کا بھی موقع ملا ہے۔ اس لئے اس کی اہمیت بخوبی معلوم ہے۔ آج کل اسی اصول کے تحت ٹینکوں کے دستے حملے کے وقت منسلک کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس پرانے زمانے میں شگاف سے بچنے کے لئے زنجیریں استعمال ہوتی تھیں۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ جب دشمن کے شہسوار زنجیروں سے بندھے ہوئے پیادہ پلٹن پر حملہ آور ہوں، تو ان کے گھوڑے زنجیروں سے زخمی ہو جائیں۔ بسا اوقات گھوڑوں کے زخمی ہو جانے، اور بدک جانے اور گر جانے سے شہسوار زمین پر آ رہتے، اور پیدل پلٹن کا شکار بن جاتے۔ مگر تجربے سے معلوم ہوا ہے کہ یہ زنجیری سلسلہ رومن کے ان ناکوں کے خلاف یقیناً مفید ثابت ہوا ہوگا۔ جو خود آہن پوش اور ان کے گھوڑے نرم رفتار ہوتے تھے۔ مگر

عرب کے شہسوار خود بہت چست تھے۔ اور ان کے جانور صبا رفتار تھے۔ اور انہیں
اپنے جانوروں پر پورا اعتماد اور قابو ہوتا تھا۔ لہٰذا وہ ان زنجیروں کو کب خاطر میں لاتے
تھے۔ اس کے بعد زنجیر کی جگہ نئی دفاعی تنظیم کے مطابق پہلی پیدل صف کے پاس
لمبے بلّم ہوتے تھے۔ اور دوسری صف والوں کے بلّم پہلی صف والوں سے زیادہ طویل
ہوتے تھے۔ اس طرح تیسری اور چوتھی صف کے پاس اور بھی طویل بلّم ہوتے تھے
اس کا مقصد یہ تھا کہ لوہے کی ایک نوکدار دیوار حریف کے سامنے حائل کر دی جائے۔
اس مسئلے پر تفصیلی روشنی اس لئے ڈالی گئی کیونکہ زنجیروں کا استعمال کئی جگہ کیا
اور مصنفین نے فنِ حرب کے اصول سے عدم واقفیت کی بنا پر اس پر غلط تبصرے
کئے ہیں۔

ہرمز کا دفاعی منصوبہ

ہرمز کا دفاعی منصوبہ یہ تھا کہ وہ خالدؓ کو اپنے مقابلے میں دست بدست لڑائی
کی دعوت دے۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ جب خالدؓ پر قابو پالے گا تو مسلمانوں کو
شکست دینا آسان ہوگا۔ علاوہ ازیں اس نے یہ انتظام بھی کر رکھا تھا کہ اگر
کسی ناگہانی وجہ سے لڑائی کے دوران میں خالدؓ ہرمز پر قابو پالے یا قوی ہوتا
نظر آئے تو کمین گاہ میں جو چند بہادر پہلوان پوشیدہ طور پر چھپائے گئے ہیں۔ فوراً
نکل کر اس کا کام تمام کر دیں۔

مندرجہ بالا ہر دو حالتوں میں ہرمز نے اپنی فوج کو حکم دے رکھا تھا کہ جب
یک دم اسلامی لشکر پر ہلّہ بول دیں تاکہ مسلمان سنبھلنے نہ پائیں اور بے ترتیبی کا
شکار ہو جائیں۔

چنانچہ جب ہرمز میدان میں آیا تو اس نے اپنے دستور کے مطابق خالدؓ کو
دعوتِ مبارزت دی۔ خالدؓ فوراً میدان میں آ پہنچے۔ دونوں میں دست بدست
لڑائی شروع ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد خالدؓ نے ہرمز کو [illegible]
ٹھیک اسی وقت ہرمز کے ساتھیوں نے خالدؓ پر حملہ کر دیا۔ [illegible]

طرف دیکھا کہ قعقاع بن عمرو تنہا مدافعین کو دے کر برق کی مانند میدان میں جا پہنچے
اور ایرانیوں کا کام تمام کر دیا گیا۔ ہرمز کے حکم کے بموجب ایرانی رسالے نے
مسلمانوں کی فوج پر حملہ کر دیا اور زنجیروں میں بندھی ہوئی ایرانی پیدل پلٹن بغیر کسی محافظ
کے رہ گئی۔ خالدؓ کی آنکھ سے دشمن کی یہ غلطی کب چھپ سکتی تھی۔ مثنیٰؓ اور عدیؓ
نے دو طرف سے ان پر حملہ کیا اور انہیں تباہ کر کے ایرانیوں کے عقب پر ٹوٹ پڑے۔
ایرانی فوج کا بے حد نقصان ہوا۔ شام کے وقت جب زنجیریں جمع کی گئیں تو ایک
شتر بار یعنی ساڑھے سات من نکلیں۔ اس لئے اس جنگ کو ذات السلاسل
کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

مال غنیمت کے ساتھ ایک ہاتھی بھی حضرت خالدؓ نے مدینہ میں امیر المومنین کی
خدمت میں روانہ کیا۔ ابھی تک مدینہ کے بیشتر لوگوں نے ہاتھی نہ دیکھا تھا۔ اس لئے
چند دنوں تک یہ ہاتھی مدینے کی گلیوں میں پھرایا گیا اور پھر واپس عراق روانہ کر
دیا گیا۔ خالدؓ نے ہرمز کا تاج بھی خلیفہ کے پاس بھجوا دیا تھا۔ مگر حضرت ابوبکر
صدیقؓ خلیفہ اول نے رسم کے موجب اسے خالدؓ کو واپس دے دیا۔ ہر سوار
کو غنیمت میں دس ہزار درہم ملے اور پیدل مجاہدوں کو تیسرا حصہ ملا۔

خالدؓ کو جاسوسوں نے اطلاع دی تھی کہ شاہ ایران نے قارن بن قریانس
و انوشجان و قباذ کو لشکر دے کر ہرمز کی مدد کے لئے روانہ کیا ہے۔

خالدؓ نے سب سے پہلے مثنیٰ کو حکم دیا کہ شکست خوردہ فوج کا تعاقب کر کے
اسے بالکل تباہ کر دے۔ مثنیٰ بڑھتے بڑھتے قصر المراۃ پہنچ گئے اور اسے فتح کر لیا
چونکہ ہرمز خالدؓ کے لشکر کے تعاقب میں پھرتا رہا لہٰذا قارن کو پتہ نہ مل سکا کہ وہ
کہاں ہے اور وہ کہاں جا کر ہرمز سے ملے۔ جب وہ مذار کے قریب پہنچا تو اسے
ہرمز کے مارے جانے کی اطلاع ملی اور معلوم ہوا کہ لشکر ایران نے شکست کھائی
ہے۔ قباذ اور انوشجان بھی وہیں آ ملے۔ خالدؓ کو اس فوج کا پتہ چل گیا تھا۔
لہٰذا انہوں نے نہایت تیزی سے اس طرف کوچ کیا۔ دشمن پر ایسی حالت میں حملہ کیا

ان کا ساتھ دیتی تھی۔

۶۔ کاشتکار اور مزارعین چونکہ امن و امان میں تھے۔ اس کا گرد و نواح میں نہایت اچھا اثر پڑا اور رعایا مسلمانوں کے حسن وسلوک سے ان کی گرویدہ ہوگئی۔ چونکہ ایرانی حاکموں کا سلوک رعایا سے بے حد نمایاں نہ تھا۔ لہٰذا یہ لوگ مجاہدینِ اسلام کے حلیف و مددگار بن گئے جس کی وجہ سے اسلامی لشکر کو ہر وقت اور کافی مقدار میں رسد ملتی رہی۔ اور انہیں لوگوں نے خالدؓ کو ایرانی افواج کی نقل و حرکت اور ارادوں سے باخبر رکھا۔

اس فتح کے بعد خالد زیادہ عرصہ الیس میں نہ ٹھہرا بلکہ امغیشیا کی سمت پیش قدمی کی جو حیرہ کا ایک شہر تھا۔ حیرہ کی گورنری نسلاً در نسل آزادبہ کے خاندان میں چلی آ رہی تھی۔ یہ بڑا مؤقر خاندان تھا۔ اس وقت وہاں کا حاکم آزادبہ تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو آگے روانہ کیا تاکہ خالد کی پیش قدمی روک دے تاکہ وہ مزید فوج جمع کر سکے مگر وہ شکست کھا گیا۔ امغیشیا اور حیرہ کے مابین دریائے فرات بہتا تھا۔ آزادبہ کے بیٹے نے دریائے فرات کا پانی کاٹ کر نہر میں ڈال دیا جس سے تھا۔ خالد کے لشکر کی بار برداری کی کشتیاں جب پانی آگے نہ بڑھ سکیں۔ خالد تیزی سے اپنا رسالہ لے کر نکلا اور آزادبہ کے لشکر کو آ لیا۔ وہ لوگ دریا کا پانی کاٹنے کے باعث بے فکر ہو گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سب کے سب قتل کر دیئے گئے۔ خالد نے دوبارہ بازل کے مقام پر فرات کے پانی کی نہر کو بند کر کے دریا میں ڈال دیا۔ اب وہ پیش قدمی کرتا ہوا حیرہ کی جانب بڑھا۔ آزادبہ کو نہر کی اطلاع پہنچ چکی تھی۔ اس لئے وہ جان بچا کر حیرہ سے نکل گیا۔ یوں خالد نے حیرہ کا محاصرہ اختیار کیا۔ حیرہ کے امراء نے قلعہ بند ہو کر مدافعت کرنی چاہی۔ مگر پھر وہ دب کر صلح کر لی۔ اہل حیرہ کے صلح کر لینے سے اردگرد کے علاقے والوں نے بھی صلح کر لی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو ان فتوحات کی خوشخبری دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا :-

"اے قبیلہ قریش! تمہارے شیر نے ایک شیر (یعنی شیر) پر حملہ کیا۔ اس کے پنجے میں سے چھین کر اسے مغلوب کیا۔ عورتیں خالد جیسا بہادر نہیں پیدا کر سکتیں۔"

خالد نے اہل حیرہ کو مندرجہ ذیل معاہدہ لکھ کر دیا :-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ یہ معاہدہ خالد بن الولید نے فلاں بن فلاں سے کیا ہے۔ اہل حیرہ نے ان کو اپنا نقیب چنا ہے۔ اور ان لوگوں کو اس معاہدے کی پابندی کے لئے مجاز گردانا ہے۔ اور وہ اس معاہدے پر رضامند ہیں کہ اہل حیرہ سے اور ان کے پادریوں اور راہبوں سے ایک لاکھ نوے ہزار جزیہ وصول کیا جائے گا مگر

چھاؤنی تھی جس میں مٹی کا تعمیر کردہ ایک قلعہ تھا اس کی فصیلوں کے گرد گرد گہری خندق کھدی ہوئی تھی جسے بوقت قلعہ بندی اور ضرورت دریائے فرات کے پانی سے بھر دیا جاتا تھا۔ زمام حکومت ایرانی شہنشاہ فرخ زاد کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی اسلامی فوج کشی کے خطرات سے ملک کو محفوظ رکھنے کے خیال سے انبار، عین التمر، اور فراض کی طرف لشکر جرار روانہ کر دیا۔ سالاران لشکر کو حکم دیا کہ مستوطن قبائل عرب کو جو عیسائی اور مشرکین ہیں سے بنے ہموار کر کے اپنائیں۔ چنانچہ کہیں تو ان میں انتقام کا جذبہ پیدا کیا گیا، کہیں مال و زر کا لالچ دیا گیا اور دربار ایران کی خوشنودی تقرب، اور عہدے پیش کئے گئے۔

انبار کے لشکر کا سپہ سالار شیرزاد تھا جو ساباط کا رئیس تھا۔ یہ شخص بہت زیرک، ہر دلعزیز، اور عربوں و عجمیوں میں محترم سمجھا جاتا تھا۔ اس کے زیر علم عیسائی عرب ہر چہار اطراف سے آ کر جمع ہو گئے۔

خالدؓ کی فطرت کہئے یا اصول جنگ کہ جہاں اور جس جگہ حریف کے اجتماع کی خبر پاتا بتعجیل ممکنہ اس طرف پیش قدمی کرتا تا کہ حریف کو اپنی تنظیم کا موقع نہ مل سکے۔ چنانچہ جب خبر ملی کہ دشمن انبار میں جمع ہو رہے ہیں تو خالدؓ نے فی الفور لشکر اسلام کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے اس زمانے میں سوداں کی بہت سی اونٹنیوں نے بچے دیئے تھے مگر خالدؓ اس قسم کے واقعات سے کہاں متاثر ہونے والا تھا۔ فی الفور حکم دیا کہ اونٹنیوں کے بچوں کو دوسرے اونٹوں پر سوار کرایا جائے اور لشکر روانہ ہو۔

اہل انبار خالدؓ کی آمد کا حال سنتے ہی قلعہ بند ہو گئے۔ لشکر اسلام کے قریب پہنچنے پر یہ لوگ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ اونٹنیوں کے بچے اونٹوں پر سوار ہیں جب اس کا سبب اہل شہر نے شیرزاد سے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ لوگ جان کی بازی لگانے آئے ہیں ان کا اس طرح آنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ کسی قسم کی حائل شدہ دشواری کو خاطر میں نہیں ہونے دینا چاہتے۔ پھر اپنی سپاہ کو حکم دیا۔ "زرہ بکتر لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ جاؤ تا کہ تمہاری طاقت دیکھ کر مسلمانوں پر رعب طاری ہو جائے۔"

سرکش شہر میں ایرانی فوج تھی۔ خالد نے شہر کا محاصرہ کیا اور [illegible] کر کے دیکھا کہ
محصورین فصیل سے پیچھے نہیں ہٹتے اور خندق بہت گہری ہے [illegible]
دستے کو [illegible] ادھر اس کی فوج [illegible]
کو مختلف مقامات پر متعین کرنے کے بعد خالد نے چیدہ چیدہ تیر اندازوں
کو حکم دیا کہ جہاں تک ممکن ہو وہ دشمن کی سپاہ کی آنکھوں کو اپنا نشانہ بنائیں۔ دوسری طرف خالد
نے بیمار کمزور اور بوڑھے جانوروں کو خندق کے قریب اس مقام پر جمع کیا جہاں خندق
کم چوڑی تھی۔ ایک منتخب دستہ بھی تیار کیا جو موقع پاتے ہی خندق کو عبور کر کے فصیل پر
پہنچ جائے۔ اہل شہر مسلح ہو کر ایرانی سپاہ کے ہمراہ لاپروائی سے تماشہ دیکھنے میں مصروف
تھے۔ ان سپاہیوں کو اپنے اعلیٰ زرہ بکتر پر بڑا گھمنڈ تھا۔ جب پہلی بار ہی مسلم تیر اندازوں
کی باڑھ ان پر پڑی تو دیکھتے ہی دیکھتے تماشائیوں کی آنکھوں میں تیر لگے۔ یہ اچانک حملہ ایسا
دہشت ناک ثابت ہوا کہ سب لوگ فصیل چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے
خالد کے لشکریوں نے کمزور اور بیمار جانوروں کو ذبح کر کے خندق کو بھر دیا اور حملہ آور دستہ
بھی خوش قسمتی سے قلعہ کی دیوار پر چڑھ گیا۔ تمام فصیل اس وقت خالی تھی۔ کیونکہ لوگ
تیروں کی بوچھاڑ سے پناہ لینے کی غرض سے اندر بھاگ گئے تھے۔ حملہ آور دستے نے فصیل
پر پہنچتے ہی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اب محصورین قلعہ حملہ کرنے کے قابل نہ رہے۔ بہت گھبرا
گئے۔ اس وقت شیرزاد نے صلح کی درخواست کی اور امان مانگی اور یہ شرط پیش کی کہ
اسے ایک مختصر دستے کے ہمراہ بلا سامان قلعہ سے چلے جانے کی اجازت دی جائے۔
خالد نے یہ شرط مان لی۔ اور شیرزاد بہمن جاذویہ کے پاس چلا گیا۔ جو ایک لشکر جرار لئے
ہوئے وہاں سے کچھ فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔

خالد نے فتح کے بعد مقامی باشندگان سے انتہائی لطف و کرم کا سلوک کیا۔ اور جب
دیکھا کہ یہاں کی زبان عربی ہے تو خالد نے اس میں گہری دلچسپی لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ
مسلمان ہو گئے۔ اور خالد کی پیش قدمی کے وقت پشت پناہ بنے۔

جنگ عین التمر

عین التمر عیسائی عربوں کا بہت بڑا مرکز تھا۔ اور وہاں کے مشہور قبائل میں سے تغلب
نمر، بنو ایاد بستے تھے۔ ان کا سردار عقہ بن ابی عقہ تھا جو ایک نامور جنگجو تھا۔ عربوں کی
پشت پر ایران کے سرکردہ اور سربرآوردہ سپہ سالار بہرام چوبین کا بیٹا مہران
تھا۔ عقہ نے کوشش بلیغ کر کے جم غفیر اکٹھا کیا تھا۔ گو عقہ بہادر تھا مگر بلا کا چالاک اور
ہوشیار تھا چنانچہ اس نے عقہ کی شیخی کو بہت زیادہ ابھارنے کے لئے منافقانہ طور
پر کہا کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ تم بھی عرب ہو تمہاری رگوں میں بہادر اسلاف
کا خون موجزن ہے۔ تم کو اور تمہارے اہل لشکر کو مسلمان مجاہدوں پر بعض باتوں سے
فضیلت حاصل ہے۔ کہاں وہ ننگے بھوکے، فاقہ مست اور کہاں تم خوش خوراک خوش
پوش ہو۔ تمہارے ہتھیار ان کے ہتھیاروں سے زیادہ آبدار، بہتر، تمہارے گھوڑے اور
جانور تازہ دم۔ تمہاری سپاہ دم خم والی، اور وہ لوگ تھکے ہارے تھکے ماندہ۔ تم آگے
بڑھ کر ان سے شمشیر زنی شروع کرو، ہم عقب سے تمہاری معاونت کریں گے۔ عقہ اس کے
جھانسے میں آگیا اور عین التمر سے ایک دن کی مسافت پر جا کر اپنے لشکر کے ساتھ خالدؓ کا انتظار
کرنے لگا۔

جب مہران کو اس کے ماتحت سرداروں نے اس طرز عمل پر ٹوکا اور اس پر اعتراض
کئے تو اس نے یہ کہہ کر انہیں ساکت کر دیا کہ اگر عقہ نے خالدؓ پر فتح پالی تو ہم لوگ
مسلمانوں کا تعاقب کر کے انہیں تہس نہس کر دیں گے۔ اور اگر عقہ کو شکست ہوئی
تو پھر ہم مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے جبکہ وہ عقہ سے جنگ لڑنے کے بعد مسلمان تھکے
ماندہ ہو چکے ہوں گے۔ اس وقت ان سے جنگ کرنا بے حد آسان ہوگا۔
ایرانیوں کو مہران کی یہ تجویز بہت پسند آئی اور وہ سمجھ گئے کہ اس طرح بلا شبہ فتح ہوگی۔
عقہ مقام کرخ پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا کہ خالدؓ کا لشکر وہاں پہنچ گیا۔ خالدؓ کو
اپنے جاسوسوں سے تمام حالات معلوم ہو چکے تھے۔ چنانچہ اس نے ترتیب وقت
ہی اپنی فوج کو آراستہ کر لیا تھا۔ اس نے اپنی فوج کے میمنہ و میسرہ کے سرداروں کو

ایک طرف قراحش نے دشمن کے بازوؤں پر حملے کیے اور ساتھ ہی نہایت بے باکی، عزم
اور بے مثال دلیری سے آگے بڑھ کر خود نصرانیوں کے سپہ سالار کو قید کر لیا۔ اسی بیباکی
و حال سن کر مہران کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ بھاگ نکلا۔

انبار کی جنگ میں خالدؓ کی باریک بینی نے صحیح اندازہ لگا لیا کہ محصورین غرور
و تمکنت کے تحت عام اصول حفاظتی طرزِ عمل کو بھی خیرباد کہہ چکے ہیں۔ لہٰذا اس نے
تیروں کی بوچھاڑ سے انہیں وہ سزا دی کہ ان کے حواس بجا نہ رہے۔

ایک اور امر جو اس جنگ میں قابلِ ذکر ہے۔ جسے ہم کئی بار کہہ چکے ہیں اور آئندہ
بھی دہرائیں گے کہ ہر سپہ سالار اور ہر سالار خواہ وہ کسی رتبہ کا ہو اس کا اوّلین فرض
یہ ہے کہ جنگ سے قبل نقشہ سے اس سرزمین اور اس کے ماحول اور فضا سے
اپنے کو متعارف کر لے، جہاں آئندہ اسے لڑائیاں لڑنی ہوں گی اور موقع پا کر
خود اس سرزمین کو آنکھوں سے بھی دیکھ لے۔ گذشتہ زمانے میں سالار گھوڑے پر
سوار ہو کر زمین کا ملاحظہ کیا کرتے اور جہاں خود نہ جا سکتے وہاں معتمد علیہ اور چیدہ
شخصوں کو روانہ کر کے تمام حالات سے واقفیت بہم پہنچاتے تھے۔ اب زمانہ بدل
گیا ہے۔ اب سپہ سالار ہوائی جہاز پر سوار ہو کر دیکھا کرتے ہیں۔ جاسوسوں اور مخفی
ایجنٹوں سے حالات معلوم کرتے ہیں۔ ہوائی جہاز میں جستجو کی غرض سے اڑنے والے
مختلف طریقوں سے اس تمام علاقے کے فوٹو کھینچ کر اپنے سپہ سالار کو پیش کرتے ہیں
اور جو سالار اس کام میں کوتاہی کرتا ہے وہ کبھی نہ کبھی بالیقین دھوکا کھاتا ہے۔

خالدؓ جنگ پر روانہ ہونے سے قبل تمام خبروں اور حادثات سے پوری طرح
اپنے آپ کو آگاہ کر لیتے تھے۔ اور ان اطلاعات کو بدلتے حالات میں تردید یا تصحیح کا
پورا یقین حاصل کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ اپنی فوج کو میدانِ جنگ میں جھونکنے سے قبل
یہ اطمینان کر لیتے تھے کہ زمین اور فضا کے حالات کیسے سازگار بنائے جا سکتے ہیں
یہاں [illegible] کا [illegible] نہ تھا۔ [illegible] ان کی آنکھ سے مسلمان تیر اندازوں کی غلطی نہ چھپی
اب اس جنگ میں محصورین کی [illegible] انہیں [illegible] تھا وہ خندقوں کی حفاظت

نے منصوبہ نہیں کیا تھا۔

اچانک حملے نے تکبر کو ہراس میں تبدیل کر دیا اور اس طرح سے دومہ کی غلطی کا فائدہ مسلمانوں نے اس طرح اٹھایا کہ بغیر بڑے جانی نقصان کے فصیلوں پر چڑھ گئے۔

دنیا کی نئی ایجادوں نے گو بہت سی تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں مگر ذاتی جرأت اور بے باکی، عزم و استقلال اب بھی وہی درجہ رکھتے ہیں۔ ورنہ بہترین آلات و اسلحہ جنگ کسی بزدل کے ہاتھ میں ہوں تو محض بے کار ثابت ہوتے ہیں۔

دومہ میں خالدؓ کا ورود

عین التمر میں جب خالدؓ نے ہر طرح سے اطمینان کر لیا تو دومہ کی جانب بڑھے تا کہ عیاضؓ کا ہاتھ بٹائیں۔ انھوں نے حیرہ میں اپنا نائب قعقاع بن عمرو کو مقرر کیا۔ دومہ نصرانی عربوں کا بہت بڑا مرکز تھا۔ یہاں کا رئیس اکیدر بن عبدالملک مسیحی تھا۔ جودی بن ربیعہ اس کا معاون تھا۔ ان لوگوں کی مدد کے لئے بنو بہرا، بنو کلب، بنو غسان، و تنوخ، ضجاعم کے جنگجو قبائل تھے۔ ان سب کی پشت پر ایران و روم کی سلطنتوں کا زر و مال اور لشکر تھا۔ گو ایرانی عیسائیوں کے سخت دشمن تھے مگر اس وقت وہ عیسائیوں اور یہودیوں کے غم خوار اور ہمدرد بنے ہوئے تھے۔

عیاض بن غنمؓ تمام دشواریوں سے دوچار ہوتے ہوئے دومہ تک جا پہنچے تھے۔ جب اکیدر اور اس کے رفقا کو خالدؓ کی آمد کا حال معلوم ہوا تو اس نے سب قبائل کو صلح کا مشورہ دیا۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ تم لوگ عیاضؓ و خالدؓ کے لشکروں کے بیچ میں پھنس گئے ہو۔ قبائلیوں نے جب اپنی کثرت تعداد کے زعم میں اکیدر کی رائے نہ مانی۔ تو اکیدر ان سے الگ ہو کر چلا۔ خالدؓ کے جاسوسوں نے خبر دی۔ خالدؓ نے عاصم بن عمرو کو اکیدر کے پکڑنے کے واسطے بھیجا۔ اکیدر اس رستے سے گرفتار ہو کر مارا گیا۔

خالدؓ نے عیاضؓ سے مل کر اپنا منصوبہ دفاع اس طرح تیار کیا کہ ایک جانب سے عیاضؓ حملہ کریں اور دوسری جانب سے خالدؓ بن ولید۔

"دو رخی اچانک حملہ" کہتے ہیں۔ جہاں اس قسم کے حملے میں کامیابی کی سہولتیں اور دشمن کے لئے مکمل بربادی کے سامان ہیں وہاں اسے کامیاب بنانا اتنا آسان نہیں۔

نپولین نے عین اسی اصول کے مطابق واٹرلو کے میدانِ جنگ میں اتحادیوں سے لڑنا چاہا تھا۔ مگر اس کے ایک جرنیل کی غلطی سے یہ منصوبہ تشنۂ تکمیل رہ گیا اور وہ کسی وجہ سے وقتِ مقررہ پر اتحادیوں کے خلاف مقامِ معینہ پر نہ پہنچ سکا۔ اور نپولین کو حکومت اور قیادت اور فوج کشی سے ہاتھ دھو کر تمام عمر قید میں بسر کرنی پڑی۔

لیکن جہاں دونوں سالاروں میں یک جہتی۔ عزم و تعاون کامل ہوتا ہے اس قسم کا حملہ آسانی سے کامیاب ہو جاتا ہے۔

خالدؓ کی غیر حاضری میں ایرانی جوش

جیسے ہی ایرانیوں کو خالدؓ کے دومہ جانے کا علم ہوا ہر طرف شر برپا ہوگیا۔ ایرانیوں اور اُن کے عرب ساتھیوں کا خیال تھا کہ قعقاع بن عمرو سے یہ گاڑی نہ چلے گی۔ ساتھ ہی انہیں دومہ کے کثیر تعداد نصرانیوں پر بڑا اعتماد تھا۔ وہ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اس جنگ میں خالدؓ کو بہت وقت لگے گا۔ لہٰذا وہاں سے واپس آنا اور حالات پر بہ تعجیل قابو پا لینا آسان نہ ہوگا۔

چنانچہ جزیرہ کے عربوں، عجمیوں اور ایرانیوں نے باہم سر جوڑ کر یہ منصوبہ بنایا کہ ہر طرف سے متفق ہو کر مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔ بغداد کے علاقے میں سے زرمہر اور اس کے ساتھی اور دوسری طرف سے روزبہ عجمی لشکروں نے حصید اور خنافس کے درمیانی علاقے میں ملنے کا قرار کیا تاکہ وہ دونوں مل کر حیرہ پر حملہ کر کے قابض ہو جائیں۔ قعقاع کو دشمن کے منصوبے کا علم ہوگیا۔ اس نے اعبد بن فدکی سعدی کو یہ حکم دیا کہ حصید پہنچ کر دشمن کے راستے میں حائل ہو جائے اور اسے دوسرے خفیہ طور پر متفق ہونے والے حملہ آوروں سے ملنے نہ دے۔ اور عروہ بن الجعد کو خنافس بھیج کر بھی اسی قسم کا حکم دیا۔ دونوں نے اپنی اپنی منزل پر پہنچ کر دشمنوں سے جنگ آغاز کر دیا۔ اور ان کو ملنے نہ دیا گیا۔ بایں ہمہ یہ دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ طاقت پکڑتے گئے۔

اسی اثنا میں خالدؓ بھی جن کا ارادہ اب مدائن کی طرف بڑھنے کا تھا حیرہ میں لوٹ آئے۔ اور فوراً قعقاع اور ابن ابی لیلیٰ کو روزبہ اور زرمہر کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ ادھر حیرہ میں خالدؓ کو یہ اطلاع بھی ملی کہ ابن الہذیل بن عمران نے مصیخ میں اور ربیعہ بن بجیر نے ثنی اور بشر میں فوجیں جمع کی ہیں اور وہ زرمہر اور روزبہ کی مدد کرنے

جا رہے ہیں۔ یہ خبر ملنے کے بعد خالدؓ نے ارادہ کیا کہ اس مہم کو خود سر کریں۔ وہ عیاض کو حیرہ میں اپنا نائب مقرر کرکے آپ عین میں جا پہنچے اور قعقاع اور ابولیلیٰ کے لشکروں سے مل جائے

خالدؓ نے اپنا دفاعی منصوبہ اس طرح بنایا:۔ قعقاع کو ایک لشکر دے کر حصید کی جانب روانہ کیا اور حکم دیا کہ فوری حملہ کرکے دشمنوں کو منتشر کر دے۔ ابولیلیٰ کو دوسرا رستہ دیا کہ وہ خنافس میں جو اعدا جمع ہو رہے ہیں ان کا شیرازہ درہم برہم کر دے۔ اور خود محفوظ فوج کے ساتھ عین میں مقیم رہے۔ تاکہ دونوں کی بوقت ضرورت امداد کر سکیں۔

حصید کا واقعہ

روزبہ نے جب قعقاع کی پیش قدمی کا حال سنا تو زرمہر سے مدد کا طالب ہوا۔ زرمہر فی الفور اس کے پاس آگیا اور اپنا لشکر بھی ان کی مدد میں لے آیا۔ حصید میں جنگ ہوئی۔ روزبہ اور زرمہر میدان جنگ میں مارے گئے۔ ان کے قتل ہوتے ہی قبائلی تمام ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور بھاگنے والوں کی غالب تعداد تعاقب کنندہ مسلمان دستوں کے ہاتھوں تہ تیغ کر دی گئی۔ ادھر ابولیلیٰ خنافس چل دیئے۔ خنافس والوں کو اسلامی لشکر کی آمد کا علم ہوتے ہی وہ بدرہ مصیخ کی طرف راہی ہوئے۔

مصیخ کی فتح

یہ خبریں ملتے ہی خالدؓ نے قعقاع اور ابولیلیٰ کو خطوط روانہ کئے جن میں یہ کہا گیا کہ فلاں دن شب کے فلاں وقت قعقاع دشمن کے لشکر پر فلاں سمت سے شب خون مارے۔ اور ابولیلیٰ فلاں دن شب کے فلاں وقت فلاں سمت سے شب خون مارے۔ یہی رات کو اسی معینہ وقت پر میں خود فلاں تیسری سمت سے دشمن پر انشاءاللہ حملہ آور ہوں گا تاکہ تین سمتوں سے اچانک حملہ کرکے تمام دشمنوں کو بیک وقت ختم کر دیا جائے۔ خالدؓ نے شب خون کے دفاعی اصولوں پر مکمل پابندی سے عمل ہونے کی دونوں کو ہدایت

آقائے نامدار اور استادِ محترم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سیکھا تھا۔

اب خالدؓ عتابیہ کے علاقے سے فراض شہر کی جانب بڑھے۔ یہ وہ مقام تھا جہاں شام، عراق اور جزیرے کی حدیں ملتی تھیں۔ یہاں ایران اور رومی لشکر جمع تھے۔ نیز بنو تغلب۔ بنو نمر۔ بنو ریاض عرصے سے سرگرمی سے جمع ہو رہے تھے۔

اب حالات یہ تھے کہ خالدؓ کی فوج نشیبی عراق سے چل کر ایسی جگہ پہنچ گئی تھی جہاں دونوں حکومتوں کی حدود ملتی تھیں۔ وہ عجمی اور شامی قبائل کے آخری حدود میں پہنچ چکے تھے۔ گو ان قبائل کو خالدؓ نے زیر کر لیا تھا۔ مگر کیا وہ دل سے ذمی بنے تھے؟ کیا ان کے دل میں نسلی انتقام کا جذبہ نہیں تھا؟ یا جبلی عادت بھلا چکے تھے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ تاہم خالدؓ کو ایسی باتیں ہراساں نہ کرتی تھیں۔ انھیں خوف ضرور تھا۔ اور وہ خوف صرف خدا کا خوف تھا۔

شہر فراض دریائے فرات کے کنارے آباد تھا۔ اس میں کافی چہل پہل تھی نیز یہیں ایرانیوں اور رومیوں کے لشکر یہاں خیمہ زن تھے۔

خالدؓ ان لشکروں کے سامنے دریا کے دوسرے کنارے پر اترے۔ انھوں نے دفاعی اصول کے تحت پڑاؤ کے لئے ایسا قطعۂ ارض منتخب کیا جہاں ان کے شہسوار زمین کے نشیب و فراز اور وسعتوں سے پورا فائدہ اٹھا سکیں۔

دوسرے ہی دن دشمنوں کی جانب سے قاصد پیغام لایا کہ یا تو تم اس پار آکر ہم سے لڑو یا ہمیں موقع دو کہ ہم اس پار آکر تم سے لڑائی کریں۔ خالدؓ نے جواب بھجوا دیا کہ آپ ہی اس پار آکر لڑائی کر لیجئے۔ میں آپ کا منتظر ہوں۔ جب خالدؓ کا یہ جواب دشمنوں کے کیمپ میں پہنچا تو ایرانیوں نے رومیوں سے کہا کہ تم نے گھمنڈ سے غلطی کی ہے۔ خالدؓ بہت تجربہ کار سالار ہے۔ تمہیں دریا کے اس پار جانے کی غلطی نہیں کرنی چاہیئے۔ اب ان لوگوں نے خالدؓ کے پاس پھر قاصد روانہ کیا۔ مگر خالدؓ رضامند نہ ہوئے۔ چار و ناچار انہیں دریا کے پار جانا پڑا۔ اب انھوں نے اشتراط کیا کہ اسلامی لشکر کنارے سے اور پیچھے ہٹ جائے تاکہ بلا روک ٹوک شریکین

کہ لشکر دریا پار کر سکے۔ خالدؓ ان کی چال سمجھ گیا۔ اور کہا مسلمان قول کے پکے ہیں تم اس پار آ سکتے ہو۔ اور اگر تمہیں ڈر ہے تو دُور چلے جاؤ اور دریا کے نچلے حصے سے پار آ جاؤ اور میں یہیں تمہارا منتظر رہوں گا۔

اس موقع پر یاد رکھنا ضروری ہے کہ رات دن کے مسلسل سفر اور مہمات کے سبب خالدؓ کا لشکر تھکا ماندہ تھا۔ لہٰذا خالدؓ یہ بھی چاہتا تھا کہ اس سلسلہ نامہ و پیام میں چند روز فوج کو دم لینے اور آرام کرنے کے مل جائیں۔ ساتھ ہی خالدؓ کو خفیہ اطلاعات مل چکی تھیں کہ رومیوں اور ایرانیوں میں تفرقہ پڑ گیا ہے۔ اس نے یہ بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ ان فوجوں کے دلوں میں اسلامی لشکر کا بہت خوف بیٹھ چکا ہے اور ایسے سہمے ہوئے دشمن کی بابت اکثر یہ بات کہی جاتی ہے۔

۱۵ ذیقعدہ سنہ ۱۲ھ کے دن دشمنوں نے دریا پار کیا اور مسلمانوں کے سامنے آ کر جم گئے۔ دریا پار کرنے کے بعد رومیوں نے ایرانیوں اور قبائلیوں سے کہا کہ تم سب اپنے اپنے لشکر الگ الگ صف بستہ کریں تاکہ معلوم ہو کہ زیادہ بہادری اور جانثاری کس نے دکھائی ہے۔

خالدؓ نے اپنی فوج کے بدستور سابق مناسب حصے کئے میمنہ و میسرہ مقرر کئے اور سب مگر تین دستے نشیب ارض میں اس طرح پوشیدہ کئے کہ دشمن انہیں دیکھ نہ سکے۔ اور جب میدان جنگ گرم ہو تو دفعتاً یہ دستے نمودار ہو کر حریف کے پہلوؤں اور عقب پر حملہ کر کے ان پوشیدہ گروہوں کو حکم تھا کہ دشمن کو سراسیمہ کر دیں۔ اتحادی فوجوں نے نہایت عجلت میں اور بہت جوش کے ساتھ حملہ کر دیا۔ رومی لشکر سب سے آگے تھا گھمسان کا رن پڑا۔ دیر تک کے بعد تک یہ اتحادی بہت بہادری سے لڑتے رہے۔ اور جیسے ہی سورج ڈھلنا شروع ہوا مسلمانوں کے خفیہ دستوں نے بڑے ناگہانی کی مانند یک بیک نمودار ہو کر سخت حملہ کر دیا۔ اس حملے نے اتحادی صفوں کو درہم برہم کر دیا اور ان پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ خالدؓ یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ جونہی اس نے محفوظ فوج سے ان پر حملہ کر دیا اور سب سے پہلے ایرانی فوج کو گھیر لیا۔ ایرانی

بھاگ اُٹھے۔ ان کے قدم اُکھڑے ہی تھے کہ قبائلی بھاگے پھر توروہیوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ خالدؓ کے ایک دستے نے بڑھ کر دریائے فرات کا پُل توڑ دیا۔ چنانچہ کئی ہزار قتل ہوئے اور ہزاروں دریا میں غرق ہو گئے۔

مسلمانوں کی فوج دس دن تک اِتحادیوں کا تعاقب کرتی رہی۔ خالدؓ دس دن تک فِراض میں ٹھہرے رہے۔ جب دشمن کے تمام دستوں کو ختم کر دیا گیا اور منتشر کر دیا گیا، تو ۲۵ ذیقعدہ ۱۲ھ کو حیرہ کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا۔ لشکر کی سرکردگی عاصم بن عمروؓ کے سپرد کی۔

ساقہ پر شجرہ بن الاعز کو سالار بنایا اور مشہور کیا کہ وہ ساقہ کے ہمراہ جا رہے ہیں۔ لیکن کچھ منتخب شہسواروں کو رفاقت میں لے کر خفیہ طور سے حج کرنے چلے گئے اور بعد تمام حج بیت اللہ واپس آ گئے۔ مگر پرچہ نویسوں نے اس کی اطلاع خلیفۂ اول امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو دی۔ چنانچہ آپ نے خالدؓ سے ناراضگی ظاہر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ "آئندہ خود رائی سے اجتناب کرنا اور احتیاط رکھنا۔"

شام پر فوج کشی

شام کا ملک تو عربستان والوں کے لئے خطۂ جنت نشان تھا، زرخیز، شاداب، اور اس زمانے میں بہت وسیع تھا۔ اس کی بڑی تاریخی شہرت تھی۔ چنانچہ ہر طاقتور بادشاہ چاہتا تھا کہ ارضِ عالم کا یہ ہیرا اس کے تاج کی زینت بنے۔ تجارتی لحاظ سے بھی اسے بہت اہمیت حاصل تھی۔ کیونکہ مشرق اور مغرب کے تجارتی قافلوں کے لئے بمنزلہ پڑاؤ تھا مذہب کے اعتبار سے بھی اسے زبردست اہمیت حاصل تھی۔ اور ابتدا میں یہود و عیسائیوں کی طرح مسلمان بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے تھے رومی شہنشاہ گرمیوں کا موسم اسی خطۂ ارض کے پُرفضا علاقوں میں گزارتے تھے۔ اگر قسطنطنیہ کو روما کا قصر کہا جائے تو شام اس قصر کا باغ تھا۔ شام کے چند اضلاع تھے جن میں فلسطین، دمشق، اردن، اور حمص کو خصوصی اہمیت حاصل تھی۔

فساد

شرحبیل بن عمرو غسانی حدودِ شام میں قیصرِ روم کا نمائندہ، اور بنو غسان کا مقتدر قبیلے کا سردار تھا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیامبر حارث بن عمیر ازدی کو قتل کر دیا تھا اور اسی بنیاد پر جنگِ موتہ لڑی گئی تھی جس میں حضرت خالد بن ولید کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملا تھا۔ غسانیوں کی دسیسہ کاریوں اور شر انگیزیوں کا دائرہ اس قدر وسیع ہو چکا تھا کہ نبی کریم صلعم خود سنہ ۹ھ میں غزوہ کے لئے میدان تبوک میں تشریف لے گئے۔ اور اسی مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی مہم روانہ فرمانا تجویز کیا۔ اسی اثنا میں آپ نے انتقال فرمایا۔ یہ مہم آپ کے وصال کے بعد روانہ کی جا سکی۔ اس شرارت کے سدِّباب کے لئے خلیفۂ اوّل نے دو فوجیں روانہ فرمائیں، پھر مزید دو فوجیں روانہ فرمائیں۔ اس کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔

خلیفہ اوّل نے اس خطبہ کے حمد و ثنا کے بعد اپنے صحابہ سے یوں بیان فرمایا۔
"ایہا المسلمون! اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر وقت آپ کے شاملِ حال رہے۔ اس نے آپ کو اسلام کی بیش بہا نعمت اور امّتِ محمدیؐ کا افضل ترین درجہ عطا فرمایا ہے۔ یہ آپ کا اسلام ہی ہے جس کی نسبت باری تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ آج میں نے تمہارے دین کو کامل بنایا، اور میں نے تم پر اپنی سب نعمتیں عطا کیں، اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا۔"
"مہمّتِ شام جہاد کرنے کا اندازہ آپ لگا سکتے ہیں کہ عہدِ رسالت میں نبی کریم صلعم نے تین بار اہلِ شام سے جہاد کرنے کا اعلان فرمایا تھا۔ اور تیسری بار شام کی جانب لشکر روانہ فرمانے سے پہلے آپ نے وفات پائی۔ میں اپنی طرف سے فیصلہ کر چکا ہوں کہ نبی کریمؐ کے عزم کردہ جہاد کے لئے شام میں لشکر بھیجوں۔ کیونکہ حضور صلعم نے رحلت فرمانے سے پہلے مجھ سے یہ الفاظ کہے تھے۔
"مجھے مشرق و مغرب میں وہ زمین دکھائی گئی ہے۔ جو عنقریب اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری امّت کے قبضہ میں آئے گی۔"
اب آپ حضرات اپنی رائے سے مجھے مطلع کیجئے۔
تمام اصحابِ کبار نے باتفاق کہا ——— اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ جہاں اور جس وقت جانے کا حکم دیں گے ہم بلا تامل تیار ہیں۔ آپ کی رائے سے بالکلیہ متفق ہیں۔

جہاد کا اعلان

چنانچہ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاد کا حکم دیا، اور حسبِ ذیل خط عرب کے رؤسا کو روانہ کئے۔
"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امّا بعد [illegible]
شام میں جہاد کرنے کے واسطے [illegible] کیا ہے [illegible]
[illegible] تمام [illegible] کر کے جہاد کے لئے تیار ہو جائیں [illegible]

روند ڈالا تھا۔ ترکوں، تاتاریوں اور مغلوں کو تم نے پے در پے شکستیں دی تھیں۔ یہ وقت ایسا تھا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی حکومتیں تمہارے ملک و سلطنت کی جانب آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتی تھیں۔ لیکن اب عربستان کے کمزور اور بھوکے عرب تمہارے ملک پر حملہ آور ہیں اور تمہارے ملک کے کئی لشکروں کو شکست دے کر ان مسلمانوں نے مفتوحہ علاقے کے لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کر لیا ہے۔"

لہٰذا ان قیصرِ روم نے پادریوں اور مسیحی علماء سے خطاب کیا "یہ سب کچھ تمہاری اس وجہ سے وقوع میں آیا کہ ہم اپنے عقائد مذہبی سے نابلد ہیں اور اسی لئے گمراہ ہو کر عیش طلبی اور آرام پسندی کے خوگر ہو چکے ہیں۔ ظلم اور زناکاری جیسے افعالِ ذمیمہ ہماری سرشت میں داخل ہو چکے ہیں اور ہمارے مذہبی رہنماؤں نے اپنے فرائض کی ادائیگی اور لوگوں کو مذہب عیسوی کے اعمال و ارکان سمجھانے سے گریز کیا ہے ورنہ ناممکن تھا کہ ہمارے پیروِ دین کو خیر باد کہہ کر لوگ مسلمان ہو جاتے۔"

اس طرح قیصرِ روم شہنشاہ ہرقل نے ہر درجے کے لوگوں کو غیرت دلائی جوش پیدا کیا، آمادۂ جنگ کیا۔ وہ بہت زیرک اور چالاک سیاست دان تھا۔ اسے حربے کی طاقت اور اس کا استعمال خوب جانتا تھا۔

جب وہ غاصبانہ حکمتِ عملی کی بدولت سربراہِ سلطنت ہو گیا تو اس نے اپنی تمام تر توجہ صرف عسکری تنظیم و تیاری پر مرکوز کر دی تھی۔ کیونکہ پرانی حکومت کے رؤسا و امرا بالخصوص سرزمینِ شام کے قسیس وغیرہ اس کی تخت نشینی کے مخالف تھے چنانچہ اس نے ان سب کو ایرانیوں کے ہاتھوں برباد ہونے دیا۔ اور باغی فوج کے عناصر کو تباہ ہونے دیا۔ یہاں تک کہ ایرانی وغیرہ دارالامارۂ روم پہنچ گئے۔ اور جب اس کی فوجی تیاری مکمل ہو چکی تو اس نے میدان کو اپنایا۔ اور چند روز میں ترکوں، مغلوں اور ایرانیوں کو برباد کر دیا۔ اس کے ساتھ داخلی شورش کا بھی قلع قمع کیا۔ لہٰذا اس وقت بھی وہ خود تو مسلمانوں کے خلاف فوجی تیاریوں میں مصروف ہو گیا اور یہ کہہ کر "لوہا لوہے کو کاٹتا ہے" عربی النسل یہود و نصرانیوں

کو مسلمانوں سے لڑا دیا۔

کیا ہرقل مسلمانوں کے مقابلے میں اپنے دفاعی منصوبوں میں کامیاب رہا؟ صفحات آئندہ اس سوال کا جواب دیں گے۔

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ بھی غافل نہ تھے۔ وہ اپنے فرامین، خطوط، اور تقریروں سے مسلمانوں کو بتاتے رہتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر "جہاد" فرض کیا ہے۔ اور جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ فرائض دین ہیں اسی طرح "جہاد" بھی دین کا خاص رکن ہے۔ آپ مسلمانوں کو ہدایت فرماتے رہتے کہ "اپنی نیتوں کو پاک اور صاف رکھیں، اور خالصتاً لوجہ اللہ جہاد میں شرکت کر کے اجر دارین حاصل کریں۔ فتح اگر نصیب ہوئی تو فہوالمراد، اور اگر شہادت نصیب ہوئی تو درجات علیا پر فائز ہو گے خداوند تعالیٰ تم سے راضی ہوگا۔"

آپ کے علاوہ تمام صحابہ کرامؓ نے بھی تبلیغ جہاد فرمانا شروع کیا۔ نتیجتاً ہر علاقہ اور طرف ملک سے مجاہدین اسلام سر سے کفن باندھ کر جوق در جوق مدینہ میں وارد ہونے لگے۔ اور انہیں خلیفہ اسلام لشکروں کی صورت میں ترتیب دے کر بطور کمک روانہ کرنے لگے۔

روم کا دفاعی منصوبہ

روم کا سیاسی نظریہ ایرانیوں سے مختلف نہیں تھا۔ وہ بھی عربوں کو اپنے ملک سے صاف کر دینا چاہتے تھے۔ اور اپنے ہاں صرف ان کی جگہ تصور کرتے تھے جن کی زبان، جن کا مذہب، جن کی قومیت رومی ہو۔ انہیں بھی عربوں سے ہمیشہ فساد کا خدشہ رہتا تھا۔ شام کے عربی باشندے ہرقل کے جدید مذہب کے مخالف تھے۔ یہ جدید عیسائی مذہب صرف روم کے باشندوں اور ان کے علما و احبار کے مشورے سے تیار کیا گیا تھا۔ اس لئے ہرقل کا دفاعی منصوبہ یہ تھا کہ بنو غسانی ودیگر عربی نسل مسیحیوں کو مسلمانوں سے لڑا کر مٹ جانے دیا جائے اور مختلف اہم مقامات پر رومی لشکر تیار کر کے انہیں منظم کیا جائے۔ مسلمانوں کی جماعت کو کہیں محاذ

پس تم اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وہاں پہنچ جاؤ۔ ابوعبیدہؓ اور ان کی زیر کمان لشکر بھی تمہارے تحت ہوں گے تم اپنی فوج کا نصف حصّہ اپنے ہمراہ لے جاؤ اور اپنی روانگی کی اطلاع مجھے دو۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ

خالدؓ کو یہ حکم نامہ اُس وقت پہنچا جبکہ آپ حکومتِ ایران کے دل یعنی اس کے دارالحکومت کی طرف بڑھ کر اسے نیم مردہ کر کے ایران کو ختم کر دینے کی فکر میں تھے۔ آپ مدائن فتح کرنے کے لئے پیش قدمی کرنے ہی والے تھے لیکن فرمانِ خلافت ملتے ہی فی الفور عین التمر واپس آ گئے اور فوراً ابوعبیدہ بن جراحؓ کو بدیں مضمون مکتوب روانہ کیا۔

"خلیفہ رسول اللہ نے مجھے ملک شام میں تمام افواج اسلامیہ کا سپہ سالار مقرر فرمایا ہے آپ سب سالاروں کو اطلاع دے دیں کہ جب تک میں وہاں نہ پہنچ جاؤں سب اپنی اپنی جگہ مقیم رہیں۔ والسلام۔ خالد"

خالدؓ کو حضرت ابوبکرؓ کے قاصد نے بتا دیا تھا کہ روما کی فوجیں فلاں فلاں مقام پر متعین ہیں۔

۱۔ یزید بن ابی سفیانؓ رومی جرنیل جرجہ بن توذر کے مقابل تھے۔ یہاں رومی لشکر چالیس ہزار کی تعداد میں تھا۔

۲۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کے مقابلے پر رومی جرنیل فیقار بن نسطوس کے تحت ساٹھ ہزار لشکر تھا۔

۳۔ شرجیل بن حسنہؓ کے مقابلے میں جرنیل مراقس کے تحت پچاس ہزار کا لشکر تھا

۴۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کے مقابلے میں جنرل بذارق کی زیرِ کمان نوّے ہزار فوج تھی۔

۵۔ قیصر ہرقل کے پاس محفوظ فوج تھی جس میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا، ہرقل نے حمص کو اپنا مستقر بنایا تاکہ ہر طرف امدادی فوجیں بھیجی جا سکیں۔ اس کا میدانِ جنگ سے اس قدر قریب اپنا مستقر بنانا ظاہر کرتا ہے کہ اس کے نزدیک علاقہ شام کی کتنی قدر و قیمت تھی۔ شام کے ہاتھ سے نکل جانے سے

مصر و شمالی افریقہ کے مقبوضات خطرے میں پڑ جاتے تھے۔ اور بحری راستوں
کے مسدود ہو جانے سے کوئی سلسلہ آمد و رفت نہ رہ جاتا تھا۔ علاوہ ازیں ہر وقت رسد اور کمک
بھیجنا بھی دشوار بلکہ محال ہوتا۔ اس کے علاوہ شام مذاہب کا گہوارہ تھا عیسائیوں
اور یہودیوں کا دینی مرکز تھا اس کے ہاتھ سے نکل جانے سے روما الکبریٰ کی
عظمت کو بھی شدید دھکا لگنے کا اندیشہ تھا۔

ہرقل خود ایک کٹر و متعصب عیسائی تھا۔ اس نے ہر ممکن کوشش کر کے اسلامیہ کے مقابلے
کے لئے آٹھ لاکھ فوج بھیجی اور منتشر سپاہ نے قلیل عرصے میں جمع ہو کر بہت عظیم الشان لشکر کیا۔
سپہ سالاروں میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے شام کے خطرے کا
صحیح اندازہ کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اول کو اس خطرے سے آگاہ کر کے کمک
کی درخواست کی۔ آپ نے امرائے لشکر کو یہ بھی لکھا کہ اگر تم الگ الگ لڑیں گے تو
کامیابی مشکل ہوگی۔ اور اگر تم متفق ہو گئے تو تمہیں مغلوب کرنا دشمن کے لئے مشکل ہوگا۔
خلیفہ اول نے ان اسباب پر خوب غور فرما کر حضرت خالد بن الولید کو اس لشکر
کی کمان سپرد کرنے کا فیصلہ کیا۔

خالدؓ کا سفرِ شام

خالدؓ کا سفرِ شام تاریخِ دفاع میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ ۱۹۲۶ء کی عالمگیر جنگ میں برطانوی فوج کے ایک افسر گلب پاشا (جنرل گلب) نے جب اس سفر کو موٹر گاڑیوں، ٹینکوں اور ہوائی جہازوں کی مدد سے طے کیا تو مغربی دنیا میں شور مچ گیا تھا کہ صرف خالدؓ بن ولید نے اس سفر کو طے نہیں کیا تھا بلکہ برطانوی فوج بھی اس سفر کو پورا کرنے میں کامیاب ثابت ہوئی ہے۔ بہرحال اس سفر کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہ ایک سفر طے کرنے کے بعد گلب پاشا کرنیل سے جنرل بنا دیئے گئے۔ بنظر انصاف دیکھا جائے تو موٹروں کا یہ سفر بحر ہوائی جہازوں کی رہنمائی میں کیا گیا۔ خالدؓ کے سفر سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتا۔ اُس زمانے میں وسائل آمد و رفت کی یہ سہولتیں کہاں تھیں جو آج میسر ہیں۔

سوال کیا جا سکتا ہے کہ خالدؓ نے یہ مشکل ترین اور مشکلات سے پُر سفر کیوں اختیار کیا جبکہ آسان اور بے خطر راستہ موجود تھا؟ دراصل خالدؓ کو اپنے جاسوسوں سے معلوم ہو چکا تھا کہ ہرقل قیصر روم کو اپنے جاسوسوں اور شام کے ان تاجروں کے ذریعہ جو غلہ لے کر مدینہ آتے تھے یہ علم ہو چکا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ شام میں لشکر کشی کے لئے سرگرمِ عمل ہیں۔ اور تازہ دم فوجیں بھی روانہ فرما رہے ہیں۔ جس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی اپنے جاسوسوں کے ذریعہ ہرقل کی تیاریوں کا علم ہو چکا تھا۔ اُدھر خالدؓ کو ہرقل کی سرگرمیوں اور اس کی فوجوں کی نقل و حرکت کی جو اطلاعات موصول ہوتی تھیں ان سے خالدؓ نے قیصر کے دفاعی منصوبوں کو بخوبی سمجھ لیا تھا۔ لہٰذا خالدؓ نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ جلد از جلد محاذِ جنگ پر پہنچ جائیں تاکہ انہیں دشمن کی دفاعی چالوں کو مات دینے کے لئے بخوبی وقت اور موقع مل سکے

ان کے علاوہ خالدؓ کو یہ قیاس بھی تھا کہ رومی دمشق اور بیت المقدس پر تین طرف سے فوج کشی کرنے کی فکر میں ہے۔ اور اس کے پاس منظم فوج جو کافی تعداد میں ہے جسے روزانہ نئی بھرتی سے مزید امداد مل رہی ہے۔

یہ چھوٹا راستہ تو نہایت دشوار گزار تھا، اور عام طور پر یقین کیا جاتا تھا کہ صرف پانچ چند افراد کا کوئی خوش قسمت قافلہ، وہ بھی حسب دلخواہ موسم اور اچھے حالات میں عافیت کے ساتھ اس راستے کو طے کر سکتا ہے۔ مگر ایک لشکر کا اس بے آب و گیاہ صحرا کو عبور کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

یہ اصول دفاع تمام دنیا میں یکساں طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ صرف وہی جرنیل دشمن پر کامیابی اور کامرانی حاصل کرتا ہے۔ جو کارہائے نمایاں کر گزرتا ہے۔ کیونکہ دشمن مافوق الفطرت غیر متوقع اور فوری نقل و حرکت سے متاثر ہو کر احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اس دشوار گزار راستے سے خالدؓ کو امید تھی کہ وہ دو ہفتوں میں دمشق پہنچ سکیں گے جبکہ عام شاہراہوں اور عام راستے سے انہیں پہنچنے کے لیے دو ماہ کا عرصہ درکار ہوتا۔ مزید براں اگر حریف کو معلوم ہو جاتا تو وہ اثنائے راہ ہی میں خالدؓ کی مزاحمت کرتا اور اس طرح یہ مختصر دو ماہ بلکہ کئی ماہ تک بڑھ جاتے۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ یہ راستہ بالا دستی سے خالدؓ حریف کے اس چوتھے پہلو کو گھیرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ جسے ناقابل عبور تصور کرکے حریف نے بے توجہی سے کسی بڑے محفوظ لشکر کے بغیر کھلا چھوڑ رکھا تھا۔ اس علاقے کے قبضے میں آجانے سے شکست کی صورت میں بھی اسلامی لشکر کا عقب محفوظ ہو جاتا تھا۔ اور فتح و پیش قدمی کی صورت میں رومیوں کا لشکر اسلامی لشکر پر اس طرف سے حملہ آور نہیں ہو سکتا تھا۔ خالدؓ کو یہ بھی امید تھی کہ اگر اس علاقے کے باشندے اسلامی لشکر کے مددگار و معاون نہ بھی بن سکے تاہم انہیں غیر جانبدار رکھنے میں ضرور کامیابی ہو گی۔

جنرل [illegible] کے نزدیک لشکر کا مقصد سفر بھی جلد تر عراق کے خلاف فوج کشی تھا

کیونکہ عراقی حکومت نے جرمنی کا ساتھ دیا تھا، لہٰذا دونوں سفروں کے مقاصد یکساں تھے۔ اگرچہ سمتیں مختلف تھیں۔

خوش قسمتی سے خالدؓ کے ہمراہیوں میں حضرت رافع بن عمرہ الطائی تھے جنھوں نے بچپن میں اس راستے سے سفر کیا تھا۔ انھوں نے خالدؓ کو اس راستے کی دشواریوں سے آگاہ کر کے جانے سے روکا۔ لیکن خالدؓ نے حضرت رافع کے نصائح بغور سننے کے بعد راستے کی صعوبات اور دشواریوں سے عہدہ برآ ہونے کا پوری طرح بندوبست کرلیا تھا، اس واسطے ان کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کوچ کا حکم دے دیا۔

۱۔ خالدؓ نے اونٹوں کی بہت بڑی تعداد کو کئی دن تک پیاسا رکھا۔ پھر اس سفر پر روانہ ہونے سے قبل تمام کے تمام پیاسے اونٹوں کو کھانے کو کم دیا گیا۔ پانی کئی بار پلایا۔ اور ان کے ہونٹ سی دیئے تاکہ وہ جگالی نہ کرنے پائیں اور ان کی دمیں کھول دیں تاکہ وہ پیٹ کی ریح خارج نہ کرسکیں۔ کئی فالتو اونٹوں پر بڑے مشکیزوں میں پانی لادا گیا تاکہ بوقتِ ضرورت کام میں لایا جا سکے۔

۲۔ ہر اونٹ کے پیچھے رسالے والوں کے سوار کر دیئے تاکہ گھوڑے آہستہ آہستہ چلیں اور تکان کم ہونے کے باعث انہیں کم بھوک پیاس محسوس ہو۔

۳۔ تمام سواروں کو حکم دیا کہ اپنی ضروریات کے لئے زیادہ سے زیادہ پانی لا دیں۔ تمام وزنی اور غیر ضروری اسباب یا تو مدینہ روانہ کر دیا یا ناوال راستے سے سمت دمشق بھجوایا۔

۴۔ سفر کا پہلا دن ختم ہونے پر خالدؓ نے چند اونٹ ذبح کر دیئے اور اُن کے معدوں سے پانی نکال کر دوسرے جانوروں کو پلایا اور انسانوں نے اپنے اپنے مشکیزوں سے پانی پیا۔

مذکورہ تدبیر پر ہر روز عمل کیا گیا۔ پانچویں دن سفر کے خاتمے پر تمام مجاہدین بوجہ قلتِ آب اور صعوبتِ سفر سے نڈھال ہو گئے۔ لیکن اسی روز حضرت رافع الطائی اُس چشمے کو دریافت کرنے میں کامیاب ہو گئے جو بیری کے درخت کے نیچے تھا۔

مضمون بعد حمد و نعت کے یہ تھا کہ عراق کا سفر کیسے طے ہوا، ہرمز، مدار، [illegible] اور
بصرہ کی لڑائیوں کے حالات، فتح کی نوید، اللہ تعالیٰ کا شکر، دمشق کی طرف
بڑھنے کی اطلاع اور دیر پر (جسے آگے چل کر دیر خالدؓ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے)
پہنچکر ابو عبیدہؓ کا انتظار کرنے کی خبر اور نیز یہ کہ انہیں اس جگہ آنے کے لئے لکھ دیا
آخر میں لکھا کہ عمرو بن عاص کے بھی یہاں آن کر مل جانے کی ضرورت ہوگی۔

۲۔ دوسرا خط حضرت ابو عبیدہؓ کو روانہ کیا جس میں بعد حمد و نعت۔ حوالی فتوحات
درج کئے، اور لکھا کہ آپ اور کل لشکر دیر میں آکر شریک ہوں۔ قصبہ دیر دمشق کے
قریب میں واقع تھا۔ یہاں عیسائیوں کے گرجا تھے۔ بصرہ سے روانہ ہوکر ثنیہ
جسے خالدؓ کے نشان سے موسوم کرتے ہوئے بعد ازاں ثنیۃ العقاب کہا جاتا تھا
وہاں سے غوطہ ہوتے ہوئے یہاں پڑاؤ کیا۔

رومیوں کی تیاری

ہرقل کو اسلامی لشکر کی نقل و حرکت کی خبریں برابر مل رہی تھیں۔ اس سے یہ یقین
ہوگیا تھا کہ خالدؓ کو ملک شام پہنچنے کا مطلب صرف ایک ہی ہو سکتا ہے کہ مسلمان
اب یہاں حملہ آور کی حیثیت اختیار کریں۔ چنانچہ اُس نے قلوس بن حنا کو دمشق کی
فوج کے لئے بطور کمک روانہ کیا اور اسے اس محاذ کا سپہ سالار بھی بنا دیا۔ پھر حمص
جوسیہ، اور بعلبک کے سرداروں کو ہدایات روانہ کیں کہ وہ بوقت ضرورت قلوس
کی امداد کے لئے فوج، رسد، اسلحہ دیں۔ اثنائے راہ میں جابجا قلوس کی کمک
ملتی۔ وہ لشکر کو بڑھاتا چلا گیا۔ روانگی کے وقت اس کے ہمراہ صرف پانچ ہزار پیادہ
شہسوار تھے۔ مگر یہاں پہنچ کر اس کے لشکر کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی۔

ہرقل نے قلوس کو دمشق کی دفاعی اہمیت بخوبی ذہن نشین کرا دی اور بتا دیا
تھا کہ اگر دمشق ہاتھ سے نکل گیا تو شام کو خدا حافظ کہنا پڑے گا۔

دمشق ملک شام کی جنت کہلاتا تھا۔ تجارتی اعتبار سے بھی اس کو بڑی اہمیت
حاصل تھی اور مذہبی معابد و چرچ بھی یہاں بکثرت تھے۔

لیکن ہرقل نے یہ نہ سوچا کہ اقلوص کی نامزدگی اور اعزاز بخشی دمشق کے بطریق اور گورنر عزرائیل کو بہت ناگوار گزرے گی۔ بہر کیف جب اقلوص دمشق پہنچا تو اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ مگر اقلوص نے عزرائیل کے تیور پہچان کر اپنے سرداروں سے ساز باز شروع کردی کہ کسی طرح عزرائیل کو یہاں سے نکال باہر کیا جائے۔ مگر بعد میں باہمی تصفیہ ہو گیا کہ دونوں باری باری سے عرب کے سپہ سالار خالدؓ سے دست بدست لڑیں اور جس کی زیرِ کمان مسلمانوں کو شکست ہو وہ دمشق کا واحد بطریق اور گورنر قرار پائے۔

رومیوں کی فوج دمشق سے باہر نکل کر مسلمانوں کے بالمقابل خیمہ زن ہوئی۔ اقلوص اور عزرائیل میں قرعہ اندازی ہوئی نتیجے میں پہلے اقلوص کو میدان میں نکل کر خالدؓ کو دعوتِ جنگ دینی پڑی۔ اقلوص نے ہر چند حیلہ سازی کی کہ اس دن لڑائی ملتوی ہو جائے تاکہ دوسرے دن عزرائیل کو مقابلے کے واسطے جانا پڑے۔ مگر خالدؓ سمجھ گئے کہ دشمن کی ہمت جواب دے چکی ہے اور وہ لیت و لعل کر رہا ہے۔ اقلوص نے مجبوراً لڑائی شروع کی اور عرصے تک وہ قابلیت سے لڑتا رہا۔ آخرکار خالدؓ نے اُسے زخمی کرکے گرفتار کر لیا۔ بحالتِ قید اس نے از رہِ عناد خالدؓ کو اپنا اور عزرائیل کا جھگڑا اور ہرقل کی ہدایت بتا دی۔

دوسرے دن عزرائیل بحالتِ مجبوری خالدؓ سے دست بدست لڑنے کے واسطے نکلا۔ بحالتِ مجبوری اس لئے کہ اس نے دست بدست جنگ سے گریز کرنے کے لئے ہر چند ہاتھ پاؤں مارے مگر اقلوص کی تدبیروں کے آگے کچھ پیش نہ گئی۔ عزرائیل بھی خالدؓ کے ہاتھ سے مجروح ہو کر گرفتار ہوا۔ عزرائیل کو چھڑانے کے لئے انھوں نے اسلامی لشکر پر حملہ کر دیا۔ عین اس وقت ابو عبیدہؓ ایک لشکر کے ساتھ نمودار ہوئے رومی اس اسلامی لشکر کو دیکھ کر ہمت چھوڑ گئے اور بھاگ کر قلعہ بند ہو گئے۔

جونہی خالدؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کو دیکھا تو تعظیماً گھوڑے سے اُترنے لگے۔ آپ نے خالدؓ کو قسم دے کر منع کیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ کا احترام اس وجہ سے بھی ہوتا تھا کہ آپ نبی کریم صلعم عزت کی نظر سے دیکھتے تھے اور "امین الملت" کا خطاب

عطا فرمایا تھا۔

ابوعبیدہؓ نے فرمایا مجھے خلیفۂ رسول اللہ کا فرمان پہنچ گیا ہے بڑی مسرت ہوئی ہے
کہ امیرالمومنین نے آپ کو سپہ سالار مقرر فرمایا ہے کیونکہ میری نظر میں آپ اسی منصب کے
مستحق ہیں۔ عرب قبائل پر اور پھر فارس پر جو فتح نمایاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشی ہے،
ہم سب انہیں احترام اور مسرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

خالدؓ نے ابوعبیدہؓ کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں کوئی کام آپ کی صلاح و مشورے
کے بغیر ہرگز نہیں کروں گا۔ بخدا اگر خلیفۂ رسولؐ کا حکم نہ ہوتا تو میں آپ کی نسبت صحابیؓ کے
بالمقابل سرداری قبول کرنے کی جرأت ہرگز نہ کرتا۔

اس مختصر اور پُرخلوص ملاقات کے بعد دونوں باہم بغل گیر ہوئے۔ جدید رومی لشکر کا
سردار کلوما مقرر ہوا جو شاہ ہرقل کا داماد تھا۔ اسے ہرقل نے ایک لشکر جرار دے کر دمشق
بھیجا تھا۔ خالدؓ نے اس رومی لشکر پر اچانک حملہ کر دیا۔ اس ناگہانی حملے کے لئے رومی
تیار نہیں تھے۔ تاہم وہ مسلسل کئی گھنٹے لڑتے رہے اور پھر مسلسل لڑائی اور ضرب کی
تیزی سے گھبرا گئے۔ ان کے دل میں اسلامی لشکر کی پے در پے فتوحات کا خوف سمایا ہوا
تھا۔ اس لئے میدان چھوڑ کر قلعہ بند ہو گئے۔ ان کی بڑی تعداد بچ گئے ہوئے مسلمان مجاہدین
کے ہاتھوں قتل ہوئی۔

خالدؓ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ طولیٰ نے اقلاص اور عزرائیل کے زخمی، گرفتار اور
قتل کئے جانے، پھر اپنی شکست اور قلعہ بند ہونے کی مفصل رپورٹ قیصر روم شہنشاہ
ہرقل کو روانہ کی۔ ہرقل نے اپنے اعیان و ارکان کو جمع کر کے باواز بلند یہ رپورٹ پڑھ کر
سنائی اور انہیں غیرت دلانے کے واسطے کہا کہ اگر تم نے ہمت ہار دی سب ڈر گئے تو بہتر ہے کہ
ہم ابھی سے شام کو خیرباد کہہ کر اپنی بقیہ سلطنت کی مدافعت اور حفاظت میں لگ جائیں
اور اس خطرے سے باقی سلطنت بچا لیں۔

نیا دفاعی منصوبہ

ہرقل اپنی باتوں میں بہت ماہر تھا۔ اس نے ایک بار پھر ارکان دولت سے پوچھا

کی بازی ہی نہ دینے کا اقرار کیا۔ پھر ولی عہد نے جرنل وردان کو جس نے ایرانیوں اور ترکوں
کی مہمات میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے، دمشق کی جانب سپہ سالار بنا کر بھیجا
اور اسے اپنے ذہن کے دفاعی منصوبے سے مطلع کیا۔

میں تمہاری پشت پناہ ہوں۔ تمہاری مدد کروں گا۔ تم حسب بعلبک پہنچو تو
فوجیں جنادین کے قریب جمع ہیں انہیں ایسا حکم دینا کہ وہ ارض بقا اور جبال سودا
کے علاقے میں مناسب مقامات پر مورچے لگائیں۔ اور اس طرح پھیل جائیں کہ عمرو بن عاصؓ کا
لشکر خالدؓ کے لشکر سے ملنے نہ پائے۔ یہ انتظام کر کے تم خالدؓ کے لشکر کا خاتمہ کر دو
اور اجنادین کے لشکر عمرو بن عاص کے لشکر کو منتشر کر کے فنا کر دیں۔ یہ کام پورا ہو چکنے
کے بعد حجاز تک کا علاقہ صاف کر دو۔

ہرقل وردان کو رخصت کرنے شہر کے آہنی پل تک آیا۔ اور وعدہ کیا کہ اگر تم نے
عربوں سے وہ تمام علاقہ جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔ واپس چھین لیا تو یہ علاقہ تم کو
جاگیر میں دے دوں گا!"

وردان۔ انطاکیہ سے مسرت ہوتا ہوا حمص پہنچا۔ یہاں اجنادین کے لشکر کے
سالاروں کو اکٹھا کیا اور ذیل کے دفاعی منصوبے پر عمل کرنے کا حکم دیا۔

"تمہاری فوجیں اجنادین کی گھاٹیوں پر اس طرح قبضہ کریں کہ عمرو بن عاص کا لشکر
ان کے درمیان سے نہ گزر سکے اور اس کی فوج خالدؓ کی فوجوں سے نہ ملنے پائے۔
میں خود خالدؓ کے لشکر پر اچانک چھاپہ ماروں گا۔

اس منصوبے پر عمل کرنے کی غرض سے وردان نے رات دن ایک کر کے دمشق
کی سمت کوچ کیا۔ سمیہ اور وادی لیات کی کوہستانی گزرگاہوں سے سفر کیا تاکہ
اس کی نقل و حرکت صیغہ راز رہے۔ لیکن اس نے یہ غلطی ضرور کی کہ اپنی پیش قدمی
کی خبر اہل دمشق کو دے دی تاکہ ان کی ڈھارس بندھی رہے۔

لشکر اسلام کے جاسوسوں نے وردان کے آنے کی اطلاع خالدؓ کو دے دی
تھی۔ اہل دمشق سے بھی اس کی تائید ہوئی۔ علاوہ بر آں خالدؓ کے پاس فلسطین سے نامی

ابن مرہ خبر لائے کہ اجنادین میں رومی افواج جمع ہو رہی ہیں اور قلعہ بندی کی جا رہی ہے۔
خالدؓ نے اس کا مطلب صاف طور سے یہ سمجھ لیا کہ رومی ہمیں درمیان میں لاکر پھر اس پر
تین طرف سے حملہ کرکے گھیرنا اور ختم کرنا چاہتے ہیں۔

خالدؓ اور وردان

خالدؓ نے ضرار بن ازور کو وردان کے لشکر کی تعداد اور طاقت کی خبر لانے کے لئے
بھیجا اور حکم دیا کہ اگر تم اپنے میں مقابلے کی طاقت دیکھو تو وہیں ڈٹ کر مقابلہ کرو اور وردان
کو وہیں روک دو تاکہ وہ آگے بڑھنے نہ پائے، اور مجھے فوراً خبر بھیجو تاکہ میں تمہاری
مدد کو پہنچ جاؤں۔ لیکن اگر دشمن کی طاقت زیادہ دیکھنا تو فوراً لوٹ آنا۔ تمہارے ہمراہ
پانچ سو شہسوار ہوں گے۔ پھر یہ نصیحت کی کہ "دیدہ دانستہ ہلاکت میں نہ پڑنا۔"

ضرار تیزی سے وادی الحبات کی طرف بڑھے اور دشمن کی تعداد معلوم کرنے کے
لئے بیت الحیا کے قریب پوشیدہ ہو گئے۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ دشمن بڑی تعداد میں ہے
اس لئے ضرار نے واپس جانے کا ارادہ کیا۔ مگر اپنے ساتھیوں سے جن میں رافع بن عمیرہ
طائیؓ بھی تھے جب مشورہ کیا تو ان کا جواب اس آیت قرآنی کی صورت میں تھا کہ: (
كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ) - (اور اللہ کے حکم
سے قلیل جماعت کثیر جماعت پر غالب آ گئی۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) چنانچہ
ضرار اور دیگر مجاہدین نے ان آیات قرآنی پر عمل کرنے کا تہیہ کر لیا۔ متفقہ طور پر پوشیدہ ہو کر
جونہی دشمن ان کی زد میں آ جائے، اس پر اچانک حملہ کر دیا جائے، اور ان کے سالار کو
تو ختم ہی کر دیا جائے۔ مجاہدین نے بہت سخت حملہ کیا اور ضرار لڑتے لڑتے وردان تک
پہنچ گئے۔ اس کے حملے میں جو سوار نصیب سامنے آتے تھے اسے وہیں قتل کر دیا۔
وردان کے بیٹے حمران نے باپ کو بچانے کے لئے ضرارؓ پر تیر سے حملہ کیا جو ان کے بائیں
بازو پر لگا۔ اس کے جواب میں ضرارؓ نے حمدان کو نیزے سے زخمی کر دیا۔ نیزہ حمران کے
جسم میں اتنا گہرا گھس گیا تھا کہ وہ اسے نکال نہ سکے۔ اب غیر مسلح اور زخمی ہونے
کے باعث رومیوں نے ضرارؓ کو گرفتار کر لیا۔ خالدؓ بے خبر نہیں تھے انہیں لحظہ لحظہ

کی خبریں مل رہی تھیں۔ جب وردان کے بارہ ہزار لشکر اور ضرار کے مجروح ہونے اور
قید ہونے کی خبریں ملیں تو آپ نے اپنے حصے کی محاصرہ کرنے والی فوج سے ایک ہزار
جوان باب شرقی پر ہبیرہ بن مسروق کے زیرکمان چھوڑے اور انہیں حکم دیا کہ کسی حالت
میں بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ خدا پر بھروسہ رکھنا۔ اسی سے مدد مانگنا۔" اور باقی فوج
لے کر خود اجنادین کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور روانگی سے پہلے ابوعبیدہؓ کو تمام حالات سے
باخبر کر دیا۔

رافع بن عمیرہ طائیؓ نہایت جاں نثاری اور مردانگی سے وردان کی فوج کو روکے ہوئے
تھا جس کے سبب وردان پیش قدمی کرنے سے باز تھا۔ خالدؓ کی فوج نے جب
وردان پر حملہ کیا تو پہلے پہل رومی دلیری سے لڑے مگر پھر ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔
خالدؓ نے بہت کوشش کی کہ وہ وردان کے پاس پہنچ جائیں مگر وہ جان بچا کر بھاگ گیا۔

خالدؓ کی نظر ایک مجاہد پر پڑی جو کمال دلیری سے شیر کی مانند بار بار دشمن پر
حملہ آور ہو رہا تھا۔ دشمن کی شکست کے بعد خالدؓ نے اس جوان کو بلا بھیجا تو اس نے
اپنے چہرہ پر نقاب ڈال لی جب باصرار دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ضرار بن ازور
کی بہن تھیں۔ جو اپنے بھائی کو قید سے چھڑانے کے لئے اور دشمن سے بدلہ لینے کی غرض
سے بار بار حملہ کر رہی تھیں۔ خالدؓ نے ان کی بہادری اور اولوالعزمی کی بہت داد دی
اور تسلی دی کہ "صبر سے کام لیں۔ رافع ضرار کو چھڑانے کے واسطے جا رہے ہیں اور
ضرار صحیح و سلامت ہیں۔"

رافع بن عمیرہؓ اس علاقے کی پہاڑیوں، راستوں اور گھاٹیوں سے خوب واقف تھے
چنانچہ وہ شہر سے دور مگر نزدیک کے رستے سے وہ بسرعت بڑھے تاکہ ضرار کو چھڑا سکیں۔
جب وردان نے ایک دستے کی نگرانی میں حمص کی جانب روانہ کر دیا تھا تاکہ ہرقل
اس خوش قسمت قیدی کو دیکھ کر وردان کی کارگزاری سے خوش ہو۔ یہ دستہ سو آدمیوں کا تھا
اور گھوڑوں پر سوار تھا۔ رافعؓ اس دستہ کے آنے سے قبل ہی ایک پہاڑی درے
میں پوشیدہ ہو گئے۔ جونہی رومی سپاہی اپنے قیدی ضرار کو لے کر اس جگہ سے گزرنے

گئے مسلمانوں نے ان پر حملہ کر کے سب کو تہ تیغ کر دیا۔ درنغرار کو چھڑا لے گئے۔ اب خالدؓ بیت المیاہ سے دبر کو واپس لوٹے اور حضرت ابوعبیدہؓ سے آ ملے

بصرہ سے شرجیلؓ بن حسنہ نے عباد بن سعید کو یہ خبر دے کر بھیجا کہ اجنادین کے قریب وادیٔ یرموک میں رومیوں کا نوے ہزار لشکر جمع ہے۔ علاوہ ازیں تمام بلاد گاہوں وا اہم دفاعی مراکز سے رومیوں کی فوجیں اُمڈتی چلی آ رہی ہیں نیز ہرقل نے دمشق کی سمت مزید افواج روانہ کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ حضرت خالدؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوعبیدہؓ کا خیال تھا کہ دمشق چونکہ فتح ہی ہونے والا ہے اور وہ اس پکے ہوئے پھل کی مانند ہے۔۔ جو ذرا سے اشارے کا منتظر ہوتا ہے۔ وہ فوراً باغبان کی جھولی میں آ گرتا ہے۔ اسے فتح کرنے کے بعد ہم اجنادین کے خطرات کو مٹانے کے لئے عمرو بن عاصؓ کی مدد کو چلیں گے۔ لیکن خالدؓ نے جب اپنا دفاعی منصوبہ انہیں سمجھایا تو حضرت ابوعبیدہؓ مان گئے اور فرمایا کہ "اے ابا سلیمان! تمہاری رائے بہت صائب ہے۔ بے شک ہمیں جلد تر اجنادین پہنچ کر دشمنانِ اسلام رومیوں کو تباہ کر دینا چاہیئے۔"

چنانچہ طے پایا کہ شرجیلؓ بن حسنہ بصرہ سے، معاذ بن جبل حوران سے، یزید بن ابی سفیان بلقا سے، نعمان بن مغیرہ تدمر سے، عمرو بن عاص فلسطین سے اجنادین میں جمع ہوں اور اسی طرح اجنادین میں رومیوں پر متفقہ طور پر حملہ کیا جائے۔ [illegible] سب لشکر اپنے کوچ، سفر، روانگی کی جگہ، راہ و رستہ، [illegible] مختلف [illegible] کے خطوط روانہ کر دیئے گئے۔ تمام خطوط کا مضمون یکساں تھا [illegible]۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بعد حمد و نعت معلوم ہو کہ اجنادین کے قریب رومیوں کا نوے ہزار لشکر جمع ہو گیا ہے۔ لہٰذا تم سب برادران اسلام اجنادین کی طرف [illegible] ہیں ان خطوط کے ملتے ہی تم بھی معہ اپنے تمام ساتھیوں کے جس قدر جلد اجنادین پہنچنے کی کوشش کرو۔ ہم تمہیں انشاءاللہ وہاں ملیں گے۔ رومیوں کا ارادہ ہے کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں کو پورا نہیں کرے گا۔ چاہے کافر کتنا ہی

پڑا کیوں نہ گئے۔ جمیع مسلمانان کو سلام پہنچے۔ خالدؓ۔

یہ خط نہایت معتبر قاصد کے ہاتھ بھیجا گیا اور انہیں بتا دیا گیا کہ رومی فوجیں انہیں کہاں کہاں روکنے کے لئے مقیم ہیں۔ سب کو اپنے مدعا اور سفر کو راز میں رکھنے کی تاکید کی گئی تاکہ دشمن ان کی نقل و حرکت سے لاعلم رہے۔ ایک خط امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھی روانہ کر دیا گیا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ ان کے دفاعی منصوبے پر کس طرح عمل درآمد کیا جا رہا ہے۔

دمشق سے اجنادین کی طرف

جب خالدؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ اور دوسرے صحابیوں سے لشکر کی ترتیب کوچ کا وقت، وغیرہ تمام ضروری امور کے متعلق مشورہ لیا، پھر خالدؓ نے تجویز کیا کہ حضرت ابوعبیدہؓ ہراول کے ساتھ اور خالدؓ ساقہ یعنی عقب کی فوج کے ساتھ رہیں لیکن ابوعبیدہؓ نے تجویز پیش کی کہ خالدؓ ہراول کے ساتھ رہیں۔ کیونکہ اگر دشمن نے راستے میں روکنے کی کوشش کی، تو خالدؓ سے بہتر اس رکاوٹ کو دور کرنے والا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اور ابوعبیدہؓ خود ساقہ میں عورتوں اور سامان کی حفاظت کرتے ہوئے چلیں گے۔ جب باقی صحابیوں نے بھی حضرت ابوعبیدہؓ کی تجویز کی تائید کی تو خالدؓ نے فیصلہ کیا کہ وہ اسی پر عمل کریں گے۔

جتنی بھی کتابیں اس موضوع پر مصنف کے مطالعہ میں آئی ہیں ان سب میں ایک ہی بات ذرا مختلف انداز میں کہی گئی ہے کہ دمشق کے رومیوں اور ان کے جاسوسوں کو علم نہ ہو سکا کہ مسلمان کہاں جا رہے ہیں اور کیوں جا رہے ہیں؟ انہوں نے سوچا کہ اگر یہ مسلمان [illegible] اور [illegible] کی سمت گئے تو ہم سمجھیں گے کہ وہ [illegible]

اگر یہ [illegible] کی جانب [illegible] ہیں۔

۔۔ اگر [illegible] کی طرف بڑھے تو ہم بھی پیچھے کر [illegible] ان کے تعاقب میں اور [illegible] رہے جاتے ہیں۔

بعض [illegible] کے بہترین [illegible] میں سے تھا اور کافی شہرت یافتہ تھا

مگر اُسے مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں سالاری کا موقع نہیں ملا تھا، جس کا اسے بڑا
ملال تھا۔ لیکن جب دمشق والوں نے اسلامی کیمپ کو خالی ہوتے دیکھا تو انھوں نے
مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے بولص کو سردار بننے کی پیشکش کی جو اس نے قبول
کر لی۔

جب اسلامی لشکر نے کوچ کیا تو بولص نے چھ ہزار شہسواروں کے ساتھ ابوعبیدہؓ
کے ساقہ پر اچانک حملہ کر کے اُسے نرغے میں لے لیا۔ بولص کے بھائی بطرس نے
پیادہ فوج کی مدد سے کچھ مسلمان عورتوں اور مال و اسباب پر بھی قبضہ کر لیا۔ وہ انہیں لے کر
دمشق کی طرف لوٹا۔ مگر نہر اسقوبق کے کنارے پر اس لئے ٹھہر گیا کہ مبادا بولص کو بطرس
کے لشکر کی اعانت درکار ہو۔

خالدؓ کو جیسے ہی ابوعبیدہؓ کے لشکر کے گھیرے جانے اور عورتوں کے قید ہونے
کی خبر ملی تو اپنے دفاعی منصوبے کو لوگوں کے کہنے سے بدلنے پر اپنے آپ کو ملامت
کی۔ خالدؓ خوب جانتے تھے کہ دمشق والے یقیناً عقب سے حملہ کریں گے۔ مگر ابوعبیدہؓ
کی بڑی عزت چونکہ اُن کے دل میں تھی اور دیگر مشیروں کے مشورے کو رد کرنا بھی مناسب
نہ سمجھا۔

دفاعی منصوبہ

لہٰذا خالدؓ نے فوراً فیصلہ کیا کہ خود ایک مضبوط فوج لے کر جلد از جلد ابوعبیدہؓ کی
مدد کے لئے روانہ ہو جائیں۔ علاوہ ازیں حضرت رافعؓ کو جو اس علاقے سے بہت اچھی
طرح واقف تھے۔ ایک ہزار سوار دے کر کہا کہ جلد تر عورتوں کو دمشق پہنچنے سے
پہلے حاصل کر لیں۔ حضرت رافعؓ کے ساتھ حضرت ضرارؓ، حضرت میسرہؓ اور چند مشہور
مجاہدین اسلام تھے جن کی شجاعت ضرب المثل تھی۔ بعدہٗ ان کے عقب میں ایک ہزار
سوار پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکر کو افسر بنا کر روانہ کیا۔

خالدؓ کا حملہ انتہائی سرعت سے ہوا۔ رومی مردانگی سے لڑے۔ خود خالدؓ بولص
کی طرف حملہ آور ہوا اور اُسے قتل کر دیا۔ تھوڑی دیر میں اس لشکر کا خاتمہ کر کے قیدی

عورتیں اور مال و اسباب جو لبنس کی زیرِ حراست تھا، آزاد کرکے فی الفور اپنی فوج کی طرف بھجوا دیا اور خود ایک چیدہ دستے کو لے کر آگے بڑھے تاکہ باقی ماندہ عورتوں اور اسباب کو آزاد کرائیں۔ رافعؓ اپنے دستے کے ساتھ جب بطرس کے کیمپ کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہاں ہنگامہ مچا ہوا ہے۔ رومی سپاہی عورتوں کے کیمپ کو گھیرے ہوئے ہیں اور عورتیں ان کا مقابلہ کر رہی ہیں۔ اسلامی لشکر آتا دیکھ کر بطرس کی فوج نے ان کا مقابلہ شروع کر دیا حضرت خولہؓ نے بطرس پر حملہ کرکے اسے مار گرایا۔ رومی لشکر بھاگ ہی رہا تھا کہ اس وقت حضرت خالدؓ مع اپنے لشکر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے اور تمام رومیوں کو گھیر کر قتل کر دیا۔ اور ایک بھی رومی سپاہی زندہ نہ بچ سکا۔ مجاہدین اسلام بھگوڑوں کو راستے ہی سے دمشق کے قلعے کی دیوار تک جا پہنچے تھے۔ خالدؓ نے ایسا اس لئے کیا تاکہ دمشق والے اسلامی فوج کو دیکھ لیں اور یہ سمجھیں کہ درحقیقت یہ واقعہ نہیں بلکہ انہیں دھوکا دیا گیا تھا۔

خالدؓ خود تو کچھ زیادہ عرصہ ٹھہرے مگر عورتوں اور اسباب کو ایک چھوٹے لشکر کی حفاظت میں ابوعبیدہؓ کے لشکر کی طرف روانہ کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ جس قدر تیز رفتار سے جا سکیں جائیں۔ دیر میں خالدؓ کے جاسوسوں نے خبر دی کہ وردان حمص کے قریب اپنے لشکر کے ساتھ پڑا ہے۔ اور اطلاع یہ ہے کہ اب وردان بھی اجنادین کی طرف جانے والا ہے۔ لہٰذا خالدؓ نہایت سرعت اور تیز رفتاری سے ابوعبیدہؓ سے جا ملے جو مرج راہط پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس کے بعد تمام اسلامی افواج خفیہ راستوں سے میدان اجنادین میں پہنچ گئیں۔

تمام اسلامی فوجیں جمادی الاول ۱۳ھ کے ہفتہ اول میں اجنادین کے قریب یکجا ہو گئیں اور رومی فوجیں کسی اسلامی دستے کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے معیار سے مجاہدین اسلام کو جانچا تھا۔ وہ اس سے قطعی ناواقف تھے کہ جفاکشی اور دشواریوں کے خوگر مسلمان مجاہدین آسانی سے بہت دور ہیں مسلمان مجاہدوں کو ایسے دشوار گزار راستوں سے سفر کرنا پڑا تھا جہاں صعوبات، قلتِ آب بسیار

اور اشیائے خوردنی کی عدم دستیابی، ان سب کا مقابلہ صرف سخت جان ہی کر سکتے ہیں اور رومیوں کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ سیدھے راستے چھوڑ کر اسلامی فوجیں ان راستوں سے آئیں گی۔

حالات کا جائزہ

اگر آپ نے ہماری کتاب "جہادِ صدیق" کا مطالعہ کیا ہے تو آپ نے "ان کے دفاعی منصوبے اور حالات کا جائزہ" بھی بغور پڑھا ہوگا۔ چونکہ وہ ایک خلیفہ کا جائزہ تھا لہٰذا اس سے قدرے مختلف تھا، جو اب ہم تحریر کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہ خود محاذِ جنگ پر مامور سپہ سالار کا جائزہ ہے۔

اسے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ملٹری سائنس کے طالب علم، محکمہ دفاع کے لوگ بالخصوص اس سے واقف ہو سکیں۔ اور عوام بھی اسے سمجھیں کیونکہ اس سے انہیں معلوم ہوگا کہ جنگِ اجنادین کیوں، کس لئے، اور کن مقتضیات کی بنا پر لڑی گئی اور کس مطلب سے لڑی گئی۔ ہم نے یہاں میدانِ جنگ کے ایسے نقشے جن میں فوجوں کی نقل و حرکت، فارمیشن کے کیمپ، وغیرہ پیش نہیں کئے ہیں بلکہ دفاعی اصول پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ یکساں رہتے ہیں اور انہیں سمجھنا مقصدِ تحریر ہے۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو گئے تو سمجھیں گے کہ ہماری محنت کا ثمرہ ہمیں مل گیا ہے۔

مختلف اور متعدد کتب کی چھان بین کے بعد ہم دونوں فریق یعنی رومی فوج، رومی سپہ سالار اور اسلامی فوج اور اسلامی سپہ سالار کے دفاعی منصوبوں سے متعلق یہ جائزہ لے رہے ہیں۔ اور اس کے لئے ہم ان تمام عربی، فارسی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن مورخین کے ممنون ہیں جن کی تصنیفات سے مستفید ہونے کے بعد اس تجزیے کو معرضِ ترتیب میں لایا گیا ہے۔

"میں تم کو حمص محاذ کی پوری فوج کا سپہ سالار مقرر کر رہا ہوں۔ وہاں سے کوچ کر کے تم اہلِ دمشق کی اس طرح مدد کرنا۔ فوج کا معتدبہ حصہ اپنے ہمراہ لے کر دشمن کی جانب اقدام کرنا اور حریف پر پیچھے سے حملہ آور ہونا۔ دوسری فوج کا دوسرا حصہ فلسطین کے ساحلی لشکر کو دمشق کے پاس والے اسلامی لشکر سے ملنے نہ دے۔ اس طرح تمہاری فوج اسلامی فوجوں کے درمیان حائل ہو گی۔ یہ کام انتہائی تدبر و ہوشمندی سے انجام دے کر دمشق اور اپنے ساتھیوں کی اعانت کرو۔"

وردان حکم پاتے ہی اجنادین روانہ ہو گیا۔ اسے اپنی قسمت پر ناز تھا کہ قیصر روم کے عتاب سے نہ صرف بچ گیا۔ بلکہ پھر سپہ سالار ہی رہا۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ اس کی آنکھوں میں خاک جھونک کر فلسطین کا لشکر پہلے ہی سے وہاں آ گیا ہے۔ چنانچہ بامر مجبوری اس نے بھی اپنے فلسطین کی راہ میں حائل لشکر کو جنود میں جذب کر لیا۔ قیصر ہرقل کا فرمان اس نے اپنے تمام سرداران فوج کو پڑھ کر سنا دیا تھا۔

حالات کا جائزہ

از جانب وردان والیِ حمص و سپہ سالار افواج روم متعینہ اجنادین بمقام اجنادین بوقت ۱۰ بجے شب سنہ ۶۳۴ء۔

مقصد (OBJECT)

۱۔ اسلامی لشکر کو تباہ کر کے علاقہ شام و فلسطین سے اس کا صفایا کرنا۔

اجزائے ضرب (FACTORS)

دشمن (ENEMY)

۲۔ (الف) اسلامی لشکر بوجہ فتوحات گزشتہ دلیر ہو گیا ہے۔

(ب) مفتوحہ علاقہ جو سابق رومی علاقہ تھا اب عربوں کے فتوحات اور ان کے سلوک کے باعث ان کا ہمدرد اور ان کی عزت و تعظیم کرنے والا ہو گیا ہے۔

(ج) مسلمانوں کا لشکر چالیس ہزار سے کم ہے۔ اس طرح رومی لشکر سے ایک تہائی کے قریب ہے اور امید نہیں کہ عربوں کو مزید کمک مل سکے۔

نتائج (DEDUCTIONS)

دمشق اور شام سے اسلامی فوجیں خوف کے مارے ایک جگہ جمع ہو گئی ہیں۔ اور ہمارے اسلحہ اور ہماری شکست سے مرعوب ہو گئی ہیں لہٰذا وہ عزم و قوت کے حملے کے سامنے غالباً ٹھہر نہ سکیں گی۔

دوسرے اجزائے ضربی (OTHER FACTORS)

۲۔ (الف) ایران کی طرف سے رومی حکومت کو کوئی خطرہ نہیں، کیونکہ وہ حکومت مدینہ سے الجھی ہوئی ہے۔

(ب) ہمارے شامی و فلسطینی قبائل عربوں سے انتقام لینے کے لئے پہلے سے باہر ہو رہے ہیں۔

(ج) عیسائی اور یہودی یہ سب مسلمانوں کے مخالف ہیں

نتائج (DEDUCTIONS)

عوام کی ہمدردی رومی لشکر کے ساتھ ہے۔ ایران سے جنگ ہو رہی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو مزید کمک کا ملنا محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

ہمارے اجزائے ضربی (OUR FACTORS)

۴۔ (الف) ہماری فوجیں تازہ دم ہیں۔ ان کے ساتھ آزمودہ جرنیل ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ایرانیوں اور تاتاریوں کو پے در پے شکستیں دیں۔

(ب) ہمارے پاس اسلحہ، سامان، رسد، باربرداری اور کمک کافی ہے اور ہر طرف سے مزید کمکیں آ رہی ہیں۔ جو عنقریب اجنادین آ پہنچیں گی۔

(ج) قیصر روم ہر قسم کی امداد بلا کسی شرط کے دینے کو تیار ہے۔

(د) ہماری فوج اور عوام میں انتقام کا جذبہ موجود ہے۔

نتائج (DEDUCTIONS)

مناسب ہے کہ مذکورہ بالا آلۂ حرب کو اعتماد و عزم سے استعمال کیا جائے۔

خلاصہ (SUMMARY)

۵- مناسب یہ ہے کہ :-

(الف) دشمن سے فوراً جنگ چھیڑ دی جائے۔ مگر آخری حملہ میں کچھ دن التوا کیا جائے۔ اس طرح جہاں ایک طرف ہماری طاقت بڑھتی جائے گی۔ وہاں مسلمانوں کی مالی حالت اور خصوصاً رسد کا سامان کم ہوتا جائے گا۔ اور بے بسی ابتری کا ان پر فوری اثر ہوگا۔ علاوہ ازیں ہمارے حفاظتی اور دفاعی دستے دیگر علاقوں میں پہنچ جائیں گے۔ اور اس طرح مسلمانوں کے لئے جان بچا کر بھاگ نکلنے کے راستے مسدود ہو جائیں گے۔

(ب) لشکر کے دو حصے کئے جائیں۔ بڑا حصہ تو مسلمانوں کو پامال کرتا ہوا انہیں صحرائے دمشق میں منتشر کر دے تاکہ وہاں لوگ وہ ختم ہو جائیں۔ اور دوسرا حصہ اجنادین میں ٹھہر کر مسلمانوں کی اگر کوئی کمک آئے تو اسے آگے بڑھنے سے روکے۔

(ج) آخری حملہ آج سے تقریباً دس یوم کے بعد کیا جائے۔ کیونکہ عربوں کو مزید کمک پہنچنے کی کوئی اُمید نہیں ہے۔ اس وقت تک ادھر ہمارے باقی دستے بھی یہاں پہنچ جائیں گے۔

دفاعی منصوبہ (PLAN)

۶- (الف) میمنہ - سالار تذارق - برادر حقیقی قیصر ہرقل
لشکر - چالیس ہزار اس کا اپنا لشکر

(ب) میسرہ - سالار قفلا
لشکر چالیس ہزار - اس کا اپنا لشکر

(ج) قلب سالار - جنرل دریجان [illegible]
لشکر — قوم بطارقہ، ارامیہ، ہرقلیہ، خزلجیہ کے تمام لشکر و [illegible] کا لشکر ہوگا۔ قلب کے لشکر میں سپہ سالار وردان کا مستقر ہوگا۔ مورخہ

دستہ وردان بطریق ذی الحمص
دستہ رفقت مقدم
بیت المقدس اجنادین

حالات کا جائزہ

من جانب خالد بن ولید امیر عساکر اسلام متعینہ شام و فلسطین بمقام دیرہ ۲۱ صفر سنہ ۱۳ ھ

مقصد (OBJECT)

۱۔ شاعتِ اسلام کی مخالف رومی افواج کو شام و فلسطین میں تباہ کیا جائے تاکہ دعوتِ اسلام بلا مزاحمت ہر کس و ناکس تک پہنچائی جا سکے۔

اجزائے ضربیہ (FACTORS)

۲۔ (الف) ہمارے مجاہدین نے اپنی تعداد سے کئی گنا زیادہ تعداد میں مشرکین و کفار کے لشکروں کو ہر مقابلے اور ہر محاذ پر شکست دے کر ان کے دلوں میں اپنا رعب اور خوف اور ان کے اپنے اندر احساس کمتری پیدا کر دیا ہے۔

(ب) اگرچہ رومیوں کا اسلحہ ہمارے اسلحہ سے بہت بہتر ہے تاہم ہمارے مجاہدین شمشیر زنی اور شہسواری کے اعلیٰ ماہر ثابت ہوئے ہیں اور یہ مادی کمزوری برتری میں تبدیل ہو گئی ہے۔ ہمارے شہسوار جفاکش ہیں منظم طریقے سے نقل و حرکت کی اہلیت کے مالک ہیں۔ ہمارے افسروں کی جان نثاری، اولوالعزمی در فنِ حرب کی بلند قابلیت ہر موقع پر دشمن کے سالاروں سے بہتر ثابت ہوئی ہے۔ ان میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا جذبہ ہر قسم کی باہمی یکجہتی اور اعتماد باہمی کا باعث ہے۔

(ج) ہماری فوج نے خلیفۃ المومنین کے دفاعی منصوبے کے تحت ہرقل کو اپنے اصل مقصد سے بے خبر رکھا ہے۔ ہرقل کو یقین ہے کہ اسلامی لشکر کا بڑا حصہ بوزدیر میں ہے۔ اور وہیں رہے گا تاکہ دمشق کو فتح کرے، اور مسلم فوج کا دوسرا حصہ فلسطین میں ہے۔

دشمن (ENEMY)

(الف) رومی جرنیلوں میں آپس میں رشک و حسد اور عناد ہے۔ لہٰذا وہ دل سے ایک دوسرے کی مدد نہیں کر رہے ہیں۔

(ب) ایرانیوں اور ترکوں پر فتح پا جانے کے باعث رومی مسلسل کئی دہائیوں میں سے خطرے کا احساس جاتا رہا تھا۔ لہٰذا وہ آرام طلب اور عیش پسند بن گئے۔ بعینہٖ یہی حال لشکریوں کا ہے۔ جو مغرور جفاکشی کی قدر و منزلت سے ناآشنا۔ ان فتوحات نے انھیں ظالم اور خود پسند بھی بنا دیا۔

ان کے جانور فربہ ضرور ہیں مگر لمبے سفر کے قابل نہیں۔ رومی لشکروں میں یک آہنگی سے لمبے فاصلے کے لئے دفاعی نقل و حرکت کی اہلیت نہیں۔

نتائج (DEDUCTIONS) (فقرہ نمبر ۲، ۳)

ہمارے دفاعی منصوبے سے دشمن کی لاعلمی اور لمبے فاصلے کے لئے تیز رفتار سے ان کی نااہلیت سے فوراً فائدہ اٹھانا چاہیئے تاکہ ان کے لشکروں پر مختلف مقامات پر حملہ کر کے انھیں یکجا ہونے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے۔

دوسرے اجزائے ضربی (OTHER FACTORS)

۴۔ (الف) اسلامی فوج نے ایرانی حکومت کے کس بل نکال دیئے ہیں لہٰذا ممکن نہیں کہ وہ کوئی بڑی فوج رومیوں کی مدد کے لئے بھیج سکیں۔ مزید برآں ان دونوں حکومتوں میں عناد اور حسد بھی ہے۔ اس لئے ایران روم کو تباہ ہوتے دیکھنا پسند کرے گا۔

(ب) عوام کی ہمدردی اسلامی لشکر کے ساتھ ہے۔ خصوصاً کاشتکار ہمارے زیادہ ہمدرد ہیں۔ کیونکہ مدت سے رومی لشکر کے ظلم و ستم سہہ رہے ہیں۔ ان سے صحیح خبریں ملیں گی اور رسد مہیا ہونے کی بھی قوی امید ہے۔ البتہ شہروں کی آبادی زیادہ تر رومی ہے اور وہ حکومت روما کے طرف دار ہیں۔

نتائج (DEDUCTIONS)

چونکہ مقامی حالات اسلامی لشکر کے موافق ہیں اس لئے ان سے فوراً پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔

خلاصہ (SUMMARY)

۵ - (الف) تمام اسلامی لشکر بسرعتِ تمام خفیہ راستوں سے اس طرح کہ دشمن کو مطلق خبر نہ ہونے پائے۔ اجنادین کے قریب وادیٔ یرموک میں جمادی الاول کے پہلے ہفتے مجتمع ہو جائیں۔

(ب) تمام مالِ غنیمت مدینہ بھیج دیا جائے۔ یا فروخت کر دیا جائے۔ مستورات اور باربرداری کی بطورِ خاص محافظت کی جائے۔ تمام اہلِ لشکر کے پاس کم سے کم بوجھ ہو اور ہر لشکر میں باربرداری کے لئے فالتو جانور موجود رہا کریں۔

(ج) دشمن کے مختلف لشکروں کو یکجا ہونے سے قبل ہی تباہ و برباد کر دیا جائے اور سب سے پہلے ان رومی افواج پر حملہ کیا جائے جو اجنادین میں جمع ہیں بصورتِ فتح یابی ازاں بعد ان فوجوں پر بسرعت حملے کئے جائیں جو بطور کمک اجنادین کے گرد و نواح میں جمع ہو رہی ہیں۔

(د) رومی افواج کا سپہ سالار گو قابل اور دلیر ہے، مگر عیاش، آرام طلب اور کاہل ہے۔ اسے شان و شوکت کا بہت پاس ہے۔ لہٰذا اس کی ہمراہی فوج کو آرام نہ لینے دیا جائے اور نہ پہلے کی جمع شدہ فوج کو منظم کرنے کی مہلت دی جائے۔ بالفاظِ دیگر بہت جلد جنگ چھیڑ دی جائے۔

دفاعی منصوبہ (PLAN)

۶ - (الف) دمشق کا اسلامی لشکر انشاء اللہ تعالیٰ کل علی الصبح ادائے نمازِ سحر کے بعد مرج واسطہ کی جانب اس ترتیب سے کوچ کرے گا کہ دشمن ان پر اچانک چھاپہ مارنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

مرج واسطہ سے آگے کا سفر رافع کی رہبری میں طے کیا جائے گا جو حتی الامکان شہروں اور آبادیوں سے دور ہٹ کر سفر کیا جائے تاکہ دشمن کو ہمارے ارادوں کا پتہ نہ لگنے پائے۔

(ب) شرحبیل بن حسنہ بصرہ سے معاذ بن جبل حوران سے یزید بن ابی سفیان

یعنی گھر کا انتظام درست نہیں رکھ سکتی۔ بچہ بھی دودھ طلب کرنے کے واسطے رو رو کر ماں کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔

جو لوگ مقررہ اصولوں کے مطابق ہر وقت حالات کا صحیح جائزہ لیتے ہیں وہ کامیاب انسانوں کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں۔ لیکن جو لوگ بلا سوچے سمجھے کوئی کام کرتے ہیں وہ بسا اوقات دھوکا کھاتے اور ناکام رہتے ہیں یہی بات میدانِ جنگ میں سالار پر صادق آتی ہے۔

وردان اور خالدؓ کا جائزہ لینے میں مابہ الامتیاز فرق یہ ہے کہ وردان نے ہرقل کے احکام پر اندھا دھند عمل کیا۔ جبکہ خالدؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے احکام کو اچھی طرح سمجھ کر انہیں کامیاب بنانے کے لئے خوب سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے جن سے کامیابی یقینی ہو گئی۔ مثلاً دمشق پر حملہ، وردان کے لشکر پر حملہ، دوبارہ جا کر اس طرح لوٹنا کہ دشمن دھوکہ کھا گیا۔ اور اس کا دھوکہ کھانا امر یقینی ہو گیا۔

خالدؓ اجنادین میں

خالدؓ اپنے لشکر کے ساتھ جمادی الاول کے دوسرے ہفتے میں وادی یرموک سے روانہ ہوئے۔ اجنادین میں اسی جگہ پہنچ گئے جہاں رومیوں کا نوے ہزار لشکر پہلے سے جمع تھا۔ اسلامی لشکر نے ان کے قریب ہی پڑاؤ ڈال دیا۔ چند روز میں سب اسلامی لشکر مجتمع ہو گئے۔ اس اثنا میں رومیوں کی جانب سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں ہوئی۔ اس لئے خالدؓ کو اپنا لشکر منظم کرنے کی کافی مہلت مل گئی۔

آپ نے ضرارؓ کو منتخب شہسواروں کا دستہ دے کر روانہ کیا تاکہ دشمن کی مورچہ بندی، تعداد، وغیرہ کیفیت معلوم کر کے آئیں تاکہ خالدؓ بذاتِ خود جاسوسوں کی لائی ہوئی خبروں سے موازنہ کر سکیں۔ اس دیکھ بھال (RECONNAISSANCE) کے کام پر جاتے وقت ضرارؓ کو خالدؓ نے مناسب ہدایات دیں اور چلتے وقت نصیحت فرمائی کہ "اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکم دیا ہے" ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" یعنی جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔"

دیکھ بھال کے دستے کا اصل کام خبریں مہیا کرنا ہے۔ اور لڑائی صرف اپنی جان بچانے کے لئے جائز ہے تاکہ حاصل کردہ اطلاعات جلد از جلد سپہ سالار تک پہنچ جائیں۔ اس لئے دیکھ بھال کا کام دشمن کی نظر بچا کر کرنا پڑتا ہے۔ لیکن رومی لشکر نے ضرارؓ کو دیکھ لیا اور کئی جانباز انہیں پکڑنے کے لئے بھیجے۔ ضرارؓ نے مقابلے سے اجتناب کیا۔ مگر رومی برابر ان کا تعاقب کرتے رہے۔ جب ضرارؓ نے دیکھ لیا کہ رومی اپنے لشکر سے کافی دور آ گئے ہیں تو ایک شیر ببر کی طرح مڑے اور اچانک حملہ کر دیا۔ رومی شہسوار تعاقب کے دوران میں بہت پھیل گئے تھے۔ لہذا ضرارؓ جیسے چابکدست شہسوار کے لئے ان پر فرداً فرداً حملہ کر کے انہیں ہلاک کرنا آسان ہو گیا۔ اس

لوٹا دیا جائے، پھر رومی لشکروں کو اور زیادہ منظم کر کے مسلمانوں کو ان کے کیے کی پوری پوری سزا دینا آسان ہوگا۔

اب وردان نے اپنے اس منصوبے پر عمل درآمد کا آغاز کیا جو اس نے حالات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد مرتب کیا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ رومی لشکر فیصلہ کن جنگ کو معرض التوا میں ڈالے، اور اسلامی لشکر کے سالاروں کو دل زر کا طمع دلایا جائے۔

جنگ اجنادین کا آغاز۔ مسلم فوج کی پیش قدمی

لشکر منظم کر چکنے کے بعد خالدؓ نے نقل و حرکت شروع کی۔ اسلامی لشکر کو میدان میں لا کر کھڑا کر دیا۔ رومی لشکر یہ دیکھ کر جلد جلد تیار ہو کر میدان میں آ گیا۔ موجودہ زمانے کی لڑائی میں یہ طریقہ جنگ کچھ عجیب سا معلوم ہوگا۔ لیکن ایام سلف میں یہی طریقہ رائج تھا۔ اور اسی کو فن حرب کی معیاری رسم، اور شان سپہ گری سمجھا جاتا تھا۔

اس روز کی جنگ سے متعلق خالدؓ کے احکام یہ تھے:۔

تمہاری صفوں میں شگاف کسی طرح نہ پڑنے پائے اس لئے کندھوں سے کندھے ملے رکھو۔ عصر کے وقت تک جنگ کو طوالت دو۔ اور دشمن کا بھی ناپ تول اور آزمائش کرو۔ آنحضرت صلعم کے دفاعی اصول کے مطابق انشاء اللہ تعالیٰ عصر کے وقت ان پر بھرپور حملہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اس وقت تک یہ تھک جائیں گے اور سورج کی تپش کا ان پر گہرا اثر ہوگا۔ علاوہ بریں سورج کی کرنیں عصر کے وقت ان کی آنکھوں کو خیرہ کریں گی اس لئے ان پر اچانک حملہ کرنا آسان ہوگا۔

جنگ کو طوالت دینے اور رومی لشکر کے سالاروں کو ہیبت زدہ کرنے کے لئے خالدؓ نے ضرارؓ کو میدان میں مبارزت طلب کرنے بھیجا۔

ضرارؓ نے بطرس کے بھائی بولص کی زرہ پہنی ہوئی تھی اور گھوڑے پر زین کے تلے بطرس کے گھوڑے کا غدہ (جس پر سالار کے نشان مرتسم ہوتے ہیں، انگریزی میں اسے (COURT OF ARMS) اور فارسی میں برگستوان کہتے ہیں) ڈالا ہوا

جنگ اجنادین
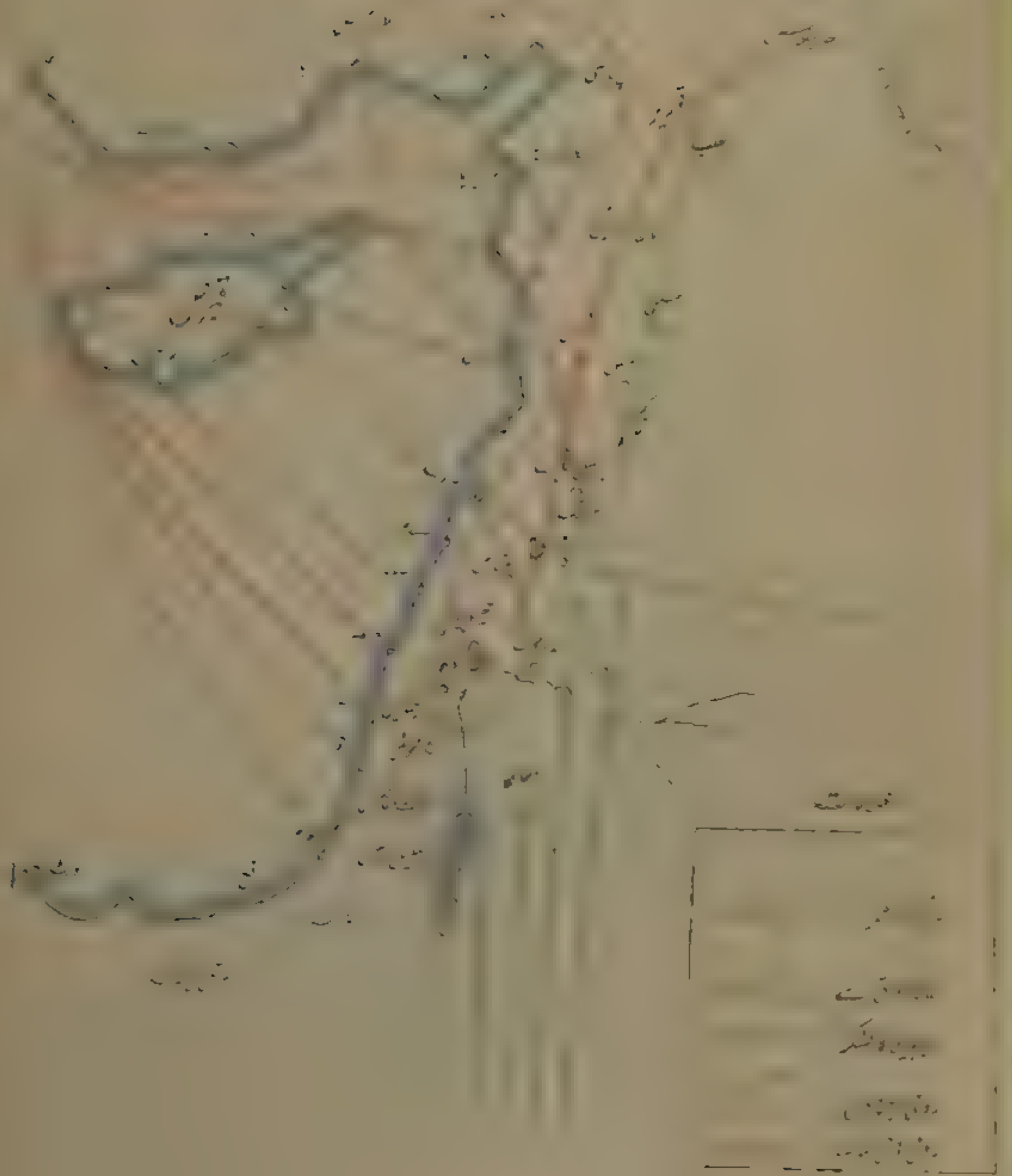
تھا۔ تاکہ رومی لشکریوں کو معلوم ہو کہ ان کے مشہور رومی پہلوان کا قاتل ضرارؓ ہی ہے
ضرارؓ بجلی کی طرح اپنے لشکر سے نکلے اور پہلے رومی لشکر کے ایک پہلو پر حملہ کیا
وہاں سے نکلے تو دوسری جگہ جا پہنچے اور مزید قتل و غارت گری کی۔ پھر دونوں فوجوں
کے درمیان آکر اپنے مقابل کسی رومی کو لڑنے کی اس طرح دعوت دی :-

"میں ضرار بن ازور ہوں۔ حمران بن وردان کا قاتل بھی میں ہی ہوں۔ کفر مٹانے والے
مجاہدوں میں سے ایک میں بھی ہوں۔"

رومیوں کی طرف سے ذالیز نامی بہادر میدان میں آیا تاکہ ضرارؓ کو قتل کر کے ابن وردان
کے قتل کا بدلہ لے۔ دونوں میں تین گھنٹے زبردست لڑائی ہوتی رہی۔ انجام کار ضرارؓ
نے ایسا نیزہ مارا کہ رومی کی زرہ کو چیرتا ہوا جگر کے پار ہو گیا۔

وردان اب خود ضرارؓ سے بدلہ لینے کے لئے میدان جنگ میں جانے کو تھا کہ
والیِ عمّان کے جرنیل دریجان اصطفان نے اپنے آپ کو پیش کیا جسے وردان نے
قبول کیا۔ اور اس کا حوصلہ بڑھانے کے لئے اس سے وعدہ کیا کہ اگر تم ضرارؓ کو زندہ
گرفتار کر کے یا اس کا سر کاٹ کر لے آؤ تو میں اپنی بیٹی کی شادی تم سے کر دوں گا۔

اصطفان بہت گرانڈیل اور طاقتور جرنیل تھا۔ شمشیر زنی میں خاص شہرت رکھتا
تھا۔ دو گھنٹے تک دونوں میں شدید مقابلہ ہوتا رہا اور دونوں مہارت فن حرب کے
کمالات دکھاتے رہے۔ آخر خالدؓ نے چلا کر کہا "ضرارؓ! شمشیر زنی کے کمالات دکھا چکے
دشمن پر کاری وار کرو۔"

اصطفان نے ضرارؓ کو اشارہ کیا کہ میرا گھوڑا نڈھال ہو گیا ہے۔ گھوڑے سے اتر
کر پیدل مقابلہ کریں۔ چنانچہ دونوں گھوڑوں سے اتر پڑے۔ لیکن ضرارؓ نے دیکھا کہ
اصطفان نے غداری کی ہے اور اس کے لئے اس کا غلام ایک تازہ دم گھوڑا
لا رہا ہے۔ ضرارؓ حریف سے بدرجہا زیادہ ہوشیار، چست و چالاک اور توازنِ ذہنی
کو برقرار رکھنے والا تھا۔ لہٰذا جونہی غلام قریب آیا، ضرارؓ نے بجلی کی سی تیزی سے
غلام پر حملہ کر کے اسے مار گرایا اور اچک کر اصطفان کے نئے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

اپنے گھوڑے کو اسلامی لشکر کی طرف ہانک دیا۔ وردان فوراً اصطفان پر حملہ کر دیا لیکن
کہ معذرۃ دیکھ کر وردان جو اس لڑائی کو غور دیکھ رہا تھا خود دس منتخب شہسوار لے کر
ضرارؓ پر حملہ کرنے کے لئے نکلا۔ خالدؓ جو تمام حالات کا بغور مشاہدہ کر رہے تھے۔
خود بھی چند شہسواروں کو لے کر وردان کے مقابلے کے لئے میدان میں نکل آئے۔

اس اثنا میں ضرارؓ نے اصطفان کو قتل کر کے اس کا سر نیزے پر بلند کر دیا۔
اس پر خالدؓ اور وردان میں لڑائی شروع ہو گئی لیکن یہ سوچ کر کہ کہیں ہمارا سپہ سالار
مغلوب نہ ہو جائے رومی لشکر نے خالدؓ پر حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر اسلامی لشکر کے شہسواروں
نے بھی دشمن کے پہلوؤں پر بڑی پھرتی سے حملے شروع کر دیئے جس سے رومی
لشکر گھبرا گیا۔ عصر کے وقت سورج کی کرنیں رومیوں کی آنکھیں خیرہ کرنے لگیں لہٰذا
رومی لشکر پسپا ہونا شروع ہوا۔ شام تک بڑے گھمسان کی جنگ جاری رہی۔

شام ہوتے ہی دونوں لشکر جدا ہو گئے۔ اسلامی لشکر کے کئی بہادر سالار اس
حملے میں کام آئے۔ ان میں سے چند ایک نام یہ ہیں:۔ ہشام بن عاص یعنی عمرو
بن عاص کا بھائی، سلمہ بن ہشام مخزومی، نعمان عدوی، ابان بن سعید، عبید اللہ
عمرو دوسی، وغیرہ وغیرہ۔ شہدا کی تعداد تیس نفری تھی۔

رومی تقریباً دو ہزار مقتول میدان جنگ میں چھوڑ گئے تھے جن میں مشہور رومی
ریاست یہ تھے:۔ والیٔ عمان مارس بن منذر، حاکم شمیمین دہر حرب وراثی دیقین
بن البتا، میخائیل، عبد المسیح گورنر حوران، مرلوس حاکم ثنیہ، گورنر مسخت
نابلس، شاہ ارمن ابوسہم، امیر غزوہ، وعسقلان وغیرہ۔

جب شام کو وردان اپنے کیمپ میں پہنچا تو اس نے چند سالاروں کو جمع
کر کے ان کو جوش دلایا۔ ایرانیوں، ترکوں، ہندوؤں کے شرفاء ان کی شجاعت کے نعرے
دہر کرنے کی ہمت بندھائی۔

جب رومیوں نے اپنے سپہ سالار کو یہی بیان نادمی اور جوش فروشی کم لیکن
دل باز قوم لطارقہ کے ایک سردار نے وردان کو مشورہ دیا کہ یہ ہرگز مناسب نہیں کہ

رکھنا۔ ہم دشمن کی چالیں خوب سمجھتے ہیں۔ لہٰذا سفیر کو ان الجھنوں میں نہ پڑنا چاہیئے۔
پہلے تو داؤد نے یہ کہا کہ وردان قتل وخون کے خلاف ہے۔ اور ایسا عہدنامہ لکھنا چاہتا ہے، جس کی بدولت خونریزی بند ہو جائے۔ تاکہ ہم اور آپ امن وصلح کی زندگی بسر کر سکیں۔ آپ صاحبان کی مالی حالت بہتر بنانے کے لئے وردان کافی مقدار میں زر وجواہر دینے کو تیار ہے۔ اس کے ساتھ ہی وردان چاہتا ہے کہ دونوں لشکروں کے درمیان ایک مقررہ جگہ پر دونوں لشکروں کے سپہ سالار عالمِ تنہائی میں مل کر شرائطِ صلح طے کر لیں۔

خالدؓ سب باتیں سنتے رہے۔ (انہیں اختصار سے اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ ان سے ہم کوئی دفاعی سبق نہیں سیکھ سکتے۔ مصنف) اور گہری نظر سے داؤد کو دیکھتے رہے۔ جس کا داؤد پر یہ اثر ہوا کہ وہ دل میں یقین کرنے لگا کہ خالدؓ اس کی چال سمجھ گیا ہے۔ اور وہ پہچان گیا ہے کہ داؤد غلط بیانی کر رہا ہے۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد جب خالدؓ نے داؤد سے یہ فرمایا کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے، اگر اس میں مکر وفریب ہے تو سچ سچ کہہ دو۔ بلا وجہ اپنے آپ کو کیوں مصیبت میں ڈالتے ہو۔ تو داؤد سہم گیا اور خالدؓ کے رعب میں آ کر سارا ماجرا من وعن بیان کر دیا۔ اور یہ شرط رکھی کہ فتح کی صورت میں مسلمان اسے اور اس کے خاندان کو امان دیں گے۔ خالدؓ نے اسے منظور کر لیا مگر ساتھ ہی تنبیہہ کر دی کہ جس طرح تم نے وردان کا راز یہاں بتا دیا ہے۔ اسی طرح کہیں یہاں کے حالات وردان کو نہ بتلا دینا۔ ورنہ اس کی پاداش بہت بری ہوگی۔ داؤد نے اپنے بیان کی وضاحت کی یا تمام راز، کمین گاہ کا مقام، رومیوں کی تعداد وغیرہ سب بتلا دی۔

حضرت خالدؓ نے اس سازش کا ذکر حضرت ابوعبیدہؓ سے کیا انھوں نے بھی خالدؓ کو اس پر راضی کر لیا کہ دشمن کی چال کو مات دینے کے لئے خالدؓ بھی دس بہترین بہادر مجاہد اپنے ہمراہ لے جائیں جو کمین گاہ میں چھپے بیٹھے رومی بہادروں کو زیر کر سکیں۔ رافع بن عمیر کو دس مجاہدین کی اس جماعت کا امیر مقرر کر کے خالدؓ نے اسلامی لشکر

کو حکم دیا کہ بظاہر لشکر آرام کرے۔ لیکن اچانک حملے کو روکنے کے لئے ہمہ وقت مستعد رہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دشمن کے جاسوسوں کو اسلامی لشکر کے ارادے کا پتہ نہ چلے۔ فوج کی امارت خالدؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کے سپرد کی۔

دوسرے دن صبح کے وقت وردان اور خالدؓ جائے مقررہ پر ملے۔ وردان نے مال و زر کا لالچ دیا۔ مگر خالدؓ نے اپنی تین شرطیں پیش کیں۔ اسلام قبول کر لو۔ ورنہ جزیہ دینا منظور کرو۔ نہیں تو جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ گھنٹہ بھر تک بحث و مباحثہ ہوتا رہا۔ آخرکار وردان نے زور سے اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور خالدؓ پر حملہ کر دیا۔ خالدؓ اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھے۔ دونوں میں شدت کی لڑائی شروع ہو گئی۔ لڑائی جاری ہی تھی کہ دس مجاہد اسلام بھی آ پہنچے۔ وردان کو خالدؓ نے قتل کر دیا اور اس کے دسوں ساتھی بھی قتل ہو گئے۔ مجاہدین کو خالدؓ نے رومی لشکریوں کا لباس پہننے کا حکم دیا جو مقتولین پہنے ہوئے تھے۔ اب یہ اسلامی قافلہ رومی لشکر کی طرف چلا۔ وردان کا سر ایک مجاہد نے اپنے نیزے پر بلند کر رکھا تھا۔ رومی یہ سمجھے کہ وردان نے خالدؓ کو قتل کر دیا اور اس کا سر نیزے پر لٹکا کر لا رہے ہیں۔ جیسے ہی مجاہدین رومی لشکر کے قریب پہنچے۔ انہوں نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور رومیوں پر ٹوٹ پڑے اور بآواز بلند کہا کہ وردان اور اس کے ساتھی مارے گئے ہیں۔

نعرۂ تکبیر لشکر اسلام کے لئے اشارہ تھا۔ سنتے ہی مسلمانوں نے رومیوں پر یکبارگی حملہ کر دیا۔ رومی لشکر حملہ کے لئے تیار نہ تھا۔ نیز وردان کے مارے جانے کی خبر نے ان کے حوصلے پست کر دئے تھے۔ لہٰذا وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے لاتعداد رومیوں کو قتل کیا اور بے شمار رومی گرفتار کر لئے گئے۔

خالدؓ نے فتح کی صورت میں تعاقب کے لئے پہلے ہی سے لشکر مقرر کر رکھے تھے ان لشکروں نے مختلف مقامات پر پہنچ کر ان رومی افواج پر شبخون مارے جو اجنادین کی طرف خراماں خراماں اور امن و اطمینان سے بڑھ رہی تھیں اور مختلف مقامات پر

نہایت ثابت قدمی سے ان سے جنگ کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر میدان، ہر راستے،
ہر لڑائی میں فتح و نصرت عطا فرمائی۔ مشرک افواج کا سپہ سالار، کئی نامور سالار اور
تقریباً پچاس ہزار سپاہی ہلاک ہوئے۔ مجاہدین کے چار سو بہتر نفوس نے درجۂ شہادت
حاصل کیا۔ اور جو مجروح ہوئے تھے وہ رو بصحت ہیں۔ ہم دمشق کی طرف بڑھ رہے
ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری فتح و نصرت کے لئے دعا فرمائیے۔ جمیع لشکر
اسلام کی طرف سے آپ کو اور تمام اہلِ مدینہ کو سلام قبول ہو۔ والسلام

آخری جمادی الاوّل ۱۳ھ — خالد بن ولید

یہ خط عبدالرحمٰن بن عبدالجمعی کے ہاتھ بھیجا اور تاکید کی کہ جلد تر مدینہ منورہ پہنچ کر
امیر المؤمنین کو دے دیں۔ اور زبانی مفصل حالات گوش گزار کر دیں۔

حضرت ابوبکرؓ روزانہ نمازِ فجر کے بعد مدینہ منورہ سے باہر شام کے راستے پر تشریف
لے جایا کرتے تھے تاکہ نامہ بر کو سب سے پہلے مل سکیں۔ عبدالرحمٰن نے جب آپ کو دیکھا
تو ناقہ ہی سے اتر کر سلام کیا اور خط پیش کیا۔ حالاتِ فتح بیان کئے۔ آپ سنتے ہی
فوراً سربسجود ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا فرماتے رہے۔ پھر خط کھول کر پڑھا۔ اور
مسلمانوں کے مجمع میں یہ خط باآوازِ بلند سنایا۔ اور مجاہدین کی کمک کے لئے لوگوں کو
جہاد پر جانے کی دعوت دی۔ اطراف و جوانب سے لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے
اہلِ مکہ میں تو اس کا بہت چرچا ہوا۔ اور وہاں سے بہت سے لوگ جہاد کے لئے
مدینہ آ گئے۔ یزید ابی سفیانؓ بن حرب بھی تھے، جس نے ابی سفیانؓ سے کہا کہ
[illegible] عمرؓ نے [illegible] اہلِ قریش [illegible] فخر [illegible] ہے۔ لیکن
[illegible] ابو سفیانؓ [illegible]
[illegible] کی خدمت میں حاضر ہوتے، اس وقت حضرت [illegible]
[illegible] آپ لوگوں کو اور خلیفۂ رسول اللہ [illegible]
[illegible] اللہ کی [illegible] سونپ چکا ہوں [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ

کا شکر ادا کیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو اس مضمون کا خط روانہ فرمایا۔

بجانب۔ خالدؓ بن ولید و جمیع مسلمان مجاہدینِ شام۔ من جانب۔ ابوبکرؓ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ السلام علیکم۔ اما بعد حمد و ثنا اللہ تعالیٰ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور بعد درود بر نبی اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہر حالت میں خواہ وہ پوشیدہ ہو یا ظاہر تقویٰ اختیار کرنا۔ مسلمانوں سے نرمی کا سلوک کرنا۔ ان کی استعداد کے مطابق ان سے کام لینا۔ ان کی برائیوں سے درگزر کرنا۔ اور ہر کام میں اُن سے مشورہ لینا۔ یہ نیرا حکم ہے۔

مجھے یہ سُن کر بے حد خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تمہاری مدد فرمائی اور تم کو فتح و نصرت عطا کی، اور کفّار کو ہزیمت نصیب کی۔ اب تم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر آگے بڑھتے چلے جاؤ۔ حتیٰ کہ شام کا شاداب علاقہ تمہارے قبضے میں آجائے۔ اس کے بعد حمص اور عراق کی طرف بڑھو۔ اور یہاں فتح پانے کے بعد انطاکیہ کی جانب پیش قدمی کرو۔ میں تمہاری مدد کے لئے یمن، نجع، اور مکہ کے مجاہد بھیج رہا ہوں۔ عمرابن معدی کرب اور مالک اشتر کو تمہاری مدد کے لئے اور مشورے کے لئے بھیج رہا ہوں، وہ مددگار اور کار آمد ثابت ہوں گے۔

جب تم انطاکیہ پہنچو گے تو ہرقل قیصر روم وہاں ہوگا۔ اگر وہ تم سے مصالحت کرنا چاہیں تو صلح کر لینا اور اگر لڑائی کے لئے آمادہ ہو تو جنگ کرنا۔ جب تک میں تم کو اجازت نہ دوں۔ بڑے پہاڑی شہر اور ان کے درّوں میں نہ جانا۔ ہر ایک کی موت قریب ہے۔ کُلُّ نفسٍ ذائقۃ الموت۔ تم پر اور تمہارے ساتھیوں پر سلام و رحمت اللہ و برکاتہ"۔

یہ خط سر بمہر کر کے عبدالرحمٰن بن حمید کو دیا کہ جلد تر ین خالدؓ تک پہنچا دے۔

اسباق

مناسب ہے کہ ہم چند باتوں پر غور کریں اور تشنۂ وضاحت امور پر بحث کر کے نتائج کا استنباط کریں۔

۱- اخلاقی نقطۂ نظر

میدانِ جنگ ہی ایک ایسا مقام ہے جہاں موت اور زندگی کی کشمکش رہتی ہوتی ہے - زیست و حیات کی بازی لگتی ہے - اس لئے موت کے تصور اور اس کی یاد سے شاید ہی زیادہ کوئی چیز ہو جو انسان کو خدا کی طرف رجوع کر سکے - رومانی سپہ سالار اگرچہ بے حد سیاہ دل اور متکبر شخص تھا - مگر اسلامی لشکر کے صفاتِ حسنہ سُن سُن کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا - اسلامی اخوت، اسلامی مساوات نے اس کے دل میں ہیبت پیدا کر دی تھی - اس کے ہوش و حواس بجا نہ رہے، اس کے حزم اور شجاعت نے سپر ڈال دی، ورنہ ناممکن تھا کہ ایک بہت بڑا سپہ سالار جو اپنے اشارۂ چشم سے ڈیڑھ لاکھ انسانوں کو آگ اور خون کے سمندر میں غرق ہونے پر آمادہ کر سکتا تھا - کسی معمولی شہری، یعنی داؤد نصرانی کو اپنے نہایت اہم راز سے واقف کر دیتا - دریں وہ راز تھا جس کے افشا پر خود اس کی موت اور زندگی کا انحصار تھا - در آخر کار اسی راز کے افشا ہو جانے سے اُسے سزائے موت نصیب ہوئی -

۲- ایمانِ محکم

رومیوں اور ایرانیوں کے اور مسلمانوں میں علی الترتیب یہ فرق تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ فتح و شکست محض ان کی قوت، کثرت تعداد، اور تدبیر پر منحصر ہے - اور یہ چیزیں قوانینِ الٰہیہ کے مطابق ہیں -

مگر خالدؓ کا نظریہ بالکل مختلف تھا۔ وہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے اور اُس کی مدد اور تائید کے خواستگار ہوتے۔ مگر تدبیر عمل میں لاتے وقت ایسی تدابیر پر عمل پیرا ہوتے کہ دشمن حیران و ششدر رہ جاتے تھے۔ دشمن ہمیشہ یہی سوال کرتے رہے کہ خالدؓ نے یہ کب اور کیسے کر لیا۔

اللہ تعالیٰ پر جو بھروسہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد کرتا ہے خصوصاً جبکہ وہ شخص کسی وقت بھی اس کی یاد سے غافل نہ رہتا ہو۔

خالدؓ تمام کامیابیوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب فرماتے تھے۔ وہ ہمیشہ یہی کہتے اور لکھتے کہ "اللہ تعالیٰ نے یہ کیا" دشمن کو بھی یہی لکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نظام میں خلل ڈال، اللہ تعالیٰ ہی نے تمہاری شان و شوکت مٹائی ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے تدابیر کرنے کا حکم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تائید طلب کرنا فریضہ ایمان ہے۔ محض تقدیر پر بھروسہ کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنا شعار اسلام کے قطعی خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (قرآن) (بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کو نہیں بدلتے جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلے) پس تدبیر کرنے کا حکم ہے۔ جہاد بھی جہد و تدبیر سے مشتق ہے۔ اور جو لوگ جہد و تدبیر کرتے ہیں ان پر نوازشہائے الٰہی نازل ہوتی ہیں۔

۳۔ عزم و ثبات

خالدؓ جب وفاعی منصوبہ بنا لیتے تو انتہائی بے باکی، عزم و ثبات کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوتے۔ انہیں خدا پر کامل یقین ہوتا اور ناکامیابی کا خوف ان کے پاس تک نہیں پھٹکتا تھا۔

۴۔ برشنا کشتی

خالدؓ نے ہر دفاعی منصوبے میں جابرین کے ساتھ مدد کی جفاکشی پر بھروسہ کیا۔ ان کے ماتحتوں نے ہمیشہ اس حق کا احترام کیا اور اسے برقرار رکھا۔

۵ - دلیری و بے باکی

خالدؓ میدانِ جنگ میں بے حد نڈر اور بے باک تھے۔ موت ان کے قریب آنے سے ڈرتی تھی۔ دشمن ان کی بے باکی سے ہراساں تھے۔ ان کی دلیری سے رومی سہمگیں تھے۔ اور وہ خالدؓ کو فرشتہ موت تصور کرتے۔ خالد انتہائی نازک حالت میں بھی اپنے ماتحتوں میں نئی روح پھونک دیتے تھے۔ جہاں وہ اشارہ کرتے ان کے ماتحت وہاں پہنچ جاتے۔

۶ - اعتمادِ نفس

خود خالدؓ میں زبردست اعتمادِ نفس تھا۔ اور وہ اپنے ماتحتوں میں بھی یہی جذبہ پیدا کر دیتے تھے۔

نگاہِ دُور بین

خالدؓ جب حریف کے نمائندوں، سفیروں اور اسیرانِ جنگ سے باتیں کرتے تو مخاطب کے وقت یہ لوگ خالدؓ کی آنکھوں سے ڈرتے تھے۔ ان پر خوف طاری ہو جاتا اور وہ سچی سچی باتیں بیان کر دیتے تھے۔ خالدؓ کا انداز نرالا تھا اور جتنے سادگی کو چھپائے ہوئے رہتا تھا۔ ان کا صرف اس قدر کہہ دینا کہ ہم ریاکاروں کی ریاکاری سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے کافی ہوتا تھا اور وہ خالدؓ کو صحیح صحیح حالات سے آگاہ کر دیتے تھے۔

خالدؓ کے دل میں خوف

انہیں ہر لمحہ دو باتوں کا خوف تھا

۱۔ خوفِ خدا

۲۔ خلیفۂ رسولؐ کی خوشنودی کا خیال۔

اس لئے وہ تمام صحابیوں کی عزت کرتے تھے تاکہ آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد خلیفہ کی خوشنودی حاصل ہوتی رہے۔ ان کے دل میں آنحضرتؐ کی اس قدر محبت تھی اور اتنی عقیدت تھی کہ انھوں نے اپنے خود میں آنحضرتؐ کے چند بال رکھ لئے

تھے۔ تاکہ ان کی برکت سے وہ غالب رہیں اور دشمن کے حملوں سے محفوظ و مامون رہیں۔
یہ حسنِ عقیدت تمام عمر رہی۔

دفاعی اسباق

مقصد اور نصب العین کا لحاظ (MAINTENANCE OF THE OBJECT)

مغرب کے مبصرینِ دفاع نے اس اصول کو اوّل جگہ دی ہے کہ "ہر لڑائی میں وہ خواہ وہ چھوٹے پیمانے پر ہو یا بڑے پیمانے پہ کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہر سالار کا چاہیے وہ چھوٹے سے دستے پر حاکم ہو یا بہت بڑے لشکر پہ، فرض ہے کہ جب وہ اپنا ایک مقصد متعین کرے تو اس کے حصول کو امر لازم سمجھے اور کسی حالت میں اور کسی بھی لالچ میں نہ پڑ کر حصولِ مقصد کو نظر انداز نہ کرے۔"

خالدؓ کو بسرعتِ ممکنہ شام پہنچنا تھا نیز وہ اس علاقے کو دیکھنا چاہتے تھے جسے دشمن نے دشوار گزار سمجھ کر بلا کسی حفاظت کے چھوڑ رکھا تھا۔ ان کا مقصد تھا کہ ہرقل کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اسلامی حملہ کہاں ہوگا، کب ہوگا۔ دمشق شام کا صدر مقام تھا۔ دفاعی اور تجارتی لحاظ سے بھی اس کو بہت بڑی اہمیت حاصل تھی۔ لہٰذا خالدؓ کو یقین تھا کہ ہرقل اس کو بچانے کے لئے زیادہ سے زیادہ فوجیں بھیجے گا۔

خالدؓ نے یہ دفاعی منصوبہ بنایا تھا کہ جب ہرقل کے یہ لشکر دمشق کو بچانے کے لئے ہر طرف سے چل پڑیں تو وہ ہرقل کے دفاعی مرکز وادیٔ یرموک میں جمع ہونے والے لشکروں پر اس وقت حملہ کرے گا جبکہ یہ امدادی لشکر ایک دوسرے سے بے تعلق دمشق کی طرف روانہ ہو رہے ہوں۔ اسی طرح خالدؓ کا منشا تھا کہ ہرقل کے متفرق لشکروں کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے جو قدم انہوں نے اٹھائے ان میں عزم و استقلال تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہرقل کے لشکر بے بس ہو گئے

وردان کے لشکر کی شکست کے بعد تو اس پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب جلد وہ دمشق کو بچانے کی سعی و کوشش کرے گا۔ خالدؓ نے اپنی حرکات سے یہ خیال ہرقل کے دل میں دیر تک بٹھا دیا تھا اور ہرقل اب خالدؓ کو

مع اپنے لشکر کے دمشق کے سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے سمجھ رہا تھا کہ خالدؓ دمشق کو نسبتاً آسانی سے فتح کر لیتا۔ مگر انھوں نے اسے کبھی ملتوی کر دیا۔ اور لبنان و دیگر علاقوں کا تخلیہ کر دیا۔ کیونکہ اُن کا اوّلین مقصد ہرقل کے لشکروں کو تباہ کرنا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ان افواج کو ختم کر دینے کے بعد تمام شہر بڑی آسانی سے فتح کئے جا سکتے ہیں اور ان کی رائے بہت صائب تھی۔

اکثر مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو رائے دی کہ اوّل دمشق فتح کر لیا جائے۔ لیکن کیا حضرت ابوعبیدہ جیسے فاتح جرنیل اس دفاعی اصول سے ناآشنا تھے جس پر ہم ہرگز باور کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ ان مؤرخین کی خوش فہمی ہے یا اسے اصولِ جنگ سے ناواقفیت پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ خالدؓ اور ابوعبیدہؓ ایک جان اور دو قالب تھے۔ یہ ایک حقیقت تھی۔ جسے کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا ہم اس بیان کی تردید کرتے ہیں۔

رازداری (SECRECY)

رازداری کے معنی یہ ہیں کہ سالار اپنا مقصد اور اس کے حصول کی تدبیر یا اس قسم کے امور انتہائی راز میں رکھے تاکہ دشمن ان سے محض ناآشنا رہے۔ اور ان کے خلاف اچانک کارروائی کی جا سکے۔

چونکہ رازداری کے موقع بہت کم ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی غفلت سے نہیں بلکہ ... ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے لازمی ہے کہ ایسے موقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے۔

[illegible]

کرنا، پھر بصرہ کا قلعہ فتح کرنا، دروان کے لشکر کو تباہ کرنا، پھر دمشق کا محاصرہ چھوڑ کر خفیہ طور پر اجنادین پہنچ جانا، وہ بہترین مثالیں ہیں جن کی تقلید نہایت ضروری ہے۔ یہ یاد رہے کہ ہرقل نے وادیٔ یرموک اور فلسطین میں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ فوجیں محض اسلامی فوجوں کی نقل و حرکت روکنے کے لئے متعین کر دی تھیں۔ ان حالات میں بھی خالدؓ کی فوجیں جو چالیس ہزار کے قریب تھیں۔ مختلف مقامات سے اور مختلف سمتوں سے چل کر اجنادین میں جمع ہو گئیں۔ اور رومی یہ کہتے رہ گئے کہ "یہ انسان ہیں یا جن؟ کہاں سے آ گئے؟ کیسے آ گئے؟ اور اب ان کا ارادہ کیا ہے؟"

اِس قسم کی نقل و حرکت نے رومی لشکر میں احساسِ کمتری پیدا کر دیا تھا۔ اور یہ اخلاقی و ذہنی کمزوری آخر کار رنگ لا کر رہی۔ میدان کارزار میں شدید معرکہ آرائی کے بعد اور رومی سالار کے ہلاک ہونے سے رومی لشکر کی ہیبت و شوکت ریت کے بنے ہوئے محل کی طرح گر گئی۔

ذہنی شکست کا اثر بہت گہرا اور دیرپا ہوا کرتا ہے۔ ذہنی شکست کو پہلی بار آنحضرت صلعم نے دنیا کے بہترین دفاع کے سامنے صلح حدیبیہ کے وقت پیش کیا اور قرآن حکیم نے اسے "فتح مبین" قرار دیا۔ اسی ذہنی شکست نے خالدؓ اور عمروؓ بن عاص کو نبی کریم صلعم کا حلقہ بگوش بنا دیا تھا اور خالد ذہنی شکست کے اثر سے کماحقہ، واقف تھے۔ اور اب انھوں نے یہ مجرب حربہ اپنے دشمنوں پر استعمال کیا اور کامیاب ہوئے۔

دفاعی نقل و حرکت کی اہلیت (MOBILITY)

مغربی دفاعی مبصرین کے نقطہ نظر سے :-

دفاعی نقل و حرکت کا انحصار صرف ان امور پر نہیں ہے کہ فلاں لشکر بہت طویل فاصلے بلا تکان یا بسرعت ہمتی طے کر سکتا ہے یا اس تمام لشکر یا اس کے کسی خاص دستے کے پاس ایسے اسلحہ اور ذرائع موجود ہیں کہ دشمن اس لشکر کی دفاعی نقل و حرکت میں مزاحم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کا انحصار ان امور پر ہے :-

(الف) - سالارِ لشکر صحیح الدماغ ہو اور سرعت سے مناسب احکام جاری کرنے کی قابلیت رکھتا ہو۔ ماتحت افسروں میں حکم برداری، یک جہتی، اعتماد باہمی کا جذبہ موجود ہو۔

(ب) - احکام اور فیصلوں پر جلد از جلد عمل درآمد کرنے کے لئے اس لشکر کے پاس قابلِ اعتماد ذرائع موجود ہوں۔

(ج) اس لشکر کے تمام عہدے دار اور سپاہی ان احکام پر عمل کرنے کی اہلیت اور تربیت سے متفق ہوں۔

(د) لشکر کے سالاروں میں ایسی قابلیت ہو کہ وہ اپنے لشکر کے مختلف حصے کب، کہاں، اور کس طرح استعمال کر سکیں گے۔ کہاں فوج نہ بھیجنے سے سالار کے ہاتھ میں محفوظ فوج رہ سکتی ہے۔ میدانِ جنگ کے مختلف دستوں کی حفاظت اور ان کا استحکام اور کن باتوں کو راز میں رکھنا چاہئے وغیرہ ایسی باتیں ہیں جو تجربہ اور فنی شعور کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتیں، اور یہی وہ باتیں ہیں جو سالار کو مکمل لیڈر بنانے کے لئے ضروری ہیں۔

اب آپ متذکرہ امور کا از سرِ نو مطالعہ کیجئے اور غور کیجئے کہ خالد؄ اور دوسرے اسلامی سالار اور اسلامی مجاہدین میں یہ تمام اوصاف موجود تھے۔ وہ سبک رفتار بھی تھے۔ برق وش بھی تھے۔ احکام بجلی کی سی تیزی سے تمام لشکر میں پہنچتے تھے۔ وہ جفاکش بھی تھے۔ مگر اس کے ساتھ ہی آرام کی زندگی سے ناآشنا محض نہیں تھے جہاں رومی ایک ہزار آدمی بھیجتے تھے وہاں خالد؄ ایک سو آدمی روانہ کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ متواتر اسلامی فتوحات کے باعث مسلم لشکر کو ناقابلِ تسخیر تصور کیا جاتا تھا۔ اگرچہ رومیوں کو اپنے ہتھیاروں و گھوڑوں پر بڑا ناز تھا مگر وہ ان ہتھیاروں کے صحیح استعمال سے نابلد تھے۔ ان کے جانور اپنے مالکوں کی آرام طلبی کے باعث ناکارہ ہو گئے تھے۔ انہیں اپنی تعداد پر گھمنڈ تھا، اور خالد؄ کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ تھا۔ اور وہ اپنے مجاہدین کے جذبہ جہاد پر پورا اعتماد رکھتے تھے

رومی افسروں میں یک جہتی مفقود تھی، کیونکہ وہ لالچ اور حسد میں پھنس گئے تھے اور انہیں کمزوریوں نے ان کی فوج کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔ ہر چند ہرقل کے حکم سے یہ لوگ اپنا لشکر لے کر دشمن کے مقابلے کے لئے جاتے مگر رفتار بہت سست اور جوش و خروش مفقود ہوتا تھا۔

ہرقل بحیثیت سالارِ اعظم

۱۔ اکثر مصنّفین نے ہرقل کو بیوقوف، ناقص العقل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے مگر واقعی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا قابل اور انتہائی بیدار مغز جرنیل تھا۔ نپولین اس کی بجنسہٖ نقل تھا۔ عنفوانِ شباب میں نپولین کمال بے باک و جنگجو سپہ سالار تھا۔ چونکہ حسبِ موقع ہر جگہ پہنچ کر حالات پر قابو پا لیتا تھا۔ اس لئے ہمیشہ فتح یاب ہوتا چلا گیا۔ لیکن کثرتِ فتوحات اور مال و دولت کی فراوانی نے اسے عشرت پسند بنا دیا۔ نسوانی حسن و جمال اور نفس پرستی کا اس پر غلبہ ہو گیا۔ اور اب وہ عورتوں کی صحبت میں شب و روز رہنے اور دادِ عیش دینے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہی نپولین جو گھوڑوں کی ڈاک بٹھا دیتا تھا۔ میدانِ جنگ کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جس جگہ دشمن کا حملہ شدید دیکھتا بنفسِ نفیس گھوڑا دوڑا کر وہاں پہنچ جاتا اور دشمن کی دفاعی چالوں کو مات دے دیتا۔ اب وہی فاتح نپولین نہایت آرام دہ گاڑی میں سفر کرتا۔ اور ملکہ حسن ان کے پہلو میں ہوتی اور اس حسینہ کی تفریحِ خاطر کے لئے عیش و طرب کی زیادہ ضرورت ہوا کرتی۔

بعینہٖ یہی حالت ہرقل قیصرِ روم کی تھی۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ درست ہوگا کہ تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا تھا۔ کیونکہ جوانی میں ہرقل نے ایران، ترک، ہن، حملہ آوروں کو پے در پے شکستہائے فاش دی تھیں۔ انہیں جنبش تک بھی سے نہیں لگنے دیا تھا۔ بلکہ مطیع و منقاد بنا لیا تھا۔ لیکن یہی ہرقل جب ایک یونانی دوشیزہ مارٹینا سے شیفتہ ہوا تو اس کے حسن جگر سوز کا غلام بن کر دادِ عیش دینے لگا، میدانِ رزم سے نکل کر بزمِ عیش و عشرت میں پہنچ گیا۔ اور فاتح سے مفتوح بن گیا ہے

داخل ہو چکی تھیں اور خالدؓ نے اپنے گھوڑوں کو آرام دے کر تازہ دم بھی کر لیا تھا وہ ان
سے پہلے پہنچ کر اجنادین میں مورچہ بندی بھی کر لی تھی تاکہ رومیوں کو مجبور کرے کہ وہ
لشکرِ اسلام پر اسی جگہ حملہ کریں جو مجاہدین اسلام کے موافق اور رومیوں کے ناموافق ہو۔
اگر عیش کے غلام ہرقل کی بجائے وہ پرانا نوجوان اور سپاہی ہرقل ہوتا تو معرکہ شدید
ہوتا، اور مسلمانوں کو فتح تو یقینی ہوتی کیونکہ ربّ العزت کو یہی منظور تھا مگر اس فتح کی قیمت
مسلمانوں کو بہت زیادہ ادا کرنی پڑتی۔

۳۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حالات کا صحیح جائزہ لیا تھا اور اسی لئے قابل ترین مجاہد
خالدؓ کو سپہ سالار مقرر کر کے کلی اختیارات تفویض فرمائے تھے۔

اب ہم آپ کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ آپ دوبارہ حضرت ابوبکرؓ کے جائزے
اور احکامات پر غور و فکر کیجئے تاکہ ان کی دور بین سیاست اور عسکریانہ قابلیت اور
بہترین سالارِ اعظم ہونے کی شہادت بہم پہنچے۔

۴۔ ہرقل نے ہر موقع پر نیا سالارِ اعظم مقرر کیا جسے حالات کا بغور جائزہ لینے کا موقع
نہ ملا۔ مثلاً وردان ایرانی فتوحات کے بعد نوازا گیا مگر سیاسی وجوہ کے تحت معتوب بارگاہ
ہوا، اور پھر یک بیک ہرقل نے اسے ایک لشکر کی سپہ سالاری تفویض کی، اور جب
اُسے خالدؓ کے ہاتھوں شکست نصیب ہوئی۔ تو اپنے بھائی تذارق اور دوسرے منہ لگے
جرنیلوں کو روانہ کر کے ان پر بھی اسے سپہ سالار مقرر کر دیا۔ شکست کے بعد وردان کا
ترقی پانا باعثِ تعجب تھا، اور بعد میں یہی تعجب بغض و حسد کی صورت میں ظاہر ہوا۔
یہ رومی سالار، بادشاہ کے غضب سے ڈرتے تھے۔ ان کے دلوں میں عداوت اور حسد
گھر کر چکے تھے۔ یہی وہ کمزوریاں تھیں جن کے باعث دو لاکھ کے رومی لشکر کو چالیس ہزار
مجاہدینِ اسلام کے ہاتھوں شکست نصیب ہوئی۔

۵۔ گو ہرقل اپنی غلطیوں کو سمجھ چکا تھا مگر دیر سے۔ اور اب وہ آنے والے خطرے کا
سدِ باب کرنے میں مصروف تھا۔ تاہم حضرت ابوبکرؓ کی طرح جبکہ مدینہ خطرے میں تھا خود
خود فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں نہ لی۔ ۱۹۴۲ء۔ ۱۹۴۴ء میں مارشل اسٹالین نے

بھی آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ کی تقلید کرتے ہوئے ماسکو اور سٹالن گراڈ کو بچانے
کے لئے فوجی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ اور ان دونوں شہروں کو بچا لیا تھا۔ سادہ
لفظوں میں اس کا یہ مطلب ہے کہ اسلامی لشکر کے سپہ سالار خالدؓ خود میدان جنگ میں
رہ کر اپنی فوجوں کو لڑا رہے تھے۔ اور ان کا سپہ سالار دُور سے دوسرے افسروں اور
سالاروں کو محاذ جنگ پر بھیج کر فتح حاصل کرنا چاہتے تھے۔ انجام کار خالدؓ فتحیاب
کیونکہ انھوں نے کما حقہٗ دفاعی اصولوں کی پیروی کی تھی۔

دمشق کی فتح

دمشق خوب صورت اور باغ و بہار ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت مضبوط قلعہ بھی تھا۔ شہر کے چاروں طرف زبردست فصیل تھی جس میں اگرچہ کئی چھوٹے چھوٹے دروازے تھے۔ مگر شاہ راہ کے صرف چار دروازے تھے۔ ان کے متعلق خالدؓ کا دفاعی منصوبہ یہ تھا۔

باب الشرق : اس کے مقابلے میں خالدؓ نے اپنا مستقر بنایا اور خود حفاظت کی ذمہ داری لی۔

باب الجابیہ : حضرت ابوعبیدہؓ کو اس حصے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔

باب توما : حضرت عمروؓ بن عاص اس کے سامنے تعینات ہوئے۔

باب الفرادیس : حضرت شرجیلؓ بن حسنہ اس پر متعین ہوئے۔

چونکہ خالدؓ کو اس بات کا یقین تھا کہ ہرقل قیصر روم دمشق کے لیے بالضرور کمک روانہ کرے گا، لہذا آپ نے ذوالکلاع حمیری کو فوج کا مضبوط دستہ دے کر حمص کی جانب ایک منزل کے فاصلے پر روانہ کیا تاکہ رومی کمک کو ایسی جگہ روکے اور اہلِ دمشق کو اس کی خبر نہ ملنے پائے۔ ذوالکلاع حمیری کو حکم دیا کہ کسی صورت میں بھی پیچھے نہ ہٹے اور اگر دشمن اپنی طاقت کی وجہ سے کامیاب ہوتا نظر آئے تو فی الفور کمک کے لئے درخواست کرے۔ علاوہ ازیں سب لشکروں کے سپہ سالاروں کو حکم دیا کہ ہر طرف سے محاصرہ اتنا سخت کیا جائے کہ دمشق تمام دنیا سے کٹ کر الگ ہو جائے تاکہ اہلِ دمشق کو نہ کمک مل سکے نہ اشیائے خوردنی۔ اور نہ وہ بیرونی لوگوں سے خط و کتابت و نامہ و پیام کر سکیں۔ علاوہ بر آں ضرارؓ کو دو ہزار شہسوار دیئے کہ یہ دستہ چاروں طرف دمشق کے گشت کرتا رہا۔ اور دمشق کی نقل و حرکت سے سپہ سالار کو باخبر رکھے۔

اہلِ دمشق کا دفاعی منصوبہ یہ تھا کہ :-

وہاں کی فوج قلعہ بند ہو کر شہر کے اندر اس وقت تک محصور رہے۔ جب تک قیصرِ
روم کی امدادی فوج نہ آجائے یا اسلامی فوج محاصرے سے گھبرا کر اور اکتا کر واپس نہ چلی
جائے۔ دمشق والوں کا خیال تھا کہ عرب چونکہ نہایت گرم ملک کے باشندے ہیں۔
لہٰذا وہ خیموں میں شام کے پہاڑی علاقوں کی سردی برداشت نہ کر سکیں گے۔ دمشق
چونکہ غلے کی بڑی منڈی کی حیثیت رکھتا تھا اس لئے دیر تک محصور رہنے کے لئے
قلعہ میں غلہ کافی تھا۔ روپیہ اور سامانِ حرب بھی بہت زیادہ تھا۔ لہٰذا وہ کافی مدت
تک قلعہ بند رہ سکتے تھے۔ لیکن انہیں یقین تھا کہ عرب سردی اور برف کی تکالیف
برداشت نہ کر سکیں گے اور محاصرہ اٹھا کر ایک نہ ایک دن چلے جائیں گے۔

دمشق کے محاصرے کو تین ہفتے سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ مگر ہنوز اہلِ دمشق
اور رومی لشکر میں کوئی اضطراب یا پریشانی نمودار نہ ہوئی۔ خالدؓ محاصرے کی طوالت
سے خوش نہ تھے۔ لہٰذا انہوں نے محاصرے کو سخت تر بنانے کے احکام صادر کئے
اور شہر فتح کرنے کا کوئی نیا منصوبہ سوچنے لگے۔ اسی اثنا میں حضرت ابو سفیانؓ
اور حضرت عمروؓ بن معدی کرب کے لشکر بطورِ کمک آنے کی خبر ملی تو لشکرِ اسلام میں خوشی
کی لہر دوڑ گئی

اسلامی لشکر پر شبخون

تین ماہ تک محصور رہنے اور اس دوران میں ہرقل کی جانب سے کوئی کمک نہ
پہنچنے کے باعث اہلِ دمشق کی بے چینی بہت بڑھ گئی۔ ان کا ایک وفد تھوما کی خدمت
میں حاضر ہوا۔ تھوما نے انہیں تشفی ضرور دی مگر اس کے ساتھ یہ بھی سوچا کہ اگر اس
کی طرف سے کوئی پیش قدمی نہ ہوئی تو اہلِ دمشق کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ چنانچہ
اس نے طے کیا کہ نعبات جب مسلمان نماز میں مصروف ہوں ان پر اچانک حملہ کر
دیا جائے۔ اور دوسرے دن اس نے ایسا ہی کیا مگر ضرارؓ کی مستعدی سے ...
رومیوں کی سخت شکست ہو گئی۔ اسی اثنا میں مسلمان جلد جلد تیاریاں کر کے میدانِ جنگ
میں آگئے۔ اس لڑائی میں حضرت ابانؓ جن کی شادی اجنادین کی فتح کے چند دن بعد ہوئی

تھی طوما کے تیر سے زخمی ہوئے۔ تیر زہر میں بجھا ہوا تھا، اس لئے ان کا [illegible]
ہوگیا۔ ان کی بیوی ام ابان بنت عتبہ بن ربیعہ نے جب اپنے شوہر کے شہید ہونے کی خبر
سُنی تو فوراً مردانہ لباس پہن کر انتقام لینے کی غرض سے میدانِ کارزار میں آگئی، معرکہ کی
منتظر رہی حتیٰ کہ طوما کے قریب پہنچ گئی اور تاک کر ایسا تیر مارا کہ طوما کی آنکھ میں جا لگا۔
طوما کے مجروح ہوتے ہی رومیوں میں گڑبڑ پھیلی۔ بھگدڑ مچ گئی۔ وہ ہٹتے ہٹتے شہر
پناہ کے نزدیک آگئے۔ فصیلوں پر سے منجنیقوں سے اور تیراندازوں نے مسلمانوں کو
آگے بڑھنے سے روک دیا۔ طوما جب زخمی ہوا تو مقدس صلیب اس کے ہاتھ سے گر کر
حضرت شرحبیل کے ہاتھ پڑ گئی۔ رومیوں نے اسے حاصل کرنے کے لئے قلعے سے نکل کر
بڑے حملے کئے، مگر وہ نہ مل سکی اور ناکام واپس ہوگئے۔

رات کو جب شہریوں کا وفد طوما کے پاس پہنچا اور اپنے نقصانات کا بیان کرکے
اہلِ عرب سے صلح کر لینے کا مشورہ دیا تو طوما نے کہا کہ اگرچہ میں آنکھ کے زخم سے
لاچار ہوں، مگر پھر بھی میرا ارادہ ہے کہ آج شب میں ہم مسلمانوں پر شب خون ماریں۔ وہ دن
بھر کی لڑائی سے تھک کر غافل سو رہے ہوں گے۔ نیز یہاں کے پہاڑی علاقے کے
راستوں سے ناواقف ہیں جبکہ چپہ چپہ زمین سے ہمیں واقفیت ہے۔ اور ان پر رات
میں حملہ کرنا آسان ہے۔

۱۔ چنانچہ طے پایا کہ تمام دروازوں پر دشمن کے دستوں کے مقابل مختلف فوجی دستے بنیں
۲۔ ہر شخص مسلح ہو کر اپنے سردار کے ماتحت اپنے علاقے کے دروازے سے نکل کر
انتہائی خاموشی سے میرے حکم کا منتظر رہے اور جب ہی دروازے سے ناقوس بجے
اس وقت سب دستے اپنے اپنے سامنے کے اسلامی پڑاؤ پر اچانک حملہ کر دیں۔
اور جب دوبارہ قلعے کے برج سے ناقوس بجے تو سب دستے اپنے اپنے گھر لوٹ آئیں۔
لیکن اگر کوئی دستہ اپنا کام ختم کر لے تو فوراً لوٹ کر اپنے دروازے کے پاس آ کر ٹھہر
جائے اور دوبارہ ناقوس بجتے ہی معاودت کرے۔

البتہ میرا ذاتی لشکر اسلامی فوج کو [illegible]

بلکہ تعاقب کرتا ہوا حجاز پہنچے گا، اور مدینے میں جا کر رومی جھنڈا لہرائے گا۔

طوما نے شبخون کا نہایت مخفی انتظام کیا کہ اسلامی لشکر کے جاسوسوں کو خبر نہ لگ سکی۔ اہلِ دمشق کے دستے مقررہ وقت سے بہت پہلے دروازوں کے پاس جمع ہو گئے اور ناقوس کی صدا بلند ہوتے ہی اسلامی لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ رومیوں کا یہ حملہ کارگر ہوا کیونکہ ناگہانی تھا۔ وہ مسلمان جو تہجد کی نماز کے لیے اُٹھے تھے ناقوس کی آواز سنتے ہی سنتریوں کی مدد سے سب مسلمانوں کو بیدار کرنے لگے۔ اور مسلمان بیدار بھی ہوئے مگر رومیوں کے دفعتہً حملے سے منظم نہ ہو سکے۔

خالدؓ نے عورتوں کے کیمپ پر مضبوط گارد متعین کر کے دو ہزار سوار اپنے ہمراہ لیے تاکہ تمام اسلامی پڑاؤ کا جائزہ لے سکیں اور ان کی مدد کر سکیں۔

رومیوں کو یقین نہیں تھا کہ مسلمان اتنی جلد تیار ہو کر میدانِ جنگ میں آ جائیں گے۔ ایک طرف سے خالدؓ کے شہسواروں نے للکار للکار کر کہنا شروع کیا کہ خالدؓ کا لشکر آ پہنچا۔ دوسری طرف ضرارؓ اور ان کے شہسوار نبرد آزما ہوئے، تو رومی گھبرا کر دمشق کی طرف لوٹنے لگے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ فصیلوں پر سے منجنیقوں سے باڑھ ماری گئی اور تیر اندازوں نے تیر برسائے۔ اس طرح رومی بحفاظت اندر چلے گئے۔ البتہ ضرارؓ اور خالدؓ کے شہسواروں نے بہت سے رومیوں کو ہلاک و غارت کر دیا۔ پہلے تو طوما نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، مگر جب دیکھا کہ زیادہ تر رومی قلعہ میں داخل ہو چکے تو خود بھی قلعہ کے اندر چلا گیا۔

مسلم خاتون

حضرت ام ابانؓ اپنا انتقام لینے کی غرض سے عین میدانِ جنگ میں بڑی بہادری سے لڑیں اور بہت سے رومیوں کو تیروں سے گھائل کیا۔ آخر کار چند رومیوں نے ان پر ایک دم حملہ کر دیا، اور انہیں پکڑ کر لے جانے لگے۔ اتنے میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ ام ابانؓ کی چیخیں سن کر موقع پر پہنچ گئے، رومی سواروں کو قتل کر کے حضرت ام ابانؓ کو چھڑا لیا۔

لڑائی کے بعد خالدؓ سب اسلامی کیمپوں پر باری باری آگئے، خیریت دریافت کی، اپنے کیمپ پر واپس آ گئے، اور دوسرے دن کی لڑائی کے لئے سب سالاروں کو احکام جاری کئے۔

دمشق والوں نے چونکہ خوش فہمی سے حملے کا آغاز کیا تھا اور وہ اپنے حملے کی انتہا مدینہ کی گلیوں میں دیکھ رہے تھے لہذا ان کو اپنے کامیاب حملے کا کچھ احساس نہ ہوا۔ بلکہ وہ گھبرا کر توما کے پاس آئے کہ قیصر ہرقل کو کمک کے لئے لکھے اور اگر کمک جلد نہ آئے تو مسلمانوں سے صلح کرلے۔

توما بڑا ہوشیار اور بہت چالاک شخص تھا۔ اس نے شہریوں کے وفد کو دلاسا دے کر ٹال دیا اور کہا "مجھے چند ہفتوں کی مہلت دو۔ تاکہ میں بادشاہ کو لکھ کر کمک منگا لوں"۔ اس نے قیصر ہرقل کو اس مضمون کا خط لکھا۔

"عظیم شہنشاہ قیصر روم کی خدمت میں۔

عربوں نے اجنادین کی فتح کے بعد ہمیں دوبارہ محصور کر رکھا ہے۔ میں نے ان پر کئی بار حملے کئے ہیں۔ ان حملوں میں زخمی بھی ہوا اور میری آنکھ بھی پھوٹ گئی ہے۔

حضور کی رعایا نے ہمت ہار دی ہے۔ اور عربوں کے حملوں اور محاصرے سے عاجز آکر اب میرے پاس آئے تھے کہ ان سے صلح کر کے ہم لوگ جزیہ دینا منظور کر لیں میں اب تک انتہائی کوشش سے انہیں اس ذلیل ارادے سے باز رکھ سکا ہوں میری عاجزانہ التجا ہے کہ شہنشاہ خود یہاں تشریف لائیں تاکہ حضور کے قدموں کی برکت سے دشمن تباہ ہو جائے۔ بصورتِ دیگر جلد سے جلد کمک روانہ فرمائی جائے۔ جو زبردست لشکر پر مشتمل ہو۔ آپ کا خادم داماد۔ توما"

توما نے راتوں رات ایک جانباز کے ہاتھ یہ خط شہنشاہ کے پاس روانہ کر دیا ابھی سورج نہیں نکلا تھا کہ اسلامی لشکر نے حملہ کر دیا۔ دمشق والوں نے پھر صلح کی شرائط کے لئے بہت منت کی مگر خالدؓ نے اسے رد کر دیا۔ کیونکہ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ ہرقل حمص میں لشکر جرار کے ساتھ پڑا ہے۔ اور اہل دمشق ہرقل کی کمک کے متوقع ہیں۔

ہرقل دمشق سے بے خبر نہ تھا اس نے کمک اہلِ دمشق کے لئے روانہ کردی تھی۔
مگر اسے ذوالکلاع حمیری کے دستے نے نہایت کامیابی سے روک دیا تھا۔ یہ رومی لشکر
جب آگے بڑھنے میں کامیاب نہ ہوا تو سادرونیہ (حمص) کی طرف چلا گیا۔ وہاں پڑاؤ ڈال
کر مناسب وقت کا انتظار کرنے لگا۔

اہلِ دمشق

جب ہرقل کی طرف سے کمک آنے میں مایوسی ہوئی تو اہلِ شہر کا وفد لوقا کے پاس
خفیہ مشورہ کے لئے گیا۔ طے پایا کہ رات کے وقت باب جابیہ کے امیرِ لشکر ابوعبیدہؓ
کے پاس یہ وفد جائے تیار رہنے طور پر بڑی ہوشیاری کرکے انہیں صلح پر راضی کرے۔
دمشق کے باخبر لوگوں کو معلوم تھا کہ حضرت ابوعبیدہؓ بڑے صلح کن اور نرم دل انسان
ہیں۔ ورنہ لڑائی کی قابلیت پر انہیں کوئی شبہ نہیں تھا۔ تمام ایران اور روم میں سب
لوگ ان کا نام سن کر خوف زدہ ہو جاتے تھے۔ اس لئے اہلِ دمشق بہت پریشان تھے
کیونکہ اسی دن حضرت خالد بن سعیدؓ جو حضرت عمروؓ بن عاص کے بھائی تھے شہید ہوئے
تھے۔ انہیں دمشق پر حملہ کرتے ہوئے شہادت نصیب ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے باب
توما اور باب شرقی پر جنگ کا بہت زور رہا تھا۔ اہلِ دمشق کو خطرہ تھا کہ مسلمان جلد
شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ لوقا نے اس وفد کو تاکید کی کہ یہ فیصلہ نہایت سختی سے خفیہ
رہنا چاہیے ورنہ نتائج بڑے ہولناک ہوں گے۔ نصف شب گزرتے وقت اہلِ دمشق کا یہ
وفد باب جابیہ سے اس قصد کے لئے نکلا کہ حیلہ و بہانہ سے ابوعبیدہؓ کو صلح پر راضی
کرلے۔ چونکہ رومیوں نے شب خون مارا تھا اس لئے رات کے وقت بھی اسلامی لشکر کے
گشتی دستے بالخصوص دروازوں کے پاس متعین کئے گئے تھے۔ اس دستے سے جو
باب جابیہ کے قریب متعین تھا اس سے دمشق والوں نے عربی زبان میں پکار کر کہا
کہ حضرت ابوعبیدہؓ سے ملنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس وفد کا امیر ایک پادری تھا۔ یہ
وفد حضرت ابوعبیدہؓ سے ملنے گیا۔ اور بہت جلد شرائط طے ہوگئیں۔ جن میں سرفہرست
یہ تھا کہ یہاں کے گرجے کو محفوظ رکھا جائے اور تمام اہلِ شہر کو امان دی جائے۔

اتفاق کی بات کہ اسی رات کے پچھلے حصے میں خالدؓ کے لشکر کے گشتی دستے نے
ایک رومی کو شہر کی فصیل کے باہر پکڑ کر خالدؓ کے روبرو پیش کیا۔ اس رومی نے بتایا کہ
میں ایک پادری ہوں۔ غار کھود کر شہر سے باہر آیا ہوں۔ اگر میرے اہلِ وعیال کو امان
دی جائے تو میں اسلامی لشکر کو اسی غار کے راستے سے قلعہ میں پہنچا دوں۔ جب یہ
لوگ اندر داخل ہو جائیں تو دروازے توڑ کر باقی لشکر کو اندر بلا لیا جائے۔ خالدؓ نے
پادری کی شرط منظور کر لی اور سو جانباز مجاہد اس کے ہمراہ روانہ کر دیئے۔ باقی لشکر کو
خاموشی سے باب شرق کی سمت بڑھنے کا حکم دیا۔ قرار پایا کہ جب یہ سو جانباز
قلعہ کے اندر سے نعرۂ تکبیر بلند کریں تو اس اشارے پر باب شرق پر حملہ کر دیا جائے

پادری ان مجاہدینِ اسلام کو لے کر اندر پہنچ گیا۔ اور مجاہدین نے ذرا سی دیر میں
دروازے کے محافظین پر قابو پا لیا کیونکہ وہ شراب میں مخمور پڑے تھے۔ دروازے کی
زنجیریں کاٹ کر اسے کھول دیا گیا۔ نعرۂ تکبیر بلند ہوا۔ اور خالدؓ معہ اپنے لشکر کے اندر
پہنچ گیا۔ نعرۂ تکبیر نے رومیوں کو خبردار کر دیا۔ اب گھمسان کا رن پڑا اور خالدؓ دشمن
کو گاجر مولی کی طرح کاٹتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ شہر کے عین وسط میں خالدؓ نے
ایک مجمع دیکھا جس کے آگے مشعلیں جل رہی تھیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ دوسری سمت سے
اسلامی سالار پُرامن طریقے سے آگے بڑھ رہے تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت
خالدؓ سے قتل و خون روکنے کے لیے کہا کیونکہ اہلِ دمشق نے شہر شرائط صلح پر
حضرت ابو عبیدہؓ کے سپرد کر دیا تھا۔ پہلے تو حضرت خالدؓ رکے نہیں آگے بڑھتے گئے تھوڑی
دیر میں جب انھوں نے سمجھا کہ دشمن اپنی چال چل گیا ہے تو یہ طے پایا کہ تمام شہریوں کو
امان دے دی جائے۔ البتہ تھوما اور ہربیس کو یہ رعایت دی گئی کہ [illegible]
شہر بدر کر دیا جائے۔ البتہ تین دن تک یہ امان قائم رہے گی۔ یہ دونوں اپنا سامان
ہتھیار، ملازم، سب چیزیں لے جا سکتے ہیں۔

اکیلے تھوما نے اپنا سامان تین سو اونٹوں پر لادا۔ ہربیس نے بھی بہت سامان [illegible]
درحقیقت بہت سے اہلِ شہر نے اپنا قیمتی سامان ان دونوں کے حوالے کر دیا تھا۔

امن کی جگہ پہنچ جائے۔ اس طرح طوما اور ہربیس نے صلح کی شرائط سے خوب ناجائز فائدہ اُٹھایا۔ اگر کوئی مسلمان اعتراض کرتا تو حضرت ابوعبیدہؓ اُسے سمجھا دیتے، کہ یہ شرائط صلح کے مطابق ہے۔ مگر اس قدر مالِ غنیمت ہاتھ سے نکل جانے پر مسلمان دل میں خوش نہ تھے۔

طوما نہایت ہی عجلت سے شارع عام چھوڑ کر دوسرے راستوں سے حمص کی جانب بڑھا تاکہ ان تین دنوں میں مسلمانوں کی زد سے نکل جائے۔ خالدؓ کے جاسوسوں نے خبر دی کہ بوجھ کی زیادتی اور بارش کے سبب طوما پکڑا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ نہایت تیز رفتار سوار اس کا تعاقب کریں کیونکہ وہ زیادہ دور نہیں جا سکا ہے۔ اور اسے حمص کی امدادی فوج کے پاس نہ پہنچنے دیا جا سکے۔ خالدؓ نے اس تجویز کو منظور کر لیا لیکن یہ سوچ کر کہ وہاں قریب ہی ہرقل کا امدادی لشکر ہوگا۔ تعاقب کنندہ لشکر کے ساتھ خود جانے کا فیصلہ کیا۔ اس لشکر کا رہبر دمشق کا ایک باشندہ تھا جو مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا اور اس کا نام یونس رکھا گیا تھا۔

جب خالدؓ جبلہ اور لاذقیہ کی پہاڑیوں کو طے کر کے دریا کے کنارے پہنچے تو یونس نزدیک کے قریئے میں گیا کیونکہ طوما اور اس کے ہمراہیوں کا کوئی پتہ نہ چلا تھا۔ چونکہ اس جگہ بھی بہت خطرہ تھا، آگے بڑھنا مناسب نہیں تھا۔ لہٰذا یونس اکیلا اس گاؤں میں گیا۔ تاکہ رومی لشکر کے حالات معلوم کرے۔ وہاں اسے خبر ملی کہ ہرقل کو دمشق کے ہاتھ سے نکل جانے کا بہت صدمہ ہے اور اس نے طوما اور ہربیس کو حمص آنے سے منع کر دیا ہے کہ مبادا لشکریوں پر بُرا اثر پڑے۔ اور انہیں حکم دیا ہے کہ وہ قسطنطنیہ چلے جائیں۔ یونس کو گاؤں والوں نے یہ بھی بتایا کہ اس پہاڑ کی دوسری جانب انطاکیہ ہے۔ جہاں ان دنوں ہرقل بہت بڑا لشکر لئے پڑا ہے۔

حضرت خالدؓ نے آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا اور واپسی کی راہ ایسے طریقے سے متعین کی کہ ایک طرف تو ہرقل کے لشکر سے دوری ہو جائے اور دوسری طرف انطاکیہ کے متعلق صحیح صحیح اندازہ لگا سکیں۔ کیونکہ ان کا قیاس تھا کہ ہرقل نے لوگوں کو اپنے

سے دُور رہنے کا جب حکم دیا ہے تو وہ ضرور اپنے لشکر اور لوقا کے قافلے کے درمیان پہاڑ کو حائل رکھے گا۔

خالدؓ کا قیاس صحیح نکلا۔ کیونکہ دوسرے دن یونس خبر لایا کہ اس نے لوقا کے قافلے کو دیکھ لیا ہے۔ اور وہ بارش میں بھیگنے کے باعث ایک میدان میں پڑے ہوئے سستا رہے ہیں۔ اور سب لشکری اس کو جائے امن سمجھ کر محوِ استراحت ہیں۔ خالدؓ نے نہایت تیزی سے کوچ کیا اور چشمِ زدن میں انہیں جا لیا۔ لوقا اور ہربیس کے آدمیوں نے عربوں کو آتے دیکھ لیا تھا۔ لہٰذا گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ لوقا مارا گیا۔ اس کی بیوی گرفتار ہو گئی، اور ہربیس بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

خالدؓ نے مالِ غنیمت تو لڑائی کے بعد فی الفور روانہ کر دیا تھا۔ اب فوج کو واپسی کا حکم دیا۔ اور خود ہربیس کے تعاقب میں روانہ ہوئے، اُسے جا لیا۔ اور گرفتار کر کے [illegible]

جب خالدؓ کا یہ لشکر بین جعفیر یا مرج حکیمہ کے قریب پہنچا تو ان کو خبر دی گئی کہ ایک بڑا سوار دستہ نہایت تیزی سے اسلامی لشکر کے عقب میں آ رہا ہے۔ اور یہ لوگ رومی معلوم ہوتے ہیں۔

خالدؓ نے یونس کو بلا کر حکم دیا کہ جاؤ اور اس گروہ کے آنے کا مقصد دریافت کر کے آؤ۔ یونس کے ہمراہ ایک لڑیٹ رومی سردار آیا اور اس نے اپنے آپ کو قیصر کا ایلچی بتایا۔ اس نے قیصر ہرقل کی طرف سے التجا کی کہ لوقا کی بیوی چونکہ قیصر روم ہرقل کی بیٹی ہے اس لئے آپ جس قدر زرِ فدیہ چاہیں لے لیجئے اور اسے رہا کر دیجئے یا ہدیتاً چھوڑ دیجئے۔

خالدؓ نے ایلچی سے کہا چونکہ یہ قیصر کی بیٹی ہے اس لئے اسے بلا فدیہ [illegible]

جب خالدؓ کا لشکر واپس دمشق آیا تو اسلامی لشکر میں بڑی خوشی منائی گئی تمام مالِ غنیمت تقسیم کیا گیا۔ خمس دربارِ خلافت میں روانہ کیا گیا۔ اور دمشق کے [illegible] مالِ غنیمت کے متعلق چونکہ شک تھا لہٰذا اس کے متعلق خلیفہ سے فیصلہ کی درخواست کی گئی۔ خالدؓ نے اس واقعہ کے متعلق دربارِ خلافت میں حسبِ ذیل عریضہ تحریر فرمایا۔

"امیرالمؤمنین کی خدمت میں السلام علیکم - میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہوں - اور اس کے برگزیدہ رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں - امابعد عرض کرتا ہوں کہ بحمد اللہ تعالیٰ دمشق ہمارے ہاتھ آگیا ہے -

باب شرقی کی طرف سے یہ شہر بنصرت الٰہی بزور شمشیر ہمارے قبضے میں آگیا ہے ہم ابھی مرکز تک پہنچ چکے تھے - جہاں ابوعبیدہؓ سے میری ملاقات ہوئی - ابوعبیدہؓ باب جابیہ پر متعین تھے - ان کے ساتھ دشمن نے فریب کر کے اس دروازے کو کھول کر ان سے صلح کر لی - اس لئے ابوعبیدہؓ نے مجھے منع کر دیا کہ میں کسی کو قید یا قتل نہ کروں - ابوعبیدہؓ کے ساتھ پادری اور بستی کے نائب موجود تھے - بادشاہ ہرقل کا داماد توما اور ہربیس کو بھی ابوعبیدہؓ نے بمعہ سامان لے جانے کی اجازت دی اور تین دن کی امان دی کہ وہ شہر سے نکل کر چلے جائیں - اور تمام اہل شہر کو انہوں نے امان دے دی تھی - میں نے تین دن کے بعد توما اور ہربیس کا تعاقب کر کے مرج الدیباج کے پاس جا پکڑا اور انہیں قتل کر دیا - قیصر ہرقل کی لڑکی کو حراست میں لے لیا - مگر بعد ازاں ہرقل کے ایلچی نے سفارتی دورہ پر سفارش کی چنانچہ اس لڑکی کو بغیر فدیہ کے چھوڑ دیا گیا - آپ کے حکم کا منتظر ہوں کہ دمشق والوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے - والسلام "

یہ خط عبداللہ بن قرط عربی کے ہاتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیجا گیا - اور کہا کہ تمام حالات زبانی بھی عرض کر دے -

جب یہ خط مدینہ منورہ پہنچا تو حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو چکا تھا - اور حضرت عمرؓ مسند خلافت پر متمکن تھے - آپ نے خط کا سرنامہ پڑھ کر فرمایا کہ مسلمانوں کو دمشق میں حضرت ابوبکرؓ کے انتقال کی خبر نہیں ہوئی ہے - اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے جو خط ابوعبیدہؓ کو لکھا تھا وہ ابھی تک انہیں نہیں ملا - خط کا مضمون تھا - "عمر بن الخطاب خلیفہ رسول اللہ کی طرف سے ابوعبیدہؓ بن جراح کے نام - میں نے تمہیں شام کی مہم کے لئے افواج اسلامیہ کا امیر مقرر کیا اور خالدؓ بن ولید کو اس عہدے سے معزول

کیا۔ والسلام"

یہ خط حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن قرط کے سپرد کیا۔

حضرت عمرؓ پر حملہ

قیصر ہرقل نے جب حضرت عمرؓ کی خلافت کا حال سنا تو وہ بہت خائف ہوا کہ یہ خلیفہ بہت سخت گیر ہے۔ لہٰذا کسی نہ کسی طریق سے اُسے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ اُس نے یہ کام ایک نصرانی عرب طلیعہ بن ماران کے سپرد کیا اور کامیابی پر منہ مانگا انعام دینے کا وعدہ کیا۔

ہرقل نے طلیعہ کو بتایا کہ خلیفہ عمرؓ بلا کسی خدشے اور محافظت کے تن تنہا شہر کی گلیوں اور نواح میں گھومتے ہیں۔ لہٰذا یہ کام مشکل نہیں ہے۔ نصرانی مدینہ پہنچا۔ خلیفہ ثانی کے قتل کی گھات میں لگا رہا۔ مگر جب اس نے حضرت عمرؓ کی زندگی کے حالات پوشیدہ دیکھے اور سنے تو اپنی آمد کا سبب حضرت عمرؓ پر ظاہر کر دیا اور مشرف با سلام ہو گیا۔

حضرت عمرؓ نے اسی وقت حسبِ ذیل خط ابو عبیدہؓ کو لکھا جسے تمام مسلمانوں کو جمع کر کے سنا بھی دیا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میں تعریف کرتا ہوں اُس خدائے واحد کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور درود بھیجتا ہوں اس کے برگزیدہ نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جس نے ہم مسلمانوں کے امور پر مامور کیا ہے۔ تم اس میں شبہ نہ کرو۔ کیونکہ نیک کام اور امر نہی میں خدا کے بندے شرم نہیں کرتے۔ میں تمہیں خدا سے ڈرتے رہنے اور تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔

میں نے تمہیں حضرت خالدؓ کے لشکر کا امیر مقرر کیا ہے تم انہیں اطاعت کی تلقین کرو۔ [illegible] لشکر کبھی اپنے ماتحت لے کر مسلمانوں کو مال غنیمت کی امید نہیں دلاتے ہیں [illegible] دشمن کے بڑے لشکر کی طرف مسلمانوں کو یہ کہہ کر "مجھے تمہاری مدد اور دشمن پر فتح کی امید ہے" مت روانہ کرو۔ دراصل نصرت اور کامرانی کی ضمانت صبر یقین اور خداوند تعالیٰ پر کامل اعتماد رکھنے پر ہے۔ بہرحال خوش فہمی کی بنیاد پر مسلمانوں

قصور نمایاں ہے۔ یعنی امیرِ لشکر نے جہاد فی سبیل اللہ کے نظریے کو چھوڑ کر دنیوی دولت کی طرف رغبت کی جس کی وجہ سے کئی مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ اور اس کی پاداش میں خالدؓ کی تنزلی وقوع پذیر ہوئی۔

خالدؓ بھی انسان تھے۔ انھوں نے غلطی کی۔ لہٰذا ان کو آئندہ احتیاط کرنے کی غرض سے فہمائش کی گئی۔

حضرت عمرؓ نے جب یہ خط مجمع عام میں پڑھ کر سنایا تو بنی مخزوم کا ایک نوجوان کھڑا ہوگیا اور اس نے خلیفۂ دوم کے اس فرمان پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا ——

"امیرالمومنین! آپ ایسے شخص کو معزول کر رہے ہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ کا خطاب عطا فرمایا اور کفّار و مشرکین کا قاتل و دافع کہا۔ لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے بھی ان کی معزولی کے لئے کہا تھا۔ مگر آپ نے اسے مسترد فرمایا اور کہا کہ "میں اس تلوار کو نیام میں نہیں ڈالوں گا۔ جسے باری تعالیٰ نے خود کھینچا ہے اور اپنے دین کی مدد فرمائی ہے۔"

اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے ایک تقریر فرمائی:۔

"معاشر المسلمین! میں نے اپنے کندھوں پر بڑی اور مقدس امانت کا بار لیا۔ اور یہ امانت ہے مسلمانوں کی صلاح و فلاح اور امورِ معیشت کی حفاظت اور نگہداشت کی۔ ہمارا وطن غیر آباد اور ہمارے ہم وطن غریب اور نادار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سے کثیر زر و مال و نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ لہٰذا اپنے فرض کی تکمیل میں ہر خاص و عام کی خیر خواہی کو ملحوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ اور جو شخص اس امانت کا اہل نہیں اس کو اس پر مقرر نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ ایسے شخص کو اس کے لئے منتخب کرنا چاہتا ہوں جس کے دل میں امانت کے پاس کی خواہش ہو۔ اور اس سے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ ہو سکے۔

میں خالدؓ بن ولید کو محض اس لئے ناپسند کرتا ہوں کہ وہ اسراف کے خوگر ہیں۔ جب کوئی سوار ان کے سامنے جہاد میں زیادہ کارگزاری دکھاتا ہے تو وہ اس کو استحقاق سے زیادہ بخشش کرتے ہیں۔ حالانکہ زیادہ مال غریبوں اور مساکین کا حق ہے جس سے وہ

محروم ہو جاتے ہیں۔

خالدؓ بن ولید فوجی مصارف کا باقاعدہ حساب روانہ نہیں کرتے۔

حضرت ابوبکرؓ کو طبعاً خالدؓ بن ولید پر زیادہ اعتماد تھا۔ لہٰذا انھوں نے انہیں امیر مقرر کیا۔ لیکن میں ان کی بہ نسبت ابوعبیدہؓ پر زیادہ اعتماد کرتا ہوں۔ اس لئے انہیں مقرر کر رہا ہوں۔ میں نے اپنی دانست میں ایک امین کو امیرِ لشکر مقرر کیا ہے۔ میں دراصل ایک چرواہے کی مانند ہوں۔ اگر میری ایک بھی بھیڑ گم ہو گئی تو مجھے اپنے خدا کو جواب دینا پڑے گا۔ مجھے اپنے فرائض کا احساس ہے ——"

یہ حقیقت ہے کہ امیرِ لشکر اور صدرِ مملکت کے درمیان کامل اتحاد باہمی اور یک جہتی ہونا ضروری ہے۔ مذہبی طریقِ عمل کے علاوہ دنیوی طریقہ انتظام میں بھی یہی اصول کارفرما ہے۔ اور ہر شخص کی طبیعت فطرتاً مختلف ہوتی ہے۔

حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کا باہمی طریقِ عمل یکساں تھا۔ جب کہ خالدؓ بن ولید اور حضرت عمرؓ کے درمیان نظریاتی فرق و امتیاز تھا۔ اس وجہ سے خالدؓ کی تنزلی اور بعد ازاں معزولی عمل میں آئی۔

اس خط میں جس دوسرے جرم کا ذکر ہے۔ اس پر ہم آئندہ تفصیلی بحث کریں گے۔

معرکۂ ابوالقدس

خالدؓ صحیح معنی میں مجاہد تھے۔ ان کے جذبات کی بلندی کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے لگایا ہے۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عبداللہؓ بن جعفر کو دیر ابوالقدس کے دیر کو تاراج کرنے کے لئے روانہ فرمایا تھا۔ جاسوس ایک نصرانی تھا جس نے غلط بیانی سے کام لیا اور دھوکہ دہی کی۔ چنانچہ عبداللہ کا لشکر بُری طرح دشمنوں کے نرغے میں پھنس گیا۔ جب اس کی اطلاع ابوعبیدہؓ کو ملی تو وہ خالدؓ کے پاس گئے تاکہ وہ عبداللہ کی مدد کے لئے جائیں۔ خالدؓ نے ابوعبیدہؓ کو جواب میں کہا —— "میں اس کے لئے ہمہ تن تیار ہوں صرف آپ کے حکم کا منتظر ہوں۔" حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا "میں تم سے یہ کہتے ہوئے

شرماتا تھا۔ اس کے جواب میں خالدؓ نے فرمایا ـــــ واللہ اگر حضرت عمرؓ کسی لڑکے
کو بھی مجھ پر امیر مقرر فرماتے تو میں اس کی اطاعت کرتا اور ہرگز اختلاف نہ کرتا۔ چہ جائیکہ
آپ جو مجھ سے قدیم الایمان اور سابق الاسلام ہیں۔ آغاز اسلام میں آپ نے مسلمانوں
پر جو احسانات کئے بہت زیادہ ہیں لہٰذا یہ کس طرح ممکن تھا کہ میں خود کو آپ سے بہتر
سمجھوں اور آپ سے آگے بڑھوں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آپ
کو امین کا خطاب عطا فرمایا ہے۔ خدا کی قسم میں نے مسلمانوں کے ساتھ رہ کر اللہ کی راہ
میں شمشیر زنی کی ہے اور اب آپ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اپنے آپ کو اسلام
اور مسلمانوں کے لئے اور اللہ کی راہ میں وقف کر دیا۔ میں بہت جلد انشاء اللہ تعالیٰ
امیر المومنین کے سامنے اپنی جاں نثاری کا ثبوت پیش کروں گا۔ خدا کی قسم میں نے کبھی
امارت کی خواہش اور سرداری کی پرواہ نہیں کی ہے۔

حضرت ابو عبیدہؓ اور مسلمانوں کو خالدؓ کی باتیں بہت پسند آئیں۔ اور سب نے
آپ کے حق میں دعائے خیر کی۔

خالدؓ ایک دم یلغار کرتے ہوئے بڑھے۔ مہیب اور شدید جنگ کے بعد [illegible]
اور مسلمانوں کو چھڑا لائے۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے ابو القدس کی فتحیابی کے حالات دربار خلافت کو ارسال کئے
اور خالدؓ کی شجاعت کی ازحد تعریف کی اور امیر المومنین سے ان کی سفارش کی۔ آئندہ
مہمات کے متعلق مشورے طلب کئے اور احکام منگائے۔

حضرت عمرؓ نے حکم دیا ـــــ تم حمص پر فوج کشی کرو۔ اور وہاں سے دور
مت جاؤ۔ اگر اہل حمص صلح چاہیں تو صلح کر لو ورنہ ان سے جنگ کرو۔ انطاکیہ کی طرف
جاسوس روانہ کرو۔ اور نصرانی عربوں سے بہت ہوشیار رہو۔

فتح دمشق اور اسباق

جب کبھی ملکوں کی سرحدوں کی حفاظت اور قلعہ بندی (چاہے وہ کسی قسم کے ہوں) کا ذکر آتا ہے۔ تو دفاعی مبصرین کی رائے میں یقیناً اختلاف ہو جاتا ہے۔ بعض تو قلعہ بندی کے حق میں ہوتے ہیں اور بعض ان کو بے کار خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ مؤخر الذکر کہتے ہیں کہ چین کے شہنشاہوں نے زمانہ قدیم میں عظیم الشان دیوار چین بنائی۔ مگر چینیوں کو یہ دیوار مغلوں کے حملوں سے نہ بچا سکی۔ ایرانیوں نے چنگیز خاں کے حملوں سے بچاؤ کے لئے قلعے تعمیر کئے مگر چنگیزی افواج کے دھاووں سے یہ قلعے ان کی حفاظت نہ کر سکے۔ فرانسیسیوں نے ۱۹۳۹ء میں میجینو لائن کے جدید قلعے بنائے تھے مگر جرمنی فوجوں کی پیش قدمی کو میجینو لائن نہ روک سکی۔ اسی طرح کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

اگر حکومت کے دارالسلطنت کو قلعوں اور مورچوں سے محفوظ کیا جائے تو یہ بھی بے معنی سوال ہے جس پر اختلاف رائے موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خواہ کتنے ہی مضبوط کیوں نہ قلعے اور دیگر استحکامات کئے جائیں جب تک متحرک اور محفوظ فوج ان کی محافظت پر معمور نہ ہو یہ بیکار ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن جب کسی استحکام اور قلعے کی حفاظت کے لئے متحرک فوج موجود ہے۔ تو معمولی قسم کے قلعے بھی پیش قدمی کرنے والے دشمن کو روک سکتے ہیں یہاں تک کہ اس ملک کی فوج بخوبی تیار ہو کر میدان جنگ میں مقابلہ پر آ کر دشمن کو مار کر نہیں بھگا دیتی۔

جب سرحدی قلعے ایسے موقعوں پر بنتے ہیں کہ حملہ کرنے والے دشمن کا راستہ روک دیں یا ایسے مقام پر بنتے ہیں کہ وہ دشمن کے پیچھے یک پہنچنے والے رسد کا انتظام ہوتا ہے تو ان کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ وہ جب یہ قلعے پہاڑی علاقے میں شاہراہ کو روکے کھڑے رہتے ہیں اور ان کے قریب دریا کے پل وغیرہ رہتے ہیں تو ان کی اہمیت

اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی ملک کی قسمت بس ملک کے انسانوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ قلعوں، مورچوں، پہاڑوں اور دریاؤں کے ہاتھ میں نہیں۔ انسانی گوشت پوست اور جرأت، حوصلہ اور جذبات کا قائم مقام سیمنٹ، چونا، پتھر اور لوہا نہیں ہو سکتے۔

مغربی دفاعی مبصر جنرل ھیملی بار بار لکھتے ہیں کہ ملک کی مشہور منڈیاں، تجارتی مراکز، تمدن اور تہذیب کے مقامات کو ضرور قلعوں سے محفوظ کر لینا چاہیئے۔ اور یورپ کے بڑے مبصر آرچ ڈیوک چارلس کا کہنا ہے کہ قلعوں کا مدعا یہ ہے کہ وہ اپنے ملک اور اپنی حکومت کو اس قدر مہلت مہیا کر دیں۔ کہ وہ تیاری کر سکیں اور ملکی فوج کو تیار ہو کر میدان میں پہنچ جانے کا موقع مل جائے۔ فرانسیسی جنرل مسینا کا قول ہے کہ قلعہ جات ملک کے لئے صرف اس حالت میں مفید ہو سکتے ہیں کہ ان قلعوں کے سالار اور فوج آخری دم تک لڑنے مرنے پر آمادہ رہیں۔ ان کا یہ بھی قول ہے کہ فوج اس وقت تک لڑتی رہے۔ کہ سپاہی بھوک کے غلبے سے مجبور ہو کر اپنے پیروں کے جوتے چبا کر کھانے لگیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ تمام تکلیفوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا جائے دمشق کی اہمیت مشہور مغربی مبصر جنرل ٹوکو نے یوں بیان کی ہے۔

اگر صلیبی لشکر دمشق کو فتح کر لیتے تو ان کی افواج مضبوط اور دشمن کی طاقت نہایت کمزور ہو جاتی۔ اسی طرح صلیبی لشکر حطین (HATTIN) کے مقام پر شکستِ فاش نہ کھاتا تو دنیا کی تاریخ بالکل دوسرے الفاظ میں لکھی جاتی۔

اسلام صرف صحرائی علاقوں تک محدود رہتا۔ یعنی اس علاقے تک جہاں بھوک زیادہ اور آبادی کم تھی۔ بالفاظِ دیگر اسلام کا خاتمہ ہو جاتا۔

قیصر ہرقل کی قابلیت اور دُور اندیشی کا اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے دمشق کی فتح کے لئے ہر بار قابل ترین جرنیل مقرر کئے اور اعانت کے لئے بار بار کمک روانہ کرتا رہا۔

لوقا بہادر بھی تھا اور فنونِ حرب کا ماہر بھی۔ اس کی عیاری اور موقع شناسی میں

معلوم نہیں۔ اُس نے اسلامی لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ دن کے وقت بھی مقابلہ آرا ہوا۔ ورنہ کمی ہونے کے باوجود رات میں ان پر شب خون بھی مارا۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اُس نے شکست کیوں کھائی ؟

اسبابِ شکست

۱۔ دمشق میں ہر طرف کے بھاگے ہوئے سپاہی اور افسر پناہ لینے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ ان کے علاوہ اِرد گِرد کے لوگ بھی وہاں آن کر پناہ گیر ہوئے تھے۔ ان شکست خوردہ ذہنوں کے آدمیوں نے اسلامی عساکر کی بہادری کے افسانے بہت بڑھا چڑھا کر اس لئے بیان کئے تھے کہ اہلِ دمشق انہیں بنظرِ حقارت نہ دیکھیں۔ نپولین کا قول ہے کہ اخلاقی طور سے گرے ہوئے لشکر کے تین آدمی با اخلاق دشمن کے ایک آدمی سے مات کھا جاتے ہیں۔ دراصل ان بھگوڑے رومیوں نے اہلِ دمشق کو ذہنی شکست کا شکار بنا دیا۔

۲۔ لوقا کا مدِ مقابل خالدؓ تھا۔ جو نہ محض قابل، ہوشیار، اور بے باک تھا۔ بلکہ دشمن کی ہر نئی چال کو خوب سمجھتا تھا۔ مثلاً دمشق پر محاصرہ کرتے وقت خالدؓ نے ایک زبردست دستہ ایسی جگہ متعین کیا۔ جہاں سے دشمن کو کمک پہنچنے کا یقین تھا۔ اور ہوا بھی ایسا ہی۔ دشمن کی کمک اسی راستے سے آئی۔ مگر اسلامی فرستادہ دستہ حائل ہو گیا۔ لہٰذا وہ آگے نہ بڑھ سکی۔

۳۔ خالدؓ نے محاصرہ اتنا سخت کر دیا تھا کہ نہ دمشق ہر وقت اپنے مخبر رومی حکومت تک روانہ کر سکتا تھا۔ اور رومی جاسوس بڑی مشکل سے اسلامی لشکر میں باریاب ہو سکتے تھے اور خالدؓ کے جاسوس ہمیشہ چوکنے رہتے تھے۔

لوقا اور خالدؓ

لوقا نے جب دیکھا کہ فوجیں اور شہری ہمت ہار چکے ہیں تو اُس نے بڑی چالاکی سے خفیہ طور ابوعبیدہؓ کے پاس مصالحت کے لئے وفد روانہ کیا اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ رات کے وقت فاصلہ زیادہ، لہٰذا ان کا خالدؓ وغیرہ سے ملنا مشکل تھا۔ ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ ارکانِ وفد نے ابو عبیدہؓ پر اپنے مکر کا جال پھیلایا اور خالدؓ اس وفد کی مد
اور غایت سے لاعلم رہے۔ اور باب شرقی پر سختی سے جنگ جاری رکھی۔

لوقا کا جادو چل گیا۔ کیونکہ اس نے خالدؓ اور ابو عبیدہؓ میں عین عوام اور لشکریوں کے
سامنے اختلافِ رائے کا اظہار ہوتے دکھا دیا۔

خالدؓ یہ مکاری سمجھ گئے۔ اور لوقا بھی جان گیا کہ خالدؓ تک پہنچ چکے ہیں۔ خالدؓ
نے تہیہ کر لیا تھا کہ اس دلیر اور مکار رسالدار کو بچ کر نکل جانے کا موقعہ نہ دیں گے۔ انجام
لوقا اور اس کے معاون قتل کر دیئے گئے تاکہ اسلامی لشکر کے حالات رومی لشکر کے
سالارِ اعظم تک نہ پہنچ سکیں۔ البتہ خالدؓ سے یہ سیاسی غلطی ہوئی کہ حضرت عمرؓ کو
بالوضاحت اپنے نظریئے سے آگاہ نہ کیا۔ اس صورت میں بہت ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ
کا رویہ دوسرا ہوتا۔ یہاں ہم خالدؓ کی حمایت میں کہہ سکتے ہیں کہ انہیں کیا معلوم تھا کہ
حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو چکا ہے۔

ہرقل نے جس منصوبے کے تحت دمشق کو فوجی چھاؤنی بنایا تھا اگرچہ وہ پورا نہ ہوا
کیونکہ لوقہ نے ہمت ہار دی، پھر بھی اسے اجنادین کی شکست کے بعد اپنی فوجوں کو
دوبارہ منظم کرنے کا پورا موقع مل گیا۔ اگر دمشق میں سخت مقابلہ نہ ہوتا اور خالدؓ اسے
فتح کرنے رک نہ جاتے تو قیصر ہرقل کو بے حد دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

بہرحال ہم نے دیکھ لیا ہے کہ دمشق نے اپنی اہمیت کا کامیاب مظاہرہ کیا ہے
اور اس قلعے کے استحکام کا رومیوں کو فائدہ پہنچا۔ دو صدیوں تک مسلمانوں کے لیے
بھی دمشق زبردست مستقر کا کام دیتا رہا۔

وہ دونوں لڑنے لگے۔ جیسے ہی نمبر ۲ رومی دستہ بڑھا خالدؓ نے اس کے مقابلے پر میسرہؓ
بن مسروق کو بڑھا دیا۔ لڑائی گھمسان کی ہو رہی تھی کہ رومیوں نے اپنا دستہ نمبر ۳ آگے بڑھایا
اس کے مقابلے میں [illegible] کا دستہ بھیج دیا۔ جب دونوں فریق باہم دگر لڑائی میں مصروف تھے
حضرت خالدؓ اپنا محفوظ دستہ لے کر رومیوں کے عقب میں جا پہنچے اور حملہ کر دیا۔
جب رومیوں کا شیرازہ بکھرنے لگا تو عین اُس وقت ابو عبیدہؓ نے باقی اسلامی لشکر
کے ساتھ حملہ کر دیا۔ شام تک شدید جنگ ہوئی۔ رومی لشکر کو بہت نقصان پہنچا
مگر تعجب ہے کہ سکلار نے اپنے حفاظتی دستے اور محفوظ فوج کو مدد کے لئے آگے
نہ بڑھایا بلکہ ان کو اپنی جگہ واپس آنے کا حکم دیا۔ رات ہوتے ہی خالدؓ نے
مسلم رسالے کو میمنہ کی طرف سے ہٹا لیا۔ اور وہاں نشیب کی زمین میں اس کا
بڑا حصہ چھپا دیا تاکہ مناسب وقت پر اسے استعمال کیا جا سکے۔

دوسرے دن صبح تک دونوں فوجیں ہتھیار بند رہیں کیونکہ دونوں کو شبخون
کا اندیشہ تھا۔

سکلار نے اپنے لشکر کو نئے انداز سے ترتیب دیا۔ اس نے قلب میں رسالے کو
کھڑا کیا۔ ہر دستے کے دائیں بائیں تیر انداز مقرر کئے اور میمنہ و میسرہ میں پیدل فوجیں
تعینات کیں۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ رسالے کے ساتھ اسلامی لشکر پر حملہ کرے۔ اور
تیر انداز مسلمانوں پر تیر برساتے ہوئے پیش قدمی کریں تاکہ اسلامی لشکر میں رخنہ پڑ
جائے۔ اور گڑبڑ مچتے ہی رومی رسالہ پیدل فوج پر ٹوٹ پڑے۔

خالدؓ حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس گئے۔ آپ نے دشمن کی دفاعی چال سمجھ لی۔
طے پایا کہ خالدؓ رسالے کے ایک دستے سے رومی رسالے کا مقابلہ کریں۔ اور
یہ رسالہ تدریجاً میمنہ کی طرف پسپا ہوتا جائے۔ اس جگہ تک جہاں خالدؓ نے باقی ماندہ رسالہ
چھپا رکھا تھا۔ اور جب یہ پوشیدہ رسالہ رومی رسالے پر حملہ کرے گا تو خالدؓ خود رومی
لشکر کے میسرہ پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اسلامی لشکر کا قلب اور میسرہ فی الفور حملہ کر دیں گے
مگر محفوظ فوج [illegible] رہے گی۔ اور یہی مقام اسلامی مستقر قرار دیا گیا۔

کے رُخ بدلنے کی اطلاع مل چکی تھی۔ لہٰذا دمشق کی فوج لے کر ایک منزل کے فاصلے پر توذر کے لشکر سے لڑائی شروع کر دی۔ لڑائی ہو رہی تھی کہ خالدؓ نے اپنے رسالے کے ساتھ توذر کے عقب پر حملہ کر دیا۔ توذر کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ خالدؓ اتنی جلدی اتنا لمبا فاصلہ طے کر کے وہاں پہنچ جائیں گے۔ اِس لئے اُس نے عقب کی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام نہ کیا تھا۔ یہ حملہ نہ صرف اچانک تھا بلکہ بہت ہی بازم تھا۔ توذر مارا گیا اور اس کا تقریباً سارا لشکر تہ تیغ ہو گیا۔ اور بہت کم لوگ جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو سکے۔

خالدؓ وہاں کے حالات سے یزیدؓ کو نپٹنے کا مشورہ دے کر خود مروج روم کی طرف روانہ ہوئے اور اس تیز گامی سے روانہ ہوئے کہ توذر کی فوج کے مفرورین مشکل سے شنس کو دمشق کی حملہ آور فوج کی تباہی کے احوال بتا سکے تھے کہ خالدؓ پہنچ گئے۔

بطریق شنس اور حضرت ابوعبیدہؓ کی فوجوں میں زبردست جنگ جاری تھی کہ خالدؓ نے رومی لشکر کے ایک بازو پر اچانک حملہ کر دیا اور اس طرح دو اسلامی لشکروں کے بیچ میں رومی لشکر پس گیا۔ شنس بہادری سے لڑتے ہوئے مارا گیا۔ بے حد مال غنیمت ہاتھ آیا۔ یہاں ابوعبیدہؓ زیادہ نہ ٹھہرے اور حمص کی جانب کوچ کیا۔

دفاعی اسباق

اِس جنگ کے اسباب گو بہت عیاں ہیں مگر بہت ہی اہم ہیں۔

۱۔ خالدؓ کا عزم اور بے باکی خاص طور سے نمایاں ہیں۔ خالدؓ کو اپنی قوت پر زبردست اعتماد تھا۔ چونکہ مصنف نے عمر کا بیشتر حصہ مختلف محاذوں پر لڑائیوں میں گزارا ہے۔ لہٰذا ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ سب سے اہم اور مشکل ذمہ داری جو کوئی سالار اپنے ذمہ لیتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی فوج کو منظم طریقے سے پیچھے کی طرف ہٹا کرلے جائے۔ پھر اس پسپا ہونے والی فوج کو جو دشمن سے پٹتی ہوئی جا رہی ہے یکدم روک کر ثابت قدمی سے دشمن پر جوابی حملہ کرے۔ یہ کام آسان نہیں۔ اس کے لئے منظم اور اعلیٰ درجے کی سپاہ اور اعلیٰ قابلیت کے جرنیل کی ضرورت ہے۔ خالدؓ نے یہ کام

کے رُخ بدلنے کی اطلاع مل چکی تھی۔ لہٰذا دمشق کی فوج لے کر ایک منزل کے فاصلے
پر توذر کے لشکر سے لڑائی شروع کر دی۔ لڑائی ہو رہی تھی کہ خالدؓ نے اپنے رسالے
کے ساتھ توذر کے عقب پر حملہ کر دیا۔ توذر کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ خالدؓ اتنی
جلدی اتنا لمبا فاصلہ طے کر کے وہاں پہنچ جائیں گے۔ اِس لئے اُس نے عقب کی
حفاظت کا خاطر خواہ انتظام نہ کیا تھا۔ یہ حملہ نہ صرف اچانک تھا بلکہ بہت ہی بڑا
تھا۔ توذر مارا گیا اور اس کا تقریباً سارا لشکر تہ تیغ ہو گیا۔ اور بہت کم لوگ جان
بچا کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو سکے۔

خالدؓ وہاں کے حالات سے یزیدؓ کو نپٹنے کا مشورہ دے کر خود مرج روم کی
طرف روانہ ہوئے اور اس تیزی سے روانہ ہوئے کہ توذر کی فوج کے مفرورین بمشکل
سے شنس کو دمشق کی حملہ آور فوج کی تباہی کے احوال بتا سکے تھے کہ خالدؓ پہنچ گئے۔

بطریق شنس اور حضرت ابو عبیدہؓ کی فوجوں میں زبردست جنگ جاری تھی کہ خالدؓ
نے رومی لشکر کے ایک بازو پر اچانک حملہ کر دیا اور اس طرح دو اسلامی لشکروں کے
بیچ میں رومی لشکر پس گیا۔ شنس بہادری سے لڑتے ہوئے مارا گیا۔ بے حد مالِ غنیمت
ہاتھ آیا۔ یہاں ابو عبیدہؓ زیادہ نہ ٹھہرے اور حمص کی جانب کوچ کیا۔

دفاعی اسباق

اس جنگ کے اسباب گو بہت عیاں ہیں مگر بہت ہی اہم ہیں۔

۱۔ خالدؓ کا عزم اور بے باکی خاص طور سے نمایاں ہیں۔ خالدؓ کو اپنی فوج پر
زبردست اعتماد تھا۔ چونکہ مصنف نے عمر کا بیشتر حصہ مختلف محاذوں پر لڑائیوں میں
گزارا ہے۔ لہٰذا ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ سب سے اہم اور مشکل ذمہ داری جو کوئی
سالار اپنے ذمے لیتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی فوج کو منظم طریقے سے پیچھے کی طرف ہٹا
کر لے جائے۔ پھر اس پسپا ہونے والی فوج کو جو دشمن سے پٹتی ہوئی جا رہی ہے، ایک دم
روک کر ثابت قدمی سے دشمن پر جوابی حملہ کرے۔ یہ کام آسان نہیں۔ اس کے لئے منظم
اور اعلیٰ درجے کی سپاہ اور اعلیٰ قابلیت کے جرنیل کی ضرورت ہے۔ خالدؓ نے یہ کام

کا حکم ملا تو انھوں نے نہایت خندہ پیشانی سے خالدؓ کا استقبال کیا اور ہر موقع پر تعاون کیا۔ اب جب کہ حضرت خالدؓ کو تنزلی کا حکم ملا تو انھوں نے بھی نہایت ایمانداری اور فرماں برداری سے اپنے فرائض ادا کیے۔

حالات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ کو خالدؓ کے مشوروں پر بہت اعتماد تھا۔ اور ہر کڑی اور ذمہ دارانہ مہم پر ابو عبیدہؓ نے خالدؓ کو پورے اختیارات دیئے۔ درحقیقت اسلامی لشکر کی کامیابی کا سب سے بڑا راز تھا کہ اس کے سالار اور لشکری فی سبیل اللہ جہاد کرتے تھے۔ ان کو نفس پر پورا قابو تھا۔ وہ ایک دوسرے پر بھروسہ کرتے اور آڑے وقت میں دل و جان سے ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔

فتح بیت المقدس کے مال غنیمت میں مسلمانوں کو بہت سی شراب ہاتھ آئی اور کچھ لشکری اسے پی کر مدہوش ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کا فوراً تذکرہ حضرت عمرؓ سے کیا۔ جب یہ مراسلہ انھیں موصول ہوا تو ان کے پاس حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف موجود تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے مخاطب ہو کر مشورہ طلب کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا شراب پی کر جب آدمی مدہوش ہو جاتا ہے تو بکنے لگتا ہے اور جب بکنے لگتا ہے تو افترا اور دروغ گوئی کی حالت میں اسے اسّی درّے مارنے لازم ہو جاتے ہیں۔ پس انھیں اسّی درّے مارے جائیں۔ دیگر باقی صحابہ نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ان سب کو اسّی درّے مارے جائیں۔

حمص کو انگریزی زبان میں (Hims - Homs) کہتے ہیں۔ زمانۂ قدیم میں اسے بہت شہرت حاصل تھی۔ یہاں بہت بڑی فوجی چھاؤنی بھی تھی اور تجارتی منڈی بھی۔ یہاں عظیم الشان ہیکل تھا جس کی پرستش کے لئے دور دراز سے لوگ آیا کرتے تھے۔ اس ہیکل کا پجاری ہونا بھی مجوسیوں کی نظروں میں بہت بڑی عزت کا باعث تھا۔

دمشق سے اگر حمص کی طرف جائیں تو راستہ میں بعلبک کا شہر پڑتا ہے۔ رومیوں کے عہد میں یہ بھی خاصی بڑی چھاؤنی تھی۔ اگر حمص سے آگے بڑھیں تو انطاکیہ کا شہر ہے۔ جو قیصر روم ہرقل کے پسندیدہ شہروں میں سے تھا۔ ہرقل شام کی طرف جاتے تو انطاکیہ میں کافی عرصہ قیام کیا کرتا تھا۔

جب قیصر ہرقل کو اجنادین، فحل اور دمشق کی ہزیمت کی خبر ملی تو اس نے حمص سے نکل کر رہا (اڈیسہ) کو اپنا عارضی مستقر بنا لیا۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو رسالے کے ساتھ آگے روانہ کر دیا تاکہ وہ شہر بعلبک پر اچانک حملہ کر کے فتح کر لیں۔ بعلبک کے باشندے ابوعبیدہؓ کی نقل و حرکت کو دیکھ رہے تھے چنانچہ جب خالدؓ نے ان پر جنگل کے راستے اچانک حملہ کیا تو معمولی آویزش کے بعد ان لوگوں نے صلح کر لی۔

رومیوں نے اپنا بڑا لشکر حمص سے کچھ فاصلے پر مقام جوسیہ پر بھیج دیا تاکہ اسلامی لشکر کو وہیں روک دے۔ لیکن جوسیہ کے لشکر نے تھوڑے سے مقابلے کے بعد ہمت ہار دی اور بھاگ نکلا۔

خالدؓ نے ایک لشکر کے ساتھ حضرت میسرہؓ کو رومیوں کے تعاقب میں روانہ کیا۔ اور حکم دیا کہ انہیں مارتے مارتے حمص تک پہنچ جاؤ۔ چنانچہ اسلامی لشکر نے

جھڑپوں کے لئے بھی بہ نسبت دو پروا ہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر تین سو اطالوی سپاہیوں کا گروہ صرف ایک آدمی نے آگے سے ہنکاتے ہوئے برطانوی فوجی مستقر میں پہنچا دیا اور ان کی رائفلیں، مشین گنیں، گرینیڈ (دستی بم) سب زمین پر ڈال دیئے۔ اسی طرح حضرت زبیرؓ کی فوج کا ایک ایک جوان دو دو سو تین تین سو رومیوں کو حضرت ابوعبیدہؓ کے فوجی مستقر پر ہانکتا ہوا لے آیا۔ شرجیلؓ حمیری نے دس سواروں کے ساتھ ایک پورے رومی رسالے سے ہتھیار رکھوا لئے۔

مغربی دفاعی ماہرین کا قول ہے کہ لشکر کی طاقت کا صحیح اندازہ صرف اسی وقت ہوتا ہے۔ جب اس کے تمام دستے یک جہتی سے عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ لشکر کی طاقت کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔

سعد بن ابی وقاصؓ کا جزیرے کی فوج کو منتشر کر دینا ایک ظاہری مثال ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم سالاروں میں اسلامی افواج کے لئے فتح حاصل کرنے کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ وہ اس بات کے منتظر نہیں تھے کہ ان کے پاس مدد کی درخواست کی گئی ہے یا نہیں۔ وہ یہ دیکھ کر اس وقت میں اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر مدد دینے کا ذکر ہی کیا ہے۔ حضرت ابوعبیدہؓ کے مرتبے کو۔ مجھے اس کا صلہ کیا ملے گا۔ وغیرہ

مغربی دفاعی ماہرین کا قول ہے کہ "ہر سالار کا فرض ہے کہ وہ اپنی دانشمندی سے دفاعی اصولوں کا صحیح استعمال کر کے جہاں تک ممکن ہو اپنے لشکر کا کم سے کم نقصان کر کے فتح حاصل کرے۔" دراصل یہ اصول دنیا کو سب سے اول ہمارے نبی کریم صلعم نے سکھایا۔ غزوات میں ذہنی شکست دے کر بلا نقصان کے دشمن پر فتح یابی حاصل فرمائی۔ اور صلح حدیبیہ کے وقت دنیا کو اس کا سبق دیا۔

خالدؓ نے دشمن کا انتہائی سختی سے تعاقب کیا۔ اور حضرت سعدؓ کے حملے نے حمص والوں کو ذہنی شکست دی۔ چنانچہ وہ حمص جو قیصر روم کا زبردست دفاعی مستقر تھا۔ بہت کم جانی قربانی دے کر مسلمانوں نے فتح کر لیا۔

افریقہ کی لڑائی اچانک حملے کے دفاعی اصول کی جدید وضع ہے۔ خالدؓ نے حضرت

قیصر ہرقل کا دربار

اسلامی لشکر کے ہاتھوں پے در پے شکستوں کی خبروں نے قیصر ہرقل کو سراسیمہ اور پریشان کر دیا۔ چنانچہ قیصر نے ایک کنیسہ میں ایک مجلس مشاورت طلب کی اور اس میں سلطنت کے تمام اعیان و ارکان، حلیف اور باجگزار، والیانِ ریاست اور فوجی جرنیل اور مذہبی عمائد اور پادری طلب کئے۔

قیصر نے حاضرین کو گزشتہ فتوحات یاد دلائیں۔ اور پھر اپنی کوششوں کا ذکر کیا کہ کس طرح اس نے عربوں کے پنجے سے اپنی رومی رعایا کو بچانے کی سعی و جہد کی ہے۔ لیکن یہ تمام مساعی محض اس وجہ سے ناکام رہیں کہ حسد اور نفاق باہمی نے قوم کی جڑیں کمزور کر دی ہیں۔ اس نے حاضرینِ مجلس سے سوال کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے۔ کہ رومی لشکر، ساز و سامان، آلات و اسلحہ کے لحاظ سے فوقیت اور تعداد کے لحاظ سے بدرجہا زیادہ لیکن اس کے باوجود عربوں کی نہیں سی قلیل تعداد لشکر نے ہر مقام پر انہیں شکست دی۔ ہم وہی ہیں جنھوں نے ایرانی، ترک، اور جراجمہ کو ناکوں چنے چبوا دیئے تھے۔ لیکن اب ایک خانہ بدوش صحرائی قوم کے گنتی کے بھوکے اور ننگے آدمیوں کے آگے ہم ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو گئے۔ آخر ہم بزدل کیوں ہو گئے؟ ہمارے رفیع الشان قلعے، دمشق، حمص، بعلبک، لاذقیہ، وغیرہ سب مسخر اور مفتوح ہوئے۔ اجنادین میں ہم نے شکستِ فاش کھائی۔ آخر اس کے اسباب کیا ہو سکتے ہیں؟

بادشاہ کی تقریر نے حاضرینِ مجلس کو دم بخود کر دیا۔ شرم و ندامت سے ان کی گردنیں جھک گئیں۔ سکوت طاری ہو گیا۔ آخر کار ایک عمر رسیدہ عالمِ دین مسیحی نے کھڑے ہو کر کہا "اے قیصر! کیا تم کو معلوم نہیں کہ عرب کیوں ہم پر فتح پر فتح پائے جا رہے ہیں! دیکھیں

وجہ سے انہیں یہ بدنصیبی نصیب ہو رہی ہے۔

جب کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ بوڑھا عالم گویا ہوا "اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ ہماری قوم ضلالت و گمراہی میں پڑ گئی ہے۔ ہماری قوم نے دین میں تحریف و ترمیم کی ہے حضرت مسیح جو کچھ ہمارے لئے لائے تھے۔ ہماری قوم نے اس سے انکار کیا۔ ہم میں اب ظلم رواج پا گیا ہے۔ عدل و انصاف ختم ہو گیا ہے۔ اطاعت اور فرمانبرداری کا جذبہ مفقود ہو چکا ہے۔ عبادت کی طرف سے ہم بالکل غافل ہو چکے ہیں۔ نفس پرستی، زناکاری، شراب خوری، عیاشی ہمارا شعار بن چکا ہے۔ اس کے برعکس یہ عرب جن کو تم حقارت کی نظر سے دیکھ رہے ہو۔ اپنے اللہ کے مطیع، دین کے سختی سے پابند، عبادت الٰہی میں منہمک، اور اپنے پیغمبر پر درود و سلام بھیجنے میں مصروف۔ وہ تمام ذمائم اخلاق سے دور بھاگتے ہیں۔ اخوت، مساوات، اور نظم نے انہیں فاتح بنا دیا ہے۔ وہ باعزم، مستقل مزاج، اور راست باز ہیں۔ اسی لئے میدان جنگ میں پیٹھ دکھانا نہیں جانتے۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔"

اس بوڑھے کی تقریر نے مجلس میں سناٹا طاری کر دیا۔ آخر کار قیصر نے سکوت توڑا کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس نے استفسار کیا۔

"اب آپ بتائیے کہ آیا آپ لڑنا چاہتے ہیں یا میں ترجیح دے کر قسطنطنیہ چلا جاؤں اور اس وقت کا انتظار کروں جب مسلمانوں سے پھر جنگ ہونا پڑے۔"

اس کے جواب میں ہر طرف سے شور بلند ہوا کہ نہیں نہیں۔ اے قیصر آپ ہرگز دل برداشتہ نہ ہوں۔ ہم لڑنا جانتے ہیں۔ ہم اپنی جانیں لڑا دیں گے۔ ہماری قیادت کیجئے۔

قیصر ہرقل نے تب رومی لشکر کی جدید تنظیم اس طرح کی:۔

۱۔ پہلا علم سنہرے ریشمی کپڑے کا بنا ہوا تھا جس پر جواہرات کی صلیب بنی ہوئی تھی جرجیر والئے ارمینیہ کو دیا۔ اور قوم سقالبہ کو ایک لاکھ لشکر مرتب کرنے کا حکم دیا۔

۲۔ دوسرا علم جس پر زمرد سبز کی صلیب اور سونے کے دو آفتاب بنے ہوئے تھے جو جیروالی انگورہ اور عموریہ کے سپرد کیا اور اس کے تحت ایک لاکھ فرزند قوم

اِسلام اور عیسائیت کی فیصلہ کُن جنگ

سیاسی اور فنِ حرب کے اعتبار سے

جس وقت ہرقل جنگی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اسلامی کیمپ تقریباً دو سال کی مسلسل جنگوں میں مصروف رہنے کے بعد مختلف جگہ سستا رہا تھا۔

ابوعبیدہؓ کو دشمن کی تیاریوں کی خبر اس وقت لگی جب دشمن کی فوجیں شیرز کے قریب پہنچ گئیں۔ اس وقت اسلامی جاسوس رومی لشکر سے علیحدہ ہو کر خبر لائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی رعایا نے بھی غداری کی ورنہ اتنے بڑے پیمانے پر دشمن کی تیاریاں مخفی نہ رہ سکتی تھیں۔ اس وقت سردی اپنے شباب پر تھی۔ راستے برفباری اور بارش کی وجہ سے مسدود تھے۔

مسلسل اور اچانک اطلاعات کا اثر ناخوشگوار ہوتا ہے۔ چنانچہ حمص کے اطراف میں اسلامی فوجوں میں تشویش اور ہراس پیدا ہو گیا۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے تمام سالاروں کو مشورے کے لیے طلب کیا۔ یزید بن ابی سفیان کی رائے تھی کہ عورتوں اور بچوں کو شہر پناہ کی جگہ چھوڑ کر اسلامی لشکر باہر آراستہ ہو کر دشمن کا مقابلہ کرے۔ اور خالدؓ اور عمرو بن عاص کو فوراً حمص آنے کے لئے لکھا جائے۔

شرحبیل بن حسنہ نے اس کی مخالفت اس وجہ سے کی کہ اگر عیسائی رعایا نے غداری کی تو وہ ہماری عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے بطور یرغمال قید کر لیں گے اور انہیں قیصر کے حوالے کر کے ہم سے منہ مانگی شرائطِ صلح منظور کرا سکیں گے۔

ابوعبیدہؓ نے اس پر یہ تجویز کی کہ قلعہ اور شہر سے عیسائی رعایا کو نکال دیا جائے اس طرح ہم عرصے تک دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

لیکن اس تجویز کی مخالفت اِس بنا پر کی گئی کہ مسلمانوں نے عیسائی رعایا کے لئے امن کی شرط پر صلح کی ہے۔ لہٰذا ایسا کرنا نقضِ عہد ہوگا۔

چنانچہ ابوعبیدہؓ نے اپنی تجویز واپس لے لی۔

چونکہ دشمن بہت قریب آچکا تھا۔ دمشق اور اردن سے مدد آنے کے لئے وقت کافی نہ تھا لہٰذا یہ طے پایا کہ اسلامی فوج دمشق چلی جائے جہاں خالدؓ موجود ہیں۔ مگر ایسا کرنے سے پہلے ابوعبیدہؓ نے اپنے افسر خزانہ کو حکم دیا کہ تمام عیسائی اور یہودی رعایا کا خراج واپس کر دیا جائے۔ کیونکہ موجودہ حالات میں اسلامی فوج ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکتی۔ اس طرزِ عمل کا عیسائیوں اور یہودیوں پر بڑا اچھا اثر ہوا۔

حمص اور اس کے نواح سے فوج اور نمائندے واپس بلا لئے گئے اور اسلامی لشکر بسرعت دمشق کی جانب ہٹا۔ ایک عریضہ خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں بھی روانہ کیا گیا۔ جس میں تمام حالات مندرج تھے۔ آخر میں یہ تحریر کیا کہ "رومی بحر و بر سے اُبل پڑے ہیں۔ ان کے جوش کا یہ عالم ہے۔ کہ فوج جس راہ سے گزرتی ہے۔ عوام تو عوام وہ راہب اور خانقاہ نشین جنھوں نے کبھی خلوت سے باہر قدم نہیں نکالا تھا اسلامی فوج کے مقابلہ کرنے کے لئے رومی لشکر کے ہمراہ ہوجاتے ہیں۔"

مدینے میں جب یہ خبر پہنچی کہ کفر کا سیلاب اسلام کے خلاف اُمڈ کر آرہا ہے تو لوگ جہاد پر کمربستہ ہوگئے۔ حضرت عمرؓ کو حمص چھوڑنے کا بہت رنج ہوا۔ مگر اس لئے خاموش رہے کہ فوج اور افسروں کا متفقہ فیصلہ تھا۔

اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے تحریر فرمایا کہ "سعید بن عامر کمک لے کر انشاء اللہ عنقریب روانہ ہوں گے۔ اور تمام اہلِ لشکر کو یہ سُنا دو کہ :۔

"فتح و شکست فوجوں کی قلت اور کثرت پر ہرگز موقوف نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر منحصر ہے۔ تم اسے ہرگز نہ بھولو۔ ہر دم اس کو یاد رکھو۔ وہی تمھاری تائید و نصرت فرمائے گا۔"

اسی اثنا میں حضرت ابوعبیدہؓ کو حضرت عمروؓ بن عاص کا خط ملا کہ حمص چھوڑ دینے

ہے۔ اندرون میں بغاوت پھیل گئی ہے۔ اور رومیوں کی آمد آمد نے اس آگ کو اور بھڑکا دیا ہے۔

دمشق

دمشق میں آکر حضرت ابوعبیدہؓ نے صبح کی نماز کے بعد حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق سب کو خطاب فرمایا:۔

”ہرقل نے تمام بڑے بڑے شہروں سے کمک طلب کر کے ہمارے مقابلے کے لئے بڑا لشکر روانہ کیا ہے۔ جو مختلف سمتوں سے ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔ اور رومیوں نے تہیہ کر لیا ہے۔ کہ وہ تمام کے تمام ہمارے مقابلے کے لئے ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ ہمارے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ اور خوب سمجھ لو کہ جس کے ساتھ وہ ہوتا ہے۔ وہ مغلوب کبھی ذلیل نہیں ہوتی۔ اور جس کو وہ ذلیل و رسوا کرنا چاہے اس کی کثرت کام نہیں آتی۔“ اس کے بعد انھوں نے اہلِ لشکر سے مشورہ طلب کیا۔ خود ان جاسوسوں کو حکم دیا کہ وہ فوج کے سامنے چشم دید حالات بیان کریں۔ چنانچہ جاسوسوں نے رومی لشکر کے متعلق تمام حالات بیان کئے۔ اس وقت سکوت طاری ہو گیا۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا کہ آپ صاحبان اپنے مشوروں سے مستفید فرمائیں۔ میں بھی آپ کی طرح ایک سپاہی ہوں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر کام میں اپنے رفیقوں سے مشورہ کرو۔ اور جب ارادہ مصمم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔

اس پر ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ اے ابوعبیدہؓ! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی صفت ... فرمایا ہے۔ لہٰذا آپ ہم سے مشورہ لیجئے۔ ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔

مگر ابوعبیدہؓ کے اصرار پر چند آدمی ایک ایک کر کے مشورہ دینے لگے کہ ہم دمشق کو چھوڑ کر عرب کے میدان میں جا کر لڑنا چاہئیے۔ وہاں چونکہ ہم مدینہ کے قریب ہوں گے لہٰذا کمک آسانی سے پہنچ سکے گی۔

کے پاؤں جب درختوں کے پتوں پہ پڑیں تو شور ہوگا، دشمن کو معاً خیال ہوگا کہ مسلمان بھاگ رہے ہیں۔ اور وہ غالباً مسلمانوں پہ حملہ کریں گے۔

اگر خالد رضؓ نے اس حملے کو کامیابی سے نبٹ لیا تو پھر دشمنوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ خصوصاً جب کہ دشمن خالد رضؓ اور ابوعبیدہ رضؓ کی فوجوں کے درمیان گِھر کر پِس جائے گا۔

عمرو بن عاص رضؓ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنا لشکر لے کر تاریخ مقررہ کو یرموک پہنچ کر ہم سے مل جائیں۔

خالد رضؓ کا خیال بالکل صحیح نکلا۔ جوں ہی اسلامی شہسواروں نے کوچ کیا تو اردن اور جابیہ اور نواح کے رومیوں نے سمجھا کہ اب مسلمان حجاز کی طرف بھاگ رہے ہیں لہٰذا انھوں نے اکٹھے ہو کر خالد رضؓ کے لشکر کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔ خالد رضؓ چونکہ اس متوقع حملے کے لئے پہلے ہی سے تیار تھے لہٰذا انھوں نے رومیوں پر ایسا سخت حملہ کیا کہ ان میں سے بے شمار قتل و مجروح ہوئے۔ اور باقی ماندہ بے شمار سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ خالد رضؓ نے ان بھاگنے والوں کا دریائے یردون تک تعاقب کیا۔

اور اس طرح ابوعبیدہ اسلامی لشکر لے کر بلا کسی مزاحمت کے اذرعات کو پس پشت چھوڑتے ہوئے میدانِ یرموک میں داخل ہو گئے۔ اور یہاں خالد رضؓ اپنی فوج اور مالِ غنیمت لے کر آ ملے۔

اس میدان میں خالد رضؓ کے مشورے سے ابوعبیدہ رضؓ نے ایک بہت بلند ٹیلے پر عورتوں اور بچوں کا کیمپ بنایا۔ اور اس ٹیلے کے چاروں سمت سخت پہرے کا بندوبست کر دیا۔ اس ٹیلے کے سامنے بہت وسیع میدان تھا۔ جہاں عرب رسالہ اپنے دشمنوں پر تمامی اور تیزی سے حملہ کر سکتا تھا۔ یہاں اسلامی فوج کا کیمپ لگایا گیا۔ ابوعبیدہ رضؓ نے خالد رضؓ کی اس کارروائی کو بہت پسند کیا اور ان کے حق میں دُعائے خیر کی۔ اور اپنے پروردگار سے لشکرِ اسلام کی فتح و کامرانی کے لئے دُعا کی۔

یہ حسنِ اتّفاق تھا کہ اس میدان میں پہنچنے کے بعد جس روز حضرت عمر رضؓ کا خط آیا اسی

سے کر آیا۔ اسی وقت حضرت عامرؓ بھی مع اسلامی لشکر کے وارد ہوئے جنہیں بطور کمک خلیفہ ثانیؓ نے روانہ فرمایا تھا۔ امدادی فوج کے آجانے سے اہلِ اسلام کو بہت تقویت ملی

قسطنطین

قسطنطین کے جاسوسوں نے جب اسے اطلاع دی کہ اسلامی لشکر یرموک کے میدان میں پہنچ چکا ہے۔ تو وہ سخت پریشان ہوا۔ اس نے باہان والی آرمینیا کو قاصد روانہ کئے اور خط کے ذریعہ ملامت کی کہ اس کی غفلت کے سبب دشمن جبال سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ نیز دیگر سرداروں کو اس مضمون کے خط روانہ کئے جن میں کہا کہ تم سب نے قیصر کے احکام پر عمل کرنے میں کوتاہی کی ہے۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ اسلامی فوج کا ایک سپاہی بھی اس زبردست گھیرے سے بچ کر نکل جاتا۔ اب لازم ہے کہ قوت مجتمعہ تمام یہاں پہنچ کر اسلامی لشکر کو تباہ کرو۔ قبل اس کے کہ انہیں مدینہ سے کمک آ جائے۔

درحقیقت باہان اور دوسرے سردار اطمینان اور شان و شکوہ کے ساتھ حمص کی جانب بڑھ رہے تھے اور راستے میں جبریہ فوجی بھرتی کرتے، قتل و غارت، آبروریزی اور تباہی مچاتے ہوئے چل رہے تھے۔

قسطنطین کا حکم ملتے ہی وہ سب تابڑ توڑ دیر الجبل میں جو وقار اور جیالان کے قریب تھا پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔ یہ مقام اسلامی کیمپ سے تین فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ دیر الجبل کا رقبہ طول و عرض میں چھ فرسخ کے قریب تھا۔ قیصر روم نے باہان کو حکم دے رکھا تھا کہ مسلمانوں سے مقابلہ ایسے مقام پر کیا جائے جس کا محاذ کشادہ ہو یعنی کہ سامنے کا میدان کھلا ہو تاکہ رومی فوج کو آراستہ کرکے دشمن پر ہر طرف سے حملہ کیا جا سکے۔ مگر اس پڑاؤ کا عقبی حصہ تنگ ہو تاکہ اسلامی رسالہ رومی عقب پر حملہ نہ کر سکے۔

اس کیمپ کے ایک جانب دریائے یرموک کا معاون دریائے واقوصہ بہہ رہا تھا۔ اور دوسری جانب دریائے یرموک تھا۔ پشت پر سیدھا اور اونچا پہاڑ تھا۔ اس پہاڑ پر باہان نے اپنا مستقر بنایا تھا تاکہ وہ اسلامی رسالے کے حملوں سے محفوظ رہ سکے۔ پڑاؤ کے سامنے یرموک کی وادی تھی جہاں رومی لشکر معرکہ کارزار میں مصروف

ہو سکتا تھا۔ اس طرح باہان نے قیصر کے احکام اور ہدایات پر پوری طرح عمل کیا۔

لیکن اس پڑاؤ کو جب عمرو بن عاص نے اپنی پہاڑی پر سے دیکھا تو وہ بے اختیار پکار اٹھے۔

"ایہا الناس! میں تم کو خوش خبری سناتا ہوں کہ خدا کی قسم رومی خود محصور ہو گئے اور محصور فوج بہت کم فتح پاتی ہے۔"

دونوں لشکر

ان دونوں لشکروں میں ایک دوسرے کے متعلق ہراس و خوف موجود تھا۔ رومی لشکر ایک منظم جمعیت تھی، وہ بہادر تھے، میدان کارزار میں بار بار بڑی بڑی سلطنتوں کی قسمت بگاڑ چکے تھے۔ ان کے ہتھیار بہترین تھے، ان کے افسر تجربہ کار اور نبرد آزما تھے۔ سپاہی اور سالار فنون حرب میں دستگاہ رکھتے تھے۔ ان کے وسائل و ذرائع لامحدود تھے۔ اور انہیں پیہم درپے کمک پہنچ رہی تھی۔ علاوہ بریں ان کی تعداد بھی اسلامی لشکر سے پانچ چھ گنا زیادہ تھی۔ اس کے باوجود ان پر خوف و ہراس طاری تھا۔ آخر وہ کیوں ہراساں تھے؟

مسلمان کیوں ہراساں تھے؟ اس لڑائی سے قبل ان لوگوں نے تو اپنے سے دس دس گنا زیادہ فوجوں کو ہزیمت دی تھی۔ اکثر اسلامی اہل عساکر کی زبان پر لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کا کلمہ کیوں جاری رہتا؟ روایت ہے کہ خود ابو عبیدہ بار بار یہ پڑھتے تھے: ربنا افرغ علینا صبرا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکٰفرین (اے پروردگار ہم پر صبر عطا فرمائیے، ہمیں ثابت قدم رکھیے، اور ہمیں قوم کافروں پر فتح عطا فرمائیے۔) آخر ایسا کیوں تھا؟

دونوں لشکروں کے جاسوس سرگرمیاں دکھا رہے تھے تاکہ اپنے دشمن سے متعلق صحیح خبریں اور حالات بہم پہنچا سکیں۔

رومی لشکر میں خوف و ہراس پھیلنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو آزما چکے تھے۔ شکستیں کھا چکے تھے، انہیں معلوم تھا کہ یہ اتنے ہمیشہ اکثریت پر

سنوائے گئے۔ ورنہ وہ خود بھی بیان کر سکتے تھے۔

بہرکیف اس نماز کے دینے کے لئے قاری اور قاضی مقرر کیے گئے۔ قاضی کا فرض تھا کہ وہ افواجِ اسلامیہ میں جذبۂ جہاد تازہ کریں اور قاریوں کے ذمے تھا کہ وہ سورۂ انفال کی آیات مخصوص اور درد انگیز لہجے میں پڑھیں۔ تاکہ مسلمان لشکریوں کے دل میں اللہ تعالیٰ کا یقین اور ماسوائے اللہ کے ہر کس کا بطلان ہوجائے۔

چنانچہ ان مساعی سے اہلِ لشکر کے حوصلے بلند، اور ہمتیں دو چند ہو گئیں۔

صلح کی کوششیں

حضرت ابو عبیدہؓ نے خالدؓ کو میدانِ جنگ میں فوجوں کو حسبِ منشا لڑانے کا اختیار دے دیا تھا۔ مگر خالدؓ سب کام اپنے سپہ سالار کے منشا اور مرضی کے بموجب انجام دیتے تھے۔ وہ ہر کام کے لئے ان سے مشورہ لیتے تھے۔ خالدؓ نے جنگ میں توقف پسند نہ کیا اور اسلامی لشکر کو لڑائی کے واسطے آراستہ کر کے فوراً میدانِ جنگ میں لے آئے۔ اسلامی لشکر کی تیاری دیکھ کر رومی فوجیں بھی سیلاب کی طرح رزمگاہ میں آ گئیں۔

جیسے ہی دونوں فوجیں آمنے سامنے آ کر کھڑی ہوئیں، رومی لشکر سے نکل کر جرجیر میدانِ جنگ میں آیا، اور پکار کر کہنے لگا کہ "میں اسلامی لشکر کے سالار سے صلح کی بات چیت کرنا چاہتا ہوں"

ابو عبیدہؓ اس درخواست پر آگے بڑھے۔ جرجیر کی گفتار میں رعونت تھی۔ اور اگرچہ وہ ہرقل کی جانب سے شرائطِ صلح اور صلح کی درخواست پیش کرنے آیا تھا، لیکن اس نے طرزِ تکلم کچھ اس قسم کا اختیار کیا کہ حضرت ابو عبیدہؓ کو جواب دینا پڑا کہ کثرتِ فوج زاد و اسلحہ کی فراوانی، اور لشکر کی طاقت کا صحیح اندازہ میدانِ کارزار ہی میں ہو سکے گا اور وہاں ہی معلوم ہو جائے گا۔ کہ کون ثابت قدم رہتا ہے۔ اور کس فریق کی تمنا ہوتی ہے کہ وہ لڑے اور کون آرزو کرتا ہے کہ وہ فرار ہو جائے۔

جرجیر جب باہان کے پاس ناکام واپس لوٹا تو باہان نے جبلہ بن ایہم بنو غسان کے سردار کو ہدایت کی کہ وہ مکر و فریب سے یا بہلا پھسلا کر مسلمانوں کو صلح کرنے پر نامند

کرے۔ جب جبلہ قاصد جیسے بن کر آیا تو اس نے پکار کر کہا کہ اس کے پاس عمرو بن عامر کی اولاد میں سے کسی کو بھیجا جائے تا کہ وہ اس کے ساتھ گفتگوئے مصالحت کرے۔ چنانچہ امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطابؓ نے صلح کو جنگ پر ترجیح دی تھی اس واسطے مسلمانوں نے حضرت عبادہؓ بن صامت خزرجی کو جبلہ کے پاس روانہ کیا۔

جبلہ نے اپنی چرب لسانی سے کام لیا اور طرح طرح کے سبز باغ دکھائے اور مکاری اور فریب کاری سے کام لیا۔ لیکن اس کی کوئی چال کارگر نہ ہوئی۔ اور وہ بھی ناکام واپس چلا گیا۔

باہان نے جبلہ کو غیرت دلائی اور ساتھ اس کے بہت سے وعدے کئے کہ اگر اس نے عربی لشکر کو مار بھگایا تو میں بنفس نفیس ہرقل سے تمہاری سفارش کر کے انعامات و عطیات دلواؤں گا۔ تمہارا لشکر بہادر اور جان فروش جوانوں پر مشتمل ہے۔ اور لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ مزید براں ان کے لشکریوں کی تعداد بھی تمہاری فوج سے کمتر ہے۔

جبلہ کو جوش آ گیا۔ اور وہ اپنی ساٹھ ہزار عربی سپاہ کو لے کر رومی لشکر سے آگے نکلا اور مسلمانوں سے دعوتِ مبارزت طلب کی۔

ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کی طرف بنظرِ استفسار دیکھا۔ خالدؓ حالات کا توازن کر رہے تھے۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ میں خود اپنے قبیلے کے چند آدمی لے کر آگے بڑھوں اور اگر جبلہ میری باتوں میں آ گیا تو بہتر ورنہ ہم تلوار سے فیصلہ کر لیں گے۔ آپ جب ہماری تکبیر سنیں تو فوراً حملہ کر دیجیے۔ انشاء اللہ تعالیٰ فتح ہماری ہو گی۔

خالدؓ کا یہ دفاعی منصوبہ اگرچہ بالکل سیدھا سادا تھا۔ لیکن بہت پُرخطر بھی تھا۔ خالدؓ نے منتخب شہسوار اور بہادر مجاہد مثلاً ہاشم بن سعید طائی، قعقاع بن عمر تمیمی، شرحبیل بن حسنہ، خالدؓ بن سعید بن عاص، عمر بن عبد اللہ، یزید بن ابی سفیان، سہیل بن عمر عامری، عدی بن حاتم طائی، کعب بن مالک، سوید بن عمر، عبد الرحمٰن بن ابوبکر، رافع بن عمیرہ، عبیدہ بن ابوعبیدہ، ضرار بن ازور، وغیرہما، اپنے ہمراہ لئے تا کہ غسانی عربوں کو پہلے دعوت اسلام دیں، اور اگر وہ اسے قبول نہ کریں تو پھر ان سے لڑائی

جبلہ کہنے لگا ـــــ "ہم برابر مسلمانوں پر غالب آتے جا رہے تھے۔ حتیٰ کہ رات کی ظلمت نے دُنیا کو گھیرے میں لے لیا۔ اس وقت شور و غوغا بلند ہوا جس نے ہماری قوم کو پریشان اور حواس باختہ کر دیا۔ اور ہم برابر کٹ کٹ کر گرنے لگے مسلمانوں کو یہ غیبی مدد ملی جس میں کوئی انسانی ہاتھ نہیں تھا۔ ورنہ مسلمانوں کو کسی صورت بھی غلبہ حاصل نہ ہوتا۔ کیونکہ ان کی جماعت صرف مٹھی بھر تھی اور ہم کئی ہزار"۔

جبلہ کی اس عذر خواہی سے باہان کی تشفی نہ ہوئی۔ اس نے جبلہ کو انتباہ کیا کہ تم اوّل تو بحیثیت ایلچی ناکام ثابت ہوئے۔ دوسرے اب میدان جنگ میں بھی ناکام رہے۔ اب مجھے خود لڑ کر مسلمانوں کو خاک میں ملانا پڑے گا۔

باہان نے والیٔ عمان کو لکھا کہ جلد تر کمک لے کر ساحل قیساریہ کی سمت بڑھے اور قسطنطین سے جا ملے۔ اس کے بعد قسطنطین مجھ سے آ ملے۔

تصویر کا دوسرا رُخ

حضرت عمرؓ کی دعوت پر تقریباً سات ہزار مجاہدین، مدینے میں جمع ہو گئے۔ جنھیں آپ نے حضرت سعید بن عامرؓ کی ماتحتی میں بطور کمک یرموک روانہ فرمایا۔ اور چلتے وقت انہیں نصیحت فرمائی۔ زہد اور تقویٰ پر ہمیشہ دھیان دیں۔ خود بینی غرور نہ ذمائم اخلاق سے گریز کرتے رہیں۔ آسان اور پُرامن راستوں سے جائیں کٹھن راستوں سے بچیں۔

سعیدؓ مدینے سے بصرٰی، تبوک، اور وہاں سے جنادل پہنچے۔ پھر جابیہ کی طرف کوچ کیا۔ اپنی نقل و حرکت کو دشمنوں سے پوشیدہ رکھنے کی غرض سے عام راستوں کو چھوڑ کر میدانی صحرائی اور کوہستانی راستے اختیار کئے۔ لیکن راستہ بھول کر عمان کے قریب قصبہ جنان میں جا پہنچے۔ وہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ والیٔ عمان عنقریب پانچ ہزار سواروں کے ساتھ قیساریہ کی سمت جانے والا ہے۔ اور وہ تھوڑی دیر میں یہیں سے گذر گیا۔ چنانچہ سعیدؓ فی الفور وہاں سے چل دیئے اور اس سڑک پر دشمن کے انتظار میں چھپ گئے۔ جیسے ہی عمان کے حاکم کا لشکر ان کے پاس پہنچا۔ انھوں نے چابک

حملہ کر دیا۔ اس ناگہانی آفت نے رومی فوج کو تہ و بالا کر دیا۔ رومیوں نے بُری طرح شکست کھائی اور بھاگ نکلے۔ سعید ایک دستہ لے کر ان کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ جب کچھ فاصلے پر پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ دو گروہوں میں معرکہ جدال و قتال گرم ہے۔ خیال ہوا کہ شاید دو رومی لشکر آپس میں لڑ رہے ہیں۔ سعید کے لشکر نے تکبیر بلند کر کے جب عمان والوں پر حملہ کیا تو دوسری جانب سے جوابی نعرۂ تکبیر بلند ہوا۔ اس وقت یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابو عبیدہ نے فضل بن عباس اور زبیر بن عوام کو عمان کے علاقے میں غارت گری اور فراہمی رسد کے لئے بھیجا تھا۔ چنانچہ عمان کے بھاگتے ہوئے فوجی ایک طرف سے سعید کے لشکر اور دوسری طرف فضل اور زبیر کے دستوں کے بیچ فنا کے گھاٹ اُترنے لگے۔ عمان کے لشکر پر یہ حملہ دو اطراف سے تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پوری فوج یا تو مقتول و مجروح ہوئی یا قید کر لی گئی۔ اس کے بعد یہ لوگ فاتحانہ انداز سے اور مالِ غنیمت لے کر یرموک میں لشکر اسلام سے جا ملے۔ اس سات ہزار کی کمک نے اسلامی لشکر میں کامرانی و مسرت کی لہر دوڑا دی۔

باہان کی عیاری اور گہری چالبازی

جاسوسوں نے باہان کو اسلامی کمک کی تعداد پندرہ ہزار بتائی اور عمان کی فوج کی تباہی و بربادی کی دلخراش داستان سنائی جسے سن کر باہان از حد پریشان ہو گیا۔ اس نے جبلہ کو پھر بلایا۔ اب کی مرتبہ اس کا طرزِ عمل بہت نرم تھا۔ اس نے جبلہ کی بے حد عزت کی۔ اور مختلف موضوعات پر بات چیت کرنے کے بعد غسانی عربوں اور مسلمانوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ اور جبلہ سے یہ بھی کہا کہ پچھلی مرتبہ اس نے شکست کے غم اور ندامت کے باعث تفصیلی حالات نہیں سنے۔ اب بوضاحت واقعات بیان کیجئے جبلہ بھی موقع کا منتظر تھا۔ اس نے باہان سے کہا کہ اسلامی لشکر میں صرف ایک شخص ایسا ہے کہ اگر اُسے مرعوب کر لیا جائے تو پھر صلح ہو جانے کے بہت بڑے امکانات ہیں کیونکہ وہی اسلامی فوج کو جنگ میں ثابت قدم رکھتا اور اُن کے عزم و حوصلے کو بلند کرتا ہے۔ اس نے رومی افواج کو پے در پے شکستیں دی ہیں۔ [illegible]

بصرہ، اسی نے تاراج کئے۔ وُہی اجنادین کا فاتح ہے۔ اس نے دمشق کو فتح کیا اور اسی نے قیصر کی بیٹی کو قید کیا تھا۔ یہ سب فتوحات اسی کے دم سے ہیں۔ اگر اسے کسی طرح قید کر لیا جائے تو پھر ہمارے راستے میں کوئی رُکاوٹ نہیں رہے گی۔

باہان کے دوسرے مشیروں اور جاسوسوں نے بھی اُسے یہی کہا تھا۔ لہذا باہان نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ کسی نہ کسی طرح خالدؓ کو اپنے بس میں کر کے رہے گا۔ اس نے عربی زبان کے ایک فصیح ماہر کو بُلایا جو ذاتی طور پر نہایت عاقل اور ذی علم تھا۔ اسے ایلچی بنا کر بھیجا اور سمجھا دیا کہ ہر ممکن طریقے سے یہ کوشش کرے کہ صرف خالدؓ کو تنہا ایلچی بنا کر یہاں لائے۔ اس کے صلے میں اسے مالا مال کر دیا جائے گا۔ اس کا نام جرجہ جارج تھا۔ جب جارج اسلامی کیمپ میں پہنچا تو آفتاب غروب ہونے کے قریب تھا۔ مسلمان نماز مغرب کی تیاری کر رہے تھے۔ ابوعبیدہؓ نے اسے نماز ختم ہونے تک انتظار کرنے کے لئے کہا۔

جارج نے دیکھا کہ مسلمان بصد ذوق و شوق خلوص کے ساتھ نماز مغرب کے لئے آ رہے ہیں۔ اس نے اذان بھی سُنی مسلمانوں کی صفوں کو بھی نظر بھر کر دیکھا جو ہاتھ باندھ کر اللہ کے حضور میں ایستادہ تھیں دیکھا۔ مسلمانوں کا سکوت، خشوع و خضوع اور خشیت کا مشاہدہ بھی کیا جو ادائیگی نماز میں معرض ظہور میں آئے۔ وہ حیران رہ گیا۔ وہ عربی زبان سے خوب واقف تھا۔ لہذا جو کچھ امام نے تلاوت کیا اس کے معنی و مفہوم کو بھی اس نے سمجھا۔ نماز ختم ہونے کے بعد اس نے حضرت ابوعبیدہؓ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اسلامی عقائد دریافت کئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ کی باتوں کا جارج پر اتنا اثر ہوا کہ وہ اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اور درخواست کی کہ اسے رومی لشکر میں واپس بھیجنے کی بجائے اسلامی لشکر میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ مگر ابوعبیدہؓ نے کہا کہ تم ایلچی ہو ابھی واپس جاؤ پھر مناسب وقت پر یہاں پہنچ آنا۔

اُس نے جب حضرت ابوعبیدہؓ سے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو آپ نے حضرت خالدؓ کو بلا بھیجا۔ خالدؓ نے جارج سے مفصل باتیں کر لیں۔ تو ابوعبیدہؓ نے جارج

سے کہا تم باہان سے جا کر کہو کہ ہم خالدؓ کو کل اس کے پاس روانہ کر دیں گے۔ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ نے باہان کے لفظ "تنہا" میں اس کا شر دیکھ لیا، گو خالدؓ اکیلے جانے پر بھی رضامند تھے۔ مگر یہ طے پایا کہ خالدؓ اپنے ہمراہ سو بہترین جانباز لے کر جائیں۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے جب خالدؓ کو الوداع کہی تو ان کے چہرے پر اضطراب کے آثار نمایاں تھے۔ انہیں باہان کے مکر و فریب سے بہت خدشہ تھا۔

باہان نے خالدؓ کو مرعوب کرنے کے لئے استقبال کی زبردست تیاریاں کیں میلوں لمبی قطار میں دو رویہ رومی آہن پوش شہسوار کھڑے کئے۔ دربار کو بڑی سج دھج سے آراستہ کیا۔ خالدؓ اور اس کے ساتھی ایسے شیروں کی مانند جا رہے تھے جو جنگلوں میں ہر قسم کے جانوروں کو چیرتے ہوئے چلے جا رہے ہوں۔ یہ مسلم دستہ نہایت بے باکی اور خود اعتمادی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ کئے ہوئے بڑھتا چلا گیا۔

باہان نے بنفسِ نفیس انتہائی عزت و تکریم سے خالدؓ کا خیر مقدم کیا۔ پھر ترغیب خوشامد، مال کی رغبت، لالچ، اپنی سلطنت کی قوت، اثر، رعب، خوف، سب کچھ بنایا۔ خالدؓ کو انتہائی ذی عقل، صاحب شعور انسان، مرد مجاہد، بہادر، صاحب دانش، غرضیکہ بے شمار چکنی چپڑی باتیں کیں، باہان بہت دیر تک مصروف تقریر رہا خالدؓ خاموش بیٹھے سنتے رہے۔ اور اپنے چہرے پر نہ تو ستائش نہ ڈراوے کے اثرات نمایاں ہونے دیئے۔ باہان نے سب کچھ عربی میں کہا لہذا مترجم کی ضرورت پیش نہ آئی۔

خالدؓ کا جواب عامیانہ اور بہادری کا پہلو لئے ہوئے تھا۔ انھوں نے رومی لیاقت کو اعتراف کیا، مگر یہ بھی واضح کر دیا کہ مسلمان دنیا میں صرف اللہ کی وحدانیت کو قائم کرنے کا مقصد عزیز رکھتا ہے۔ جس نے اسلام قبول کیا وہ ہمارا بھائی اور ہم سے ہے۔ ہمیں اس سے کوئی تعارض نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو جزیہ دے اس صورت میں ہم اس کے محافظ اور سینہ سپر ہوں گے اس کی صلاح و فلاح حفاظت

وترقی ہمارے ذمّہ ہوگی۔ اور جو ان دونوں شرطوں سے انکار کرے وہ ہمارا دشمن ہے اُس کے خلاف جہاد کرنا ہمارا ایمان ہے۔

باہان کا ایک مقصد تو پورا ہوگیا۔ یعنی اس نے اپنے تمام سالاروں کو موقع دیا کہ مسلمانوں کی شرائط صحیح خود اُن کی زبان سے سُن لیں۔ اور پھر اپنا فیصلہ جو سنا دیا جو اُس نے خالدؓ سے کہا :۔

"سلطنت روم جزیہ لینی ہے۔ دیتی کبھی نہیں"

باہان نے جب خالدؓ کو زبردست محافظ دستے کی معیت میں دیکھا تو اس نے اپنا دلی ارادہ کہ خالدؓ کو قتل کر دیا جائے، ترک کر دیا۔ اس کی بجائے اُس نے خالدؓ کو ممنونِ احسان بنانے کے لئے پانچوں مسلم قیدیوں کو رہا کر کے ان کے ہمراہ کر دیا۔ اِس پر خالدؓ نے بھی باہان کو طائفی چمڑے کا سُرخ خیمہ جس میں سونے کے دستے لگے ہوئے تھے۔ تحفتاً پیش کیا، جسے باہان نے ابصد شکریہ قبول کیا۔ اس کے بعد خالدؓ رومی کیمپ سے مراجعت فرما ہوئے۔

اِسلامی کیمپ

ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے سب قصہ سُن کر فرمایا "باہان بہت ہوشیار اور مردِ حکیم معلوم ہوتا ہے۔ مگر شیطان اس کی عقل پر غالب ہوگیا ہے۔ تم نے بے شک عقل مندی سے کام لیا کہ کسی شرط یا کسی قرارداد سے اتفاق کئے بغیر وہاں سے چلے آئے"۔

ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو دوسرے دن لڑائی کے لئے تیاری کا حکم دیا۔ اور تمام سالاروں کو علم دے کر احکام صادر کئے کہ دورانِ جنگ میں خالدؓ کے حکم کی تعمیل کریں۔

خالدؓ جب بطور ایلچی گئے تھے۔ تو انھوں نے دشمن کا ساز و سامان، ہتھیار سب دیکھے تھے۔ کیونکہ رومیوں نے اسلامی وفد کو مرعوب کرنے کے لئے کئی میل سپاہیوں کو دو رویہ کھڑا کر کے اپنی شان اور طاقت کا مظاہرہ کیا تھا۔ خالدؓ نے رومیوں کی تمام طاقت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ انہیں رومی فوج کو دیکھنے کا خوب موقع ملا تھا۔ درحقیقت یہ ہے کہ باہان حضرت خالدؓ کو اپنے کیمپ میں آنے کی دعوت دے کر سخت بھری غلطی

شرحبیل بن حسنہ رض

سعید بن زید رض
قباد بن اشیم رض
ابوالاعور سلمی

قلب
حضرت ابوعبیدہ رض
علم بردار حضرت ورقہ بن مہلہل تنوخی رض
قاضی عسکر حضرت ابودرداء رض

زحیف خالد رض

قیس بن ہبیرہ — محفوظ — میسرہ بن مسروق — عمرو بن طفیل

معاذ بن جبل
۵۰۰ سوار

عکرمہ بن ابوجہل
۵۰۰ سوار

خواتین و اطفال

حجاج ۵۰۰ سوار

باہان نے رومی فوجوں کو تیس قطاروں میں ترتیب دیا تھا۔ ہر قطار میں پیدل فوج کے دستے جنھوں نے اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھ کر سوار دستوں کے درمیان رکھی تھی تاکہ مسلم شہسوار ان کے پہلو پر حملہ آور نہ ہو سکیں۔ رومی تیر انداز پیدل فوج کے دستوں کے درمیان متعین کیے گئے تھے۔

دوسرا دن

دوسرے دن کی لڑائی میں خالد رض نے تمام طریقہ ترتیب افواج چھوڑ کر نیا طریقہ اختیار کیا۔

۱۔ مقدمۃ الجیش سے مؤخر لشکر تک ابھی سر کی آخری صف تک تمام اسلامی لشکر ۳۶ قطاروں میں تقسیم کیا گیا۔

۲۔ ان صفوں کو ایشلن (ECHELON) میں اس طرح سے ترتیب دے کر ردیفوں کو

سے کسی قطار کے فیلنک (پہلو) کا پتہ نہ چل سکا۔ یعنی میمنہ، قلب، میسرہ کی صفیں آپس میں ملی ہوئی تھیں۔

رومی سپہ سالار باہان نے اپنی فوج کو احکام صادر کئے کہ جب تک مسلمان پیش قدمی نہ کریں حملہ نہ کیا جائے۔

حضرت خالدؓ کا یہ حکم تھا کہ آپ لوگ اپنی جگہ کھڑے رہیں۔ اگر دشمن حملہ آور ہو تو اُس پر تیروں کی بوچھاڑ کرو۔ مگر یہ یاد رہے کہ تیر متفرق ہو کر نہ نکلیں بلکہ دشمن کی طرف تمام تیر ایک ہی کمان سے نکلتے ہوئے دکھائی دیں۔ اور جب تک حملے کے لئے آگے بڑھنے کا میں حکم نہ دوں۔ اس وقت تک اپنی جگہ ہی پر کھڑے رہنا۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے تمام فوج کا چکر لگایا۔ جابجا انتظام کیا۔ لوگوں کو ڈھارس بندھائی۔ جب عورتوں کے کیمپ میں پہنچے تو انہیں باعزم رہنے کی ہدایت کی۔ تمام خواتین نے اپنی حفاظت آپ کرنے کے لئے اپنے کو ٹولیوں میں منظم کر لیا تھا۔ اور تیر انداز عورتوں کو اہم مقامات پر متعین کر دیا تھا، کئی جگہ پتھروں کے ڈھیر بھی جمع کر دیئے تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔ عورتوں کا جوش و خروش اور حوصلہ دیکھ کر حضرت ابوعبیدہؓ بہت متاثر ہوئے، اُن کے حق میں دعا فرمائی۔ اور ایک دستہ اُن کی حفاظت کے لئے متعین کیا۔

لڑائی کس طرح چھڑتی ہے

دفعتاً ایک بطریق میدان میں آیا۔ اپنے مقابلے میں مسلمانوں کو میدان میں نکلنے کی دعوت دی۔ حضرت قیسؓ اس سے لڑنے کے لئے آگے بڑھے اور بجلی کی سی سرعت سے اس پر حملہ کر دیا۔ وہ اپنے آپ کو بچا نہ سکا۔ ایک ہی وار میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑا۔ اس کے بعد ایک اور رومی پہلوان نکلا۔ اس کے مقابلے کے لئے حضرت ذوالکلاع حمیریؓ میدان میں اُترے۔ لیکن وہ زخمی ہونے کی وجہ سے واپس آ گئے۔ ان کا بدلہ لینے کے لئے ایک حمیری نوجوان نکلا اور اس رومی پہلوان کو مار گرایا۔ وہ اپنے مقتول کی زرہ اتار ہی رہا تھا کہ رومیوں کے ایک دستے نے آگے بڑھ کر حملہ کر دیا۔ اس کے جواب میں حمیریوں کا

ایک گروہ آگے بڑھا اور رومیوں کو مار بھگایا۔ یہ تمیری زرہ اور خود لے کر حضرت ابو عبیدہؓ
کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے مقتول کی زرہ، خود اور تلوار سے انعام میں مرحمت فرمائی
اور اُس کے حق میں دعائے خیر کی۔ اب یہ تمیری مجاہد پھر میدانِ جنگ میں نکلا اور پے
در پے کئی رومیوں کو قتل کیا۔ آخر کار ایک رومی نے اسے شہید کر دیا۔ لیکن جب یہ
رومی اس تمیری شہید کی تلوار اُٹھا رہا تھا تو ایک مسلم تیر انداز نے اسے تاک کر ایسا تیر
مارا کہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

اس واقعہ کا بُرا اثر پڑتے دیکھ کر مرلوس جو نابلس کا والی تھا اور بطریق کے منصب
کا افسر تھا اپنی قوم کی حوصلہ افزائی کی خاطر آگے بڑھا۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے شرحبیلؓ
بن حسنہ آگے بڑھے۔ بہت دیر تک لڑائی ہوتی رہی اور کوئی بھی ایک دوسرے پر غالب
نہ آسکا۔ آخر کار مرلوس اپنے شرحبیل کے ہاتھوں مارا گیا۔

والیِ نابلس اور روں کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے ایک پہلوان میدان میں نکلا جسے
زبیرؓ نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد پے در پے کئی پہلوان آئے اور سب حضرت زبیرؓ کے
ہاتھوں ختم ہوئے۔ خالدؓ نے جب دیکھا کہ حضرت زبیرؓ تھک گئے ہیں تو حضرت ابو عبیدہؓ
سے عرض کیا کہ انہیں واپس بلا لیا جائے۔ حضرت زبیرؓ واپس آگئے۔ اب شام ہو
چکی تھی۔

رومیوں کے اتنے بہت سے نامور پہلوانوں اور شہسواروں کے قتل نے ان کی
فوج کو غضب ناک کر دیا۔ چنانچہ مرلوس کا داماد جو ایک بطریق تھا لڑنے کے لئے میدان
میں آیا۔ اس کے مقابلے کے لئے خالدؓ نکلے۔ اور آن کی آن میں اس کا خاتمہ کر کے اس
کا سامان لے آئے۔ اس کے خود، صلیب اور زرہ کی قیمت پندرہ ہزار دینار سے
کم نہ تھی۔

اس بطریق کا خاتمہ کرنے کے بعد خالدؓ اپنے لشکر میں واپس آگئے۔ آپ کے
واپس آنے کے بعد ایک اور رومی شہسوار نکلا۔ اس کے مقابلے میں ایک مسلمان بہادر
نکلا۔ غرضیکہ اس طرح لڑائی جاری رہی۔

رومی بہادر اور نامور سالار مسلمانوں سے بدلہ لینے کی نیت سے بڑے کروفر کے ساتھ میدان میں آتے اور مارے جاتے تھے۔ اس کے برعکس مسلمان بہادروں کا یہ عالم تھا کہ کئی رومیوں کو تہ تیغ کرنے کے بعد اگر کوئی مجروح ہو جاتا، تو چستی و چالاکی ہونے کے باعث اپنی جان بچا کر لشکر میں لوٹ آتا۔

اب رومیوں کے سردار بطریق جرجہ جو مقدمۃ الجیش کا سالار تھا لڑنے کے لئے آگے بڑھا۔ اس نے میدان میں آکر خالدؓ کو دعوتِ مبارزت دی۔ خالدؓ فوراً آگے بڑھے۔ قبل اس کے کہ خالدؓ وار کریں۔ وہ نہایت فصیح عربی میں خالدؓ سے کہنے لگا کہ لڑنے سے پہلے میں تم سے سوال کرنا چاہتا ہوں۔ جرجہ کا پہلا سوال یہ تھا کہ کیا تم کو اللہ کی طرف سے تلوار عطا ہوئی ہے کہ تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا؟ خالدؓ نے جواب دیا کہ — حقیقت یہ ہے کہ مسلمان ہونے سے میرا دل صاف اور ایمان مضبوط ہو گیا۔ میں جنگِ موتہ میں جب لڑا تو میری جانبازی کی کارگزاری حضرت نبی کریم علیہ السلام کو جب پسند آئی تو آپ نے مجھے سیف اللہ کا خطاب فرمایا۔ اس کے بعد جرجہ نے اسلامی عقائد، نبوت اور مساوات سے متعلق سوالات کیے۔ پھر درخواست کی کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ لہٰذا اُسے لے کر آپ حضرت ابو عبیدہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جرجہ مشرف باسلام ہو گیا۔ بعد ازاں جرجہ کئی معرکوں میں اسلامی لشکر کے ساتھ رومیوں سے لڑتا رہا۔ اور ایک معرکے میں جامِ شہادت اُسے نصیب ہوا۔

جرجہ جیسے نامور دلیر اور تجربہ کار بطریق کے تبدیلیٔ مذہب سے رومی لشکر حیرت زدہ رہ گیا۔ اور ماہان بہت کبیدہ خاطر ہوا۔

تیسرا دن

تیسرے دن کئی مسلمان شہسواروں کا نعرہ دیکھ کر ماہان سے نہ رہا گیا۔ اس نے دوپہر کے قریب اپنے تیر اندازوں کو حکم دیا کہ مسلمانوں پر تیر برسائیں۔ ایک لاکھ تیر اندازوں کی تیر باری نے آفتاب کی شعاعوں کو چھپا دیا۔ جب بہت سے مسلمان زخمی ہوتے نظر آئے تو خالدؓ نے فوج کو اس قدر پسپا ہونے کا حکم دیا کہ وہ تیروں کی زد سے باہر ہو جائے۔
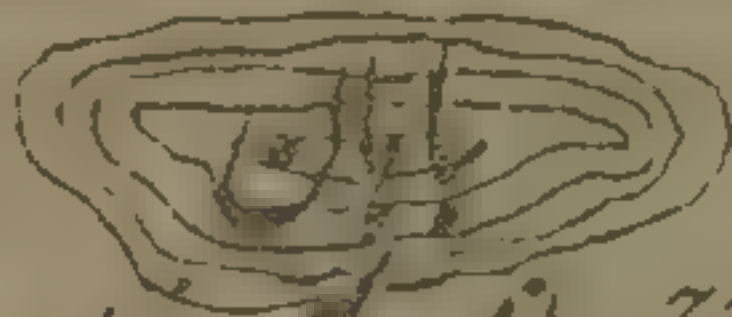
یرموک کا میدان جنگ
(تیسرے دن کی فوجی ترتیب)
میمنہ
میسرہ
قناطیر
قلب
جبلہ نصرانی عرب
ایک لاکھ تیرانداز
تیرانداز
حضرت ابوعبیدہ
علامات
رومیوں کے حملے کا رخ
اسلامی جوابی حملوں کا رخ
۵۰۰ شہسوار

رومی تیر اندازوں کا یہ حملہ اتنا زبردست تھا کہ اہلِ عرب نے اسے یوم التعویر (یعنی یک آنکھ سے اندھا ہونے کا دن) کا نام دیا۔ اس دن بہت سے مسلمانوں کی ایک ایک آنکھ جاتی رہی تھی۔ باہان سمجھا کہ مسلمان میدان چھوڑ رہے ہیں۔ لہٰذا اس نے اپنے تمام سالاروں کو اور زنجیر بستہ پیدل فوج کو حملے کا حکم دے دیا۔ قناطیر کا حملہ کامیاب رہا۔ اور رومی مسلمانوں کو دباتے ہوئے عورتوں کے کیمپ تک لے گئے۔ تومیر، تودیر، اور جرجیر کے حملوں کو قلب کی اسلامی فوج نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ دیرجان کی فوج اور عمرو بن عاصؓ کی فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔

کچھ رومی دستے مسلمان عورتوں کے کیمپ تک آ پہنچے مگر یہاں عورتوں نے بڑی بہادری سے جم کر مقابلہ کیا۔ اس اثنا میں حجاج اور عکرمہ بن ابوجہل نے ان رومیوں کے عقب پر اس زور سے حملہ کیا کہ رومی بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ اور مسلمان شہسواروں کے ہاتھ سے شاید ہی کوئی زندہ بچ کر گیا ہو۔ خولہ بنت ازور، عفیرہؓ بنت عفان، اسما بنت ابوبکرؓ نے قابلِ قدر کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

خالدؓ بن ولید اس سے بے خبر نہیں تھے۔ آپ نے محفوظ فوج کے شہسواروں کے سالاروں کو دشمن کے عقب اور پہلوؤں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور خود دشمن کے قلب میں گھس گئے۔ جہاں رومی فوجوں کے ہٹ جانے سے جگہ خالی ہو گئی تھی۔ خالدؓ باہان تک پہنچنا چاہتے تھے۔ سب مورخوں نے بیک زبان لکھا ہے کہ خالدؓ انتہائی بے جگری اور اولوالعزمی سے مارتے اور کاٹتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے کہ بطریق نسطور نے جو بہادر اور قابل شمشیر زن تھا آپ پر حملہ کیا۔ اتفاق سے آپ کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ نسطور نے تلوار کا وار کیا جو اوچھا پڑا۔ گو خالدؓ زخمی ہوئے مگر آپ نے سنبھل کر اس پر ایسا بھرپور وار کیا۔ کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

باہان کو جب خالدؓ اور ان کے دستے کے حملے کی خبر ملی تو وہ ان کا مطلب سمجھ گیا اس نے اپنے گرد و پیش قوی محافظ دستہ تعینات کر کے جرجیر، تودیر اور قناطیر کو حکم بھیجا کہ وہ پیچھے ہٹ آئیں تاکہ رومی لشکر میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے وہ بند ہو جائے۔ لڑائی

مغرب تک زور شور سے جاری رہی۔ آخر تاریکی نے دونوں لشکروں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔

آج حضرت ابوعبیدہؓ نے بجائے سالاروں کے رات کا گشت اپنے ذمے لیا اور اپنی مدد کے لئے اُن مجاہدین کو لیا جنھوں نے ان کی جنگ میں نمایاں حصہ نہیں لیا تھا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے گشت کے دوران میں دیکھا کہ کئی خواتین اسلام پہرے داروں یا سپاہیوں کے ساتھ گشت میں مصروف ہیں تاکہ حفاظت میں کم سے کم مردوں کا حصہ رہ جائے۔ یہی مستورات دن کے وقت زخمیوں کی مرہم پٹی، تیمارداری، پانی پلانے اور کھانا کھلانے کے فرائض انجام دیتی رہیں۔ یہ مسلمان عورتیں دلیر اور بہادر بھی تھیں اور اُن تھک بھی۔ وہ لڑائی میں اپنے مردوں کا ہاتھ بٹانا اپنا فرض سمجھتی تھیں۔

چوتھا، پانچواں اور چھٹا دن

ان دنوں میں رومیوں کی طرف سے کوئی نقل و حرکت نہیں ہوئی۔ لہٰذا مسلمانوں نے بھی پیش قدمی نہ کی۔ البتہ اس اثنا میں مختصر اسلامی دستے اطراف و اکناف میں رسد جمع کرنے کے لئے گئے۔ رسد جمع کی، غارت گری انجام دی، اور وہ رومی دستے جو اطراف سے کمک آکر رومی لشکر میں شامل ہونے والے تھے، ان سے لڑکر انہیں ختم کیا۔

رومی کیمپ اِن ایام میں

مسلمانوں کے حملوں کے خوف سے حمص کے ایک دولت مند ابوالجنید نے اپنے شہر کی سکونت ترک کرکے وادیِ یرموک میں اقامت اختیار کرلی تھی کہ جب خیر و عافیت ہو جائے گی تو وہ اپنے وطن کو واپس چلا جائے گا۔ جب رومی لشکر اس کے علاقے میں جس کا نام زرعت تھا، رسد فراہم کرنے گئے تو اُس نے بڑے اہتمام اور کوشش سے رومیوں کے لئے ذخائر رسد مہیا کیے۔ اور رومیوں کے سردار بطریق نسطور اور رسد جمع کرنے والے لشکر کو نہایت پُرتکلف ضیافت دی۔ رومیوں نے دعوت کے بعد شراب سے مخمور ہو کر حسبِ عادت عورتوں کی بے حرمتی کی حتیٰ کہ ابوالجنید کی دونوں بیویاں بھی نہ بچ سکیں۔ اِس جرم کا مرتکب خود بطریق ہُوا۔ جب ابوالجنید نے اس کا شکوہ کیا تو بطریق

نے اُس کے بچّے کو قتل کر کے اُس کی گود میں پھینک دیا اور خود الوالجنید کو حراست میں لے لیا تاکہ شروفساد نہ پیدا کرنے پائے۔

جب فطیوما رگئی تو الوالجنید کو جاگنے کا موقع ملا اور وہ اس معرکہ عظیم کے پانچویں روز خالدؓ کے پاس پہنچ کر اپنا ماجرا بیان کرنے کے بعد انتقام لینے کے لئے اپنی خدمات خالدؓ کے سپرد کیں۔ الوالجنید نے کہا کہ رومیوں کا لشکر اسلامی فوج سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اور اُن کے لئے نئی کمک بھی چلی آ رہی ہے۔ مگر میں ایسی تجویز پیش کرتا ہوں کہ جس پر عمل کرنے سے کئی ہزار رومی لشکر تباہ ہو جائے گا۔ اسی عالم میں ہیں اگر آپ ان پر حملہ کر دیں گے تو کامیابی کی قوی اُمید ہے۔ اس خدمت کے بالعوض مجھے وہ میری اولاد اور اہل کو امان دی جائے گی۔ خالدؓ نے امان دینے کے علاوہ یہ بھی کہا کہ تم اور تمہاری اولاد جزیئے سے مستثنیٰ رہے گی۔

الوالجنید نے اب اپنا منصوبہ پیش کیا:۔

رومی لشکریوں کو واقوصہ ندی کے مختلف حصّوں کی گہرائی اور بہاؤ کی تیزی کا پورا علم نہیں۔ لہٰذا آپ اپنے کیمپ میں تقریباً دس ہزار مقامات پر رات کے وقت روشنی کیجئے تاکہ ایسا معلوم ہو کہ آپ لوگ بھاگ جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اسی رات کو آپ میرے ہمراہ پانچسو چیدہ چیدہ جانباز روانہ کر دیجئے۔ جو ایک مخصوص مقام سے ندی میں سے گذریں گے۔ جہاں پانی کی گہرائی اور بہاؤ کم ہے۔ یہاں سے گزر کر چند آدمی رومی لشکر پر شبخون ماریں۔ رومی ان کا تعاقب کریں تو وہ میرے ساتھ چلیں اور میرے دکھلائے ہوئے مقام پر دریا پر پہنچ کر ایک دم ایک طرف مڑ کر دریا پار کریں وہاں سے پار کرنا آسان ہے۔ اس کے علاوہ آپ چند ایسے آدمی مقرر کریں۔ جو آب کے کنارے پر اس ندی میں مقررہ مقام پر پانی میں اس طرح سے ہل چل مچائیں کہ گویا آپ کے شبخون مارنے والے مسلمان اسی راستے سے اپنے کیمپ میں واپس آ رہے ہیں۔ میں اور میرے ساتھی وہیں ٹھہر کر رومیوں کو یقین دلائیں گے کہ آپ لوگ اسی راستے سے لوٹ کر دریا کے پار گئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اپنے معتبر مخبروں کی مدد سے میں رومیوں کے لشکر کے

معتدبہ حصے کو اس دریا میں غرق کرنے میں کامیاب ہوں گا۔ اور اس طرح اپنا انتقام لے لوں گا۔

خالدؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کی اجازت سے منتخب جانباز مثلاً ضرارؓ بن ازور، عیاضؓ بن غنم، رافع بن عمیرہ، وغیرہ کو روانہ کیا۔ تاکہ چھپ چھپا کر ان مقامات کو دیکھ آئیں ساتھ ہی چند جاسوسوں کو ان جگہوں کی تفتیش کے لئے روانہ کیا۔ جب سب باتوں کی صحت کا یقین ہوگیا تو ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو اس منصوبے پر عمل در آمد کرنے کی اجازت دے دی۔

دریائے واقوصہ (یاقوصہ) ناقوصہ بن گیا

چھٹے دن شام ہوتے ہی ابوعبیدہؓ کے حکم سے اسلامی پڑاؤ میں دس ہزار سے زیادہ مقامات پر روشنی کی گئی، کیمپ میں شور و غل برپا کیا گیا۔ ابوالجنید، اس کے ساتھیوں، اور مسلمان جاسوسوں نے رومی لشکر میں خبر پھیلا دی کہ آج شاید مسلمان نقل و حرکت کرنے والے ہیں۔

رات کے وقت ابوالجنید اسلامی کیمپ میں آیا اور پانچسو مسلم جانباز شہسواروں کو ہمراہ لے کر رومی کیمپ کی طرف لوٹا۔ اس دستے سے کئی جانبازوں نے چند مقامات پر رومی لشکر کے محافظ دستوں پر حملہ کر کے انہیں ختم کر دیا۔ ور جو لوگ ان کی اعانت کے لئے آئے انہیں مقتول و مجروح کرتے اور لڑتے پیچھے ہٹتے گئے۔ ابوالجنید کے ساتھی موقع پر موجود تھے۔ انھوں نے شور مچا مچا کر کہا کہ حملہ آور بہت کم ہیں انہیں مارو۔ وہ اس طرف جا رہے ہیں۔ پکڑو دوڑو کے شور سے رومی لشکری بے تحاشا جس سمت میں تھے مسلمانوں کو پکڑنے دوڑے۔ اس جم غفیر پر پانچ سو میں سے باقی شہسواروں نے جو گھات میں تھے حملہ کر دیا۔ اس قتل و غارت گری سے بہت شور مچ گیا۔ لہٰذا رومی لشکری مدد کے لئے بھاگے۔ مگر اس اثنا میں سوائے ابوالجنید، اس کے ساتھیوں، وہ زخمی یا پراگندہ رومی لشکریوں کے اور کوئی نہ تھا۔ ابوالجنید اور اس کے ساتھیوں نے شور مچا مچا کر کہا کہ مسلمان تعداد میں زیادہ نہیں ہیں اور وہ بھی راستے سے دریا پار کر رہے ہیں۔

خالدؓ نے حسبِ عادت دشمن کے آدمیوں پر اعتماد نہیں کیا تھا۔ بلکہ خود دریا کے
دوسرے کنارے پر کھڑے اس منصوبے پر عمل کرا رہے تھے۔ تاکہ بوقتِ ضرورت خود اپنے
ساتھیوں کی مدد کو پہنچ جائیں۔

رومی لشکری اپنے آدمیوں کی باتوں میں آکر آگے بڑھے اور دریائے واقوصہ میں
اپنے گھوڑے ڈال دیئے۔ جب وہ ڈوبنے شروع ہوئے اور شور مچایا تو ان کے رومی
ہمراہی عجلت اور گھبراہٹ میں ان کی مدد کے لئے جوق در جوق ان کے پیچھے گئے۔ اس
طرح سے کئی ہزار نامور رومی شہسوار واقوصہ میں ڈوب کر مر گئے۔ اس دن اس کا نام
ناقوصہ رکھا گیا۔

باہان کو جب اس حادثے کا علم ہوا تو اُسے بہت ملال ہوا کیونکہ رومیوں نے اس
حادثے کو بلائے ناگہانی قرار دیا۔ اور ان کے حوصلے بالکل پست ہو گئے۔

باہان نے قوریب سے مشورہ کیا کہ جنگ میں ایک دن التوا کے لئے مسلمانوں سے
کہا جائے تاکہ رات کے وقت ہم شبخون مار سکیں۔ چنانچہ علی الصباح ابوعبیدہؓ کے پاس
ایلچی بھیجا گیا کہ آج شام تک جنگ کو ملتوی رکھی جائے تاکہ ہم اپنے مردوں کو دفن کر لیں۔
ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے مشورہ کیا۔ خالدؓ نے سخت مخالفت کی اور کہا مجھے لفظ
"آج شام تک" سے دغا اور فریب کی بو آتی ہے۔ یا تو وہ رات کو شبخون مارنا چاہتے
ہیں یا اس نقصان کی تلافی اور لوگوں کے پست حوصلے کے دفعیے کی تدبیر کرنے کے
درپے ہیں۔

چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں لشکرِ اسلام میدانِ جنگ میں آیا، صف بندی کی،
اور حریف کا انتظار کرنے لگا۔

رومی کیمپ

باہان نے ابوعبیدہؓ کے جواب کو خلافِ اُمید پا کر، تمام سرداروں کو جمع ہونے کا حکم
دیا۔ جب وہ سب آ گئے تو اُن سے کہا کہ اب بہتر تدبیر یہ ہے کہ اس جنگ کو طول دیا جائے
لشکرِ اسلام کو میدانِ کارزار میں صف آرا دیکھ کر باہان نے بھی اپنا لشکر میدان میں

للکارا کیا۔ اور جرجیر کو حکم دیا جو مشہور شہسوار بطریق تھا کہ اکیلا لڑنے جائے اور سپہ سالار لشکرِ اسلام کو مقابلے کی دعوت دے۔ چنانچہ جرجیر وسط میدان میں پہنچا اور حضرت ابوعبیدہؓ کو لڑنے کی دعوت دی۔

لڑائی

حضرت ابوعبیدہؓ نے جب سنا کہ دشمن مجھے بلا رہا ہے۔ تو وہ بلا پس و پیش مقابلے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اپنا نشان خالدؓ کے سپرد کر کے فرمایا کہ "اگر میں شہید ہو گیا تو سوائے لشکر کے سپہ سالار تم ہو گے۔ اور اگر میں صحیح و سلامت واپس آ گیا تو اپنی امانت واپس لے لوں گا۔" اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی اور لڑنے کے لئے میدان میں آ گئے۔

جرجیر نہایت قوی ہیکل، دیو منش، مشہور شمشیر زن، شہسوار اور پہلوان تھا۔ دیر تک مقابلہ ہوتا رہا اور دونوں فنِ سپہ گری کی داد دیتے رہے۔ یکایک جرجیر پھیر... دو پشت دے کر اپنے لشکر کی طرف بھاگا۔ ابوعبیدہؓ نے اس کا تعاقب کیا۔ جرجیر ایک دم پلٹا اور گھوڑے کو روک کر ابوعبیدہؓ پر تلوار کا وار کیا۔ مگر ابوعبیدہؓ پرانے شمشیر زن تھے۔ وہ جرجیر کی چال سمجھ گئے تھے۔ چنانچہ اُن کا وار جرجیر پر پہلے پڑا اور جرجیر کے دائیں شانے کے پاس سے دو حصے ہو گئے۔ جرجیر زمین پر گر پڑا

ابوعبیدہؓ وہیں کھڑے ہو گئے تاکہ دوسرے حریف کا مقابلہ کریں۔ خالدؓ نے بُرزور التجا کر کے اُنھیں واپس بلا لیا اور علم اُن کے ہاتھ میں دے دیا۔

جرجیر کا بدلہ لینے کے لئے باہان نے خود میدان میں نکلنا چاہا۔ مگر اس کے ساتھیوں نے اُسے روک دیا۔ پھر بطریق جرجیس جو جرجیر کا قریبی رشتے دار تھا میدان مقابلہ میں نکلا اور ضرارؓ بن ازور کے ہاتھ سے مارا گیا۔

اپنے سالاروں کے مشورے کے خلاف اب باہان میدان میں خود نکلا۔ اس کی دعوت کے جواب میں قبیلہ اوس کا ایک نوخیز نوجوان نکلا۔ جسے باہان نے ایک ہی وار میں شہید کر دیا۔ باہان نہایت گرانڈیل، مضبوط، اور تجربہ کار جنگ آزما تھا۔

پھر مالک نخعیؓ جو بہت طویل القامت، تنومند، شہرآفاق بہادر تھے، باہان کے

مقابلے کے لیے نکلے۔ مقابلہ برابر کا تھا جو بہت دیر تک ہوتا رہا۔ آخرکار باہان نے اپنا گرز مالک نخعیؓ کے سر پر اس شدت سے مارا کہ ان کا خود سر میں گھس گیا اور ان کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ باہان سمجھا کہ حریف گرا ہی چاہتا ہے۔ مالک نخعی نے زخم کے درد پر اپنے عزم کو غالب کر کے باہان پر تلوار سے اس شدت کا وار کیا کہ باہان حیران و ششدر رہ گیا۔ گو شدتِ درد کے باعث مالک زوردار وار نہ کر سکے تاہم یہ اوچھا وار بھی ایسا کاری پڑا کہ تلوار داہنے شانے کی زرہ کاٹتی ہوئی اتر گئی۔ باہان شدتِ درد اور ہاتھ کے شل ہونے سے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا۔

خالدؓ کی عقابی آنکھ سے یہ منظر کیسے چوک سکتا تھا۔ لہٰذا انھوں نے فوراً فوج کو حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔

رومیوں نے مغرب تک بڑی دلیری سے مقابلہ کیا۔ مگر وہ ہمت ہار چکے تھے خصوصاً جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ باہان ایک چیدہ دستے کے ساتھ دمشق کو بھاگ گیا ہے۔ تو ان کے پاؤں بری طرح اکھڑے کہ پھر نہ جم سکے۔ رات کی تاریکی میں بے شمار رومی دریائے یرموک اور دریائے واقوصہ میں غرق ہو گئے تیس ہزار سے زیادہ فوجیوں نے ہتھیار ڈال دیئے جنھیں گرفتار کر لیا گیا۔ نصف رات تک رومیوں کا قتلِ عام ہوتا رہا۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے رسالے کے ساتھ خالدؓ کو باہان کے تعاقب میں روانہ کیا۔ وہ باقی فوج مالِ غنیمت لے کر دمشق کو روانہ ہوئی۔

خالدؓ نے بسرعتِ ممکنہ باہان کا تعاقب کیا اور اسے دمشق کے قریب جا لیا۔ اہلِ دمشق نے مسلمانوں کی فتح کی خبر سن لی تھی اور مسلمانوں کے حسنِ سلوک نے ان کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا۔ لہٰذا انھوں نے شہر کے دروازے باہان پر بند کر دیئے۔ شہر کے باہر گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ باہان میدانِ جنگ میں قتل ہوا۔ اس کا لشکر گاجر مولی کی طرح کٹ گیا۔ خالدؓ نے اہلِ دمشق سے پرانے معاہدے کی شرطوں پر از سر نو صلح کر لی اور حمص کی جانب روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں ثنیۃ العقاب اور دوسرے مقامات پر رومی لشکر کی جماعتوں سے مڈبھیڑ ہوئی اور یہ انھیں ہلاک و مقید کرتے ہوئے

آگے بڑھتے چلے گئے۔

حمص میں ابوعبیدہؓ خالدؓ سے آملے۔ یہاں ابوعبیدہؓ نے اسلامی لشکر کے کئی دستے بنائے اور مختلف سالاروں کے ماتحت رومی پسپا شدہ لشکروں کے تعاقب میں روانہ کیا تھا کہ رومیوں کو دم لینے اور دوبارہ طاقت فراہم کرنے کا موقع نہ ملنے پائے۔

خالدؓ قنسرین کی طرف

ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو قنسرین کی طرف روانہ کیا تاکہ شمالی علاقوں کے ان مقامات کو جہاں قسطنطین فوجیں جمع کرتا رہا تھا رومیوں سے بالکل پاک کر دیا جائے۔ اثنائے راہ میں مقام حاضر میں ان کا مقابلہ بطریق نیاس سے ہوا، جسے حمص کی مدافعت کے لیے شاہ ہرقل نے لشکر جرار کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ نیاس بطریق قیصر ہرقل کا معتمد علیہ، اور بڑی ہمت کا حاکم تھا۔ اگرچہ خالدؓ کا لشکر تھکا ہوا تھا۔ لیکن حوصلے بلند تھے لہٰذا اپنے سے کئی گنا زیادہ فوج سے ٹکر لینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی۔ شروع میں تو نیاس کا لشکر بڑی بہادری دکھاتا رہا، لیکن عصر کے وقت جیسے ہی خالدؓ نے اپنے محفوظ دستے سے اس کے پہلو پر حملہ کیا، تو رومی لشکر ہمت ہار بیٹھا اور شکست کھا کر فرار ہو گیا۔ پھر خالدؓ نے قنسرین کی سمت کوچ کیا۔ قنسرین والوں نے بہت دن تک قلعہ بند ہو کر مدافعت کی۔ انجام کار صلح کی درخواست کی۔ خالدؓ نے اس شرط پر صلح کی درخواست منظور کی اور امان دی کہ قلعہ اور شہر پناہ کی تمام فصیلیں، برج اور مینار منہدم کر دیئے جائیں تاکہ یہ بے حد مضبوط قلعہ آئندہ تکلیف نہ دینے پائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب وہ خط پڑھا جس میں سپہ سالار لشکر اسلام حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے خالدؓ کی دلیری، جانبازی، دور بینی، عزم و ثبات، سرفروشی اور عقل مندی کا ذکر کیا تھا تو آپ نے اہل مدینہ کو جمع کر کے وہ تحریر پڑھ کر سنایا اور فرمایا "اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکرؓ پر رحمت نازل فرمائے۔ وہ مجھ سے بہتر طور پر لوگوں کو پہچانتے تھے۔ خالدؓ واقعی قابل فخر سالار لشکر ہے۔"

حضرت ابوعبیدہؓ نے تمام علاقوں میں فوجی دستے روانہ کر کے تمام رومی لشکر کے

ہو کر معذرت کرنے لگا۔ آپ نے خندہ پیشانی سے اُسے مطمئن کیا، وہیں خط کھول کر پڑھا اور اسی جگہ حضرت باری تعالیٰ عزّ اسمہ کی جناب میں سربسجود ہو گئے۔ اس کا شکر ادا کیا۔ خط میں لکھا تھا کہ اہلِ بیت المقدس نے یہ پیش کش کی ہے کہ مسلمانوں کے خلیفہ خود یہاں تشریف لا کر معاہدے پر دستخط کریں تو ہم شہر کی کنجیاں اُن کے حوالے کر کے شہر کے دروازے کھول دیں گے۔

یہ شرط کچھ عجیب سی نظر آئی۔ امیر المومنین نے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور صحابہ کرام سے رائے طلب کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ شرط مان لینی چاہیئے تاکہ آسانی سے یہ شہر مسلمانوں کے قبضے میں آجائے اور خلق اللہ کی خون ریزی نہ ہو۔ کثرت رائے حضرت علیؓ کی طرف تھی۔ چنانچہ امیر المومنین نے تیز رفتار شتر سوار کو خط دے کر پہلے روانہ کر دیا کہ آپ روانہ ہو رہے ہیں۔ اور اس کے بعد آپ نے روانگی کا انتظام کیا۔

اس موقع پر ایڈورڈ گبن مشہور انگریز مورخ لکھتا ہے۔ "کتنی حیرت کا مقام ہے یہ مٹھی بھر سفید ریش بڈھے، کھجور کے ستونوں اور کھجور کی چٹائیوں کی چھت والی مسجد نبویؐ میں بیٹھے ہوئے قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کا فیصلہ کر رہے ہیں!"

تمام مسلمانوں کے خلیفہ حضرت عمرؓ بیت المقدس اس شان سے روانہ ہوئے کہ نہ آپ کے ساتھ کوئی لشکر تھا، نہ باڈی گارڈ، نہ ماہی مراتب، نہ جلوس شاہانہ صرف ایک غلام تھا اور آپ تھے۔ بے حد حسب معدلت و علم بردار مساوات انسانی۔ جتنا فاصلہ خود اونٹ پر سوار رہ کر طے فرماتے، اتنے ہی فاصلے کے طے کرنے کے لئے اپنے غلام کو اونٹ پر بٹھا کر خود پیادہ چلتے! یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم تھا جس نے آپ پر اثر کیا تھا۔ رستے میں جب بھوک لگتی تو جو کے ستو اور کھجوریں تھیلی میں سے نکال کر غلام کو ساتھ بٹھا کر کھلاتے اور خود بھی کھاتے۔

آپ کے استقبال کے لئے یزید بن ابی سفیانؓ، عمرو بن العاصؓ، خالد بن ولیدؓ اور ابوعبیدہؓ، لشکر گاہ سے کئی میل دور سراپا انتظار تھے۔ آپ نے سب سے سلام علیک کہا۔ آپ نے دیکھا کہ سوائے ابوعبیدہؓ کے باقی سب نے بیش قیمت قبائیں پہن رکھی

مقامات میں مداخلت نہیں کی جائے گی۔ اور نہ وہ منہدم کئے جائیں گے، ان عمارتوں اور احاطوں کو بھی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ ان کی صلیبوں اور ان کے اموال میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

۳۔ مذہب کے معاملے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ان کے مذہب کو ضرر پہنچایا جائے گا۔

۴۔ ایلیا میں عیسائیوں کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔

۵۔ ایلیا والوں کا فرض ہے کہ یہ دیگر شہر والوں کی طرح جزیہ ادا کریں اور یونانیوں کو نکال دیں۔ (یونانیوں سے مراد رومی ہیں)

۶۔ یونانیوں میں سے جو شہر سے جائے گا، اس کی جان اور مال اس وقت تک محفوظ رہیں گے جب تک وہ اپنی جائے پناہ میں نہ پہنچ جائے اور اگر ان میں سے کوئی ایلیا میں رہنا چاہے۔ تو اس کی جان و مال محفوظ رہیں گے۔ اسے ایلیا والوں کی طرح جزیہ ادا کرنا ہوگا۔

۷۔ اگر ایلیا والوں میں سے کوئی یونانیوں کے ساتھ جانا چاہے، تو اس کے جان، مال صلیب کی حفاظت اس وقت تک کی جائے گی جب تک وہ اپنی جائے پناہ پر نہ پہنچ جائے۔

۸۔ اس عہدنامے کی شرطوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس پر خدا کا، خدا کے رسول کا، خلفاء کا، اور تمام مسلمانوں کا ذمہ ہے۔ بشرطیکہ ایلیا والے جزیہ ادا کرتے رہیں۔ فقط

۱۵ سنہ ہجری میں لکھا گیا

تحریر کے شاہد :-

حضرت خالدؓ بن ولید

حضرت عمروؓ بن عاص

حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف

اس کے بعد اسقف اعظم نے شہر کی کنجیاں خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کو پیش کیں۔ شہر کے دروازے کھول دیئے گئے اور مسلمان نہایت امن و خاموشی سے اندر داخل ہوئے۔

حمص پر دوبارہ قبضہ کرنے کی رومی کوشش

بیت المقدس کی فتح کے بعد تمام اسلامی لشکر شام میں پھیل گیا۔ ابوعبیدہؓ حمص میں
خالدؓ قنسرین میں اور عمرو بن العاص بیت المقدس میں مقیم ہو گئے۔

رومیوں کے معاون خطوں مثلاً جزیرہ آرمینیا اور گردوپیش کے صوبوں کو فکر ہوئی
کہ اب ہماری باری ہے۔ اور اسلامی مجاہدین ادھر کا رخ کرنے ہی والے ہیں۔ مزید برآں
قیصر کے جاسوسوں نے انہیں خوفناک آنے والے واقعات سے متاثر کر کے رائے دی
کہ وہ قیصر سے امداد کی درخواست کریں۔ چنانچہ انھوں نے قیصر سے استدعا کی کہ ان کی
رہنمائی اور مدد کرے۔ اور وہ حمص سے مسلمانوں کو نکال کر از سر نو اس پر رومی قبضہ کرنا
چاہتے ہیں۔ قیصر نے ان کی درخواست بخوشی منظور کرلی، ہر طرف قاصد دوڑا دیئے
پادریوں نے بھی مسلمانوں کے خلاف وعظ و نصائح کے ذریعے پروپیگنڈا شروع کر دیا۔
اور مخلوق خدا کو بغاوت کی مکروہ ترین ترغیبات دیئے گئے۔ اس طرح ان میں از سر نو
جوش و خروش پیدا ہو گیا۔

اہل جزیرہ تیس ہزار لشکر لے کر ہیت میں جو عراق کی سرحد پر واقع تھا اور جہاں رومی
لشکر جمع ہو رہا تھا جا ملے۔ ان میں غالب تعداد نصرانی عربوں کی تھی۔ یہ لشکر سست رفتاری سے
حمص کی جانب بڑھنے لگا اور ہر مقام سے جوق در جوق لوگ آ آ کر اس میں شامل ہو گئے۔

ابوعبیدہؓ

جب ابوعبیدہؓ نے اس لشکر کی خبر سنی تو حمص کی شہر پناہ کو مضبوط کرنے کے علاوہ
شہر کے باہر مورچے بنا لئے۔ خالدؓ بھی فی الفور مدد کے لئے قنسرین سے آ گئے۔ خلیفہ
ثانی کی خدمت میں مراسلہ روانہ کیا گیا جس میں تمام حالات تحریر کر دیئے۔ خلیفہ ثانیؓ
نے چاروں طرف قاصد دوڑا دیئے۔ کوفہ میں حضرت سعدؓ کو لکھا کہ قعقاع بن عمروؓ کو

چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ فوراً حمص روانہ کر دو۔ سہیل بن عدی کو کہا رقہ کی طرف بڑھ کر رومی لشکر کی پیش قدمی روکو۔ ولید بن عقبہؓ کو لکھا کہ جزیرے کے قبائل ربیعہ و تنوخ کو ان کے علاقے میں پیش قدمی کر کے مرعوب کر دو۔ اور انہیں حمص والوں کی مدد سے باز رکھو۔

اگر جزیرہ والوں سے لڑائی چھڑ جائے تو عیاض بن غنمؓ اس لشکر کے سپہ سالار ہوں گے۔ خلیفہ ثانیؓ خود مدینے سے جابیہ تشریف لے آئے۔

اُن دنوں عراق کے والی سعدؓ بن ابی وقاص تھے۔ جب آپ نے جزیرہ والوں کی ریشہ دوانیوں کا حال سنا تو فی الفور حضرت عمر بن مالک کے تحت ایک لشکر روانہ کر دیا کہ ہیئت کو تاخت و تاراج کر دے۔ مگر ہیئت والے پہلے ہی سے تیار تھے۔ ان کی فصیلیں بہت مضبوط تھیں۔ ارد گرد بڑی خندقیں تھیں۔ لہٰذا وہ محصور ہو گئے۔ عمرؓ بن مالک نے جب ہیئت کا جلد فتح کرنا ممکن نہ سمجھا تو اپنی نصف فوج زیر سالاری اک سرکردگی میں چھوڑ کر باقی نصف فوج لے کر قرقیسیا پر حملہ کر دیا۔ اسے بزور فتح کر کے ہیئت کے گرد و نواح میں مورچے کھدوا لیے۔ تاکہ اہل ہیئت شدید محاصرے کی تاب نہ لا کر ہتھیار ڈال دیں۔

رومی لشکر

جزیرہ والوں کے لشکریوں نے جب ہیئت قرقیسیا اور ہر سمت اسلامی لشکر کے بڑھنے کی خبریں سنیں تو رومی لشکر سے الگ ہو کر اپنے وطن کو واپس لوٹ گئے۔

جب جزیرہ والوں کا تیس ہزار کا لشکر چلا گیا۔ تو ان رومیوں کے حواس باختہ ہو گئے۔ اور ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور یوں بھی وہ محض رومی لشکر کی موجودگی سے شیر بنے ہوئے تھے۔ اب وہ نادم ہوئے۔ اور انھوں نے خالدؓ سے تعلقات پیدا کرنے کی نیت سے قاصد روانہ کیا۔ خالدؓ کا جواب نہایت دلچسپ اور معنی خیز تھا۔

"مجھے تمہارے ٹھہرنے یا چلے جانے کی قطعاً کوئی پروا نہیں ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک تمہارا عدم اور وجود برابر ہے۔ بہر حال میں تم سے موقع شناسی کی داد دیتا ہوں اور تم سے اتفاق کرتا ہوں کہ تمہارا رومیوں سے الگ ہو کر رہنا ہی تمہارے حق میں مفید ہے

عواصم اور بقاع کی فتوحات نے یوقنا کو بہت پریشان کر دیا۔ اس نے اپنے جاسوسوں کی وساطت سے رعایا کے میلان طبع کو معلوم کرنا چاہا اور یوحنا سے مشورہ لیا کہ مسلمانوں کے متعلق کیا کارروائی کی جائے۔ یوحنا نے اپنے بڑے بھائی کو مسلمانوں سے صلح کر لینے کا مشورہ دیا۔ لیکن اس نے اس مشورے کو قابلِ قبول نہ سمجھا۔ بلکہ ہر خاص و عام کو جنگ کے لئے آمادہ کرنے کی تدابیر اختیار کیں اور تیاریاں کرنے لگا۔ کہ جلد سے جلد وہ خود مسلمانوں پر حملہ کر دے۔ اسے علم تھا کہ اس وقت اسلامی لشکر کئی دستوں میں منقسم ہو کر اطراف میں پھیل گیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے حکم کی تعمیل

حضرت عمرؓ نے قنسرین اور حمص کی بغاوتیں فرو ہونے کے بعد یہ حکم بھیجا تھا کہ سب سے اول حلب فتح کیا جائے۔ اس کے بعد انطاکیہ کی جانب پیش قدمی کی جائے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت کعب بن حمزہؓ کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ اگر دشمن کی تعداد زیادہ ہو تو اُن سے ہرگز نہ اُلجھنا۔ بلکہ میرے پہنچنے تک مدافعانہ تدابیر پر کاربند رہنا۔ کیونکہ میں بامر اللہ تعالیٰ بہت جلد حلب کی سمت باقی افواج کے ساتھ پیش قدمی کروں گا۔ تمہارا کام والیِ حلب کی فوجی نقل و حرکت اور اس کے دفاعی عزائم کے متعلق معلومات حاصل کرنا ہے۔

حلب کی نہر

جب مسلمانوں کا لشکر حلب سے چھ میل کے فاصلے پر ایک نہر پر پہنچا تو کعبؓ نے وہاں کیمپ لگانے کا فیصلہ کیا۔ اور لشکریوں کو گھوڑے چرانے اور پانی پینے کا حکم دیا۔ اسی دن یوقنا بذاتِ خود حلب کے قلعے کی حفاظت کے لئے ایک حصہ فوج چھوڑ کر ناگہانی حملہ کرنے کی غرض سے نکلا تھا۔ اس کے ساتھ دس ہزار فوج تھی۔ جیسے ہی اس کے جاسوسوں نے اس کو نہر پر اسلامی فوج کے پڑاؤ ڈالنے اور موشی وغیرہ چرانے میں مصروف ہونے کی خبر دی، اس نے نصف فوج چھپا دی، اور باقی ماندہ فوج لے کر مسلمانوں پر جھپٹ پڑا۔

کعبؓ نے رومیوں کا لشکر آتے دیکھ لیا تھا چنانچہ فی الفور انھوں نے فوج کو تیار کر لیا
سوا اس کے کوئی دوسری تدبیر بھی اختیار نہیں کی جا سکتی تھی کعبؓ نے رومیوں کی
تعداد کا تخمینہ پانچ ہزار لگایا تھا۔ لیکن جب لڑائی نے زور پکڑا اور مسلمانوں نے بڑی ہمت
وجرأت سے اُن کا مقابلہ کیا۔ تو یوقنا نے عصر کے وقت باقی فوج سے مسلمانوں کے عقب
پر حملہ کر دیا۔ اس حملے نے ان میں گھبراہٹ ضرور پیدا کی مگر یہ ایک ہزار صف شکن مجاہد
استقامت سے لڑتے رہے۔

اُدھر یوقنا کے شہر سے نکلنے کے بعد معزز تجار اور شہری پوشیدہ طور پر باہر نکلے
حضرت ابوعبیدہؓ کی خدمت میں صلح کرنے حاضر ہو گئے۔ خالدؓ کے استفسار پر انھوں
نے یہ بتا دیا کہ یوقنا دس ہزار فوج لے کر لڑنے کے لئے حلب سے روانہ ہو چکا ہے۔
اس خبر نے ابوعبیدہؓ کو پریشان کر دیا۔ انھوں نے شہریوں سے عہدنامہ لکھوا کر انھیں
رخصت کر دیا۔

جب یہ لوگ حلب واپس آ رہے تھے تو رات کا وقت تھا۔ یوقنا کے جاسوسوں
نے ہوشیاری کے ساتھ ان سے حالات معلوم کر کے یوقنا کو خبر کر دی۔ نہر کے قریب اگرچہ
رات ہو چکی تھی، مگر لڑائی جاری تھی۔

جب یوقنا نے یہ خبر سنی تو اُسے خدشہ ہوا کہ کہیں یہ مسلمان ان شہریوں کی مدد سے
دوسرے راستے سے چل کر حلب پر قابض نہ ہو جائیں۔ اس لئے عقلمندی اور ہوشیاری
سے اپنی فوج کو اسلامی فوج سے الگ کر کے حلب چل دیا، اور شہر کا محاصرہ کر کے
اہلِ شہر سے مطالبہ کیا کہ ان باغیوں کو اس کے سپرد کیا جائے جو مسلمان لشکرِ اعظم
سے عہدنامہ لکھا کر آئے ہیں۔

کعبؓ کی فوج کو کافی نقصان پہنچا تھا۔ لہٰذا انھوں نے رومیوں کا تعاقب نہ کیا
ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو کعبؓ کی مدد کے لئے پہلے روانہ کر دیا اور خود باقی فوج لے کر کوچ
کر رہے تھے۔ خالدؓ نے کعبؓ سے سب حالات معلوم کئے اور پھر حلب کی جانب بڑھے
یوقنا نے شہر کا محاصرہ کر کے قتلِ عام جاری کر رکھا تھا۔ جب خالدؓ کا لشکر پہنچا تو

دونوں فوجوں میں معرکہ جدال وقتال گرم ہوا۔ آخرکار یوقنا ہوشیاری سے پسپا ہوتا ہوا قلعہ بند ہوگیا۔

تینتالیس دن محاصرہ رہا۔ مگر یوقنا برابر ہمت کے ساتھ جما رہا۔ نہ صرف یہ بلکہ جب موقع پاتا مسلمانوں کے کیمپ پر شبخون مارتا۔ اس کامیابی کے باعث وہ اور بھی دلیر ہو گیا اور اس نے مسلمانوں کے رسد اور باربرداری کے قافلوں کو بھی لوٹنا شروع کر دیا۔

ابو عبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا کہ اس کا تدارک کیا جائے۔ خالدؓ نے یوقنا کے ایک بڑے دستے کو جس میں ایک ہزار چیدہ جانباز تھے گھیر لیا، اور انہیں حلب کے قلعے والوں کے سامنے لا کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس سخت سزا کے باعث یہ ڈاکے تو بند ہو گئے۔ مگر محاصرہ جاری رہا۔ جب ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو مراسلہ بھیجا کہ اجازت دی جائے کہ یہ محاصرہ ختم کر کے دوسری جگہ فتوحات کی جائیں۔ تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ کرتے ہوئے صبر و استقلال سے محاصرہ جاری رکھو اور خیال رکھو کہ چاہے کتنا وقت لگ جائے جب فتح کئے بغیر آگے قدم نہ بڑھاؤ۔

اب ابو عبیدہؓ نے حلب کو فتح کرنے کی ذمہ داری خالدؓ کو سونپی۔ خالدؓ نے ایک شخص دامس کو قلعے کے اندر داخل ہونے کو کہا۔ دامس اسلام لانے سے پہلے ایک نامی ڈاکو اور کامیاب رہزن تھا۔ آخرکار دامس کئی رستوں کی سخت جدوجہد کے بعد سو جانبازوں کے ساتھ قلعے کے اندر داخل ہو گیا۔ اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ خالدؓ چار ہزار جانبازوں کے ساتھ قلعے کے اندر داخل ہو گئے۔ جہاں خونریز جنگ ہوئی۔ اور انجام کار یوقنا اور اس کے لشکریوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

دوسرے دن جب یوقنا اور اس کے لشکریوں کو دعوت اسلام دی گئی تو یوقنا نے دعوتِ اسلام قبول کر لی۔ یوقنا نے اس کے بعد اسلامی فوج کے ساتھ مل کر کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ خصوصاً فتح انطاکیہ کے وقت یوقنا نے بڑی جرأت و مردانگی کے خوب جوہر دکھائے۔

ہرقل نے اس شہر کی حفاظت کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اور اسے خوب مستحکم اور مضبوط بنا لیا تھا۔

جب مسلم فوج انطاکیہ کی طرف بڑھی تو قیصر روم نے شہر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کیا۔ سب سے پہلے لطوریس جو مشہور پہلوان تھا میدان میں نکلا۔ اس کا مقابلہ کرنے کو دامس گیا۔ لڑائی کے دوران میں دامس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور لیطورس نے کمند پھینک کر دامس کو گرفتار کر لیا۔ اور پھر میدان میں آ کر دعوتِ مبارزت دینے لگا۔

دامس نے اپنے آپ کو رومیوں کی قید سے چھڑا کر سب سے پہلے اپنے محافظین کو قتل کیا۔ پھر رومی لباس پہن کر رومی فوج میں گھس گیا اور جبلہ بن الایہم اور اس کے بھتیجے پر کاری وار کر کے اسلامی کیمپ میں آ گیا۔ جبلہ اور اس کا بھتیجا زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسے۔ ان نصرانی سرداروں کے مر جانے سے تمام نصرانی عرب غائب ہو گئے۔

علاوہ ازیں ہرقل نے جب سنا کہ عیاض بن غنم کوفہ کی طرف سے، عمر بن مالک قرقیسیا کی جانب سے، عبداللہ بن المرہ موصل کی طرف سے ابوعبیدہؓ کے لشکر کی مدد کے لیے مختلف سمتوں سے انطاکیہ کی طرف آ رہے ہیں تو وہ خفیہ طور پر سمندر کے راستے انطاکیہ سے چلا گیا۔

انطاکیہ کا سرحدی علاقہ

حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت میسرہ بن مسروق کو لشکر دے کر بدیں غرض روانہ کیا۔ کہ وہ کوہستانی علاقوں کی چھان بین کر کے جہاں جہاں رومی فوجیوں کے گروہ ملیں ان کا قلع قمع کر ڈالیں۔ اس گروہ نے رہزنی اور قتل و غارت کا طوفان برپا کر رکھا تھا۔

کسان پریشان تھے۔ رعایا نالاں تھی۔ میسرہؓ ان کی بیخ کنی کرتے ہوئے بڑھتے پانچویں دن مرج القبائل کی وادی میں پہنچے۔ وہاں رومیوں کے ایک لشکر جرار سے ان کا واسطہ پڑا۔ یہ لشکر انطاکیہ کی حمایت کے لئے بڑھ رہا تھا۔ مگر جب اسے مسلمانوں کے ہاتھوں انطاکیہ کے فتح ہو جانے کی خبر ملی تو وہ وہیں ٹھہر گیا اور آئندہ پروگرام کے لئے غور کرنے لگا۔ یہ علاقہ زرخیز اور محفوظ تھا۔

حضرت میسرہؓ کی فوج نے ہٹنے کی کوشش کی مگر رومیوں نے انھیں آگے بڑھ کر گھیرے میں لے لیا۔ مسلمانوں نے پامردی سے ان کا مقابلہ شروع کر دیا۔ خود میسرہؓ نے اپنے احوال سے حضرت ابوعبیدہؓ کو مطلع کر دیا۔

ابوعبیدہؓ کے پاس زائد فوج نہ تھی۔ انھوں نے خالدؓ کو قنسرین کے ساحلی شہروں کو تاخت و تاراج اور زیر و زبر کرنے کے لئے بھیج دیا تھا۔ خالدؓ نے یہ کام بہ استبداد اتمام کو پہنچایا۔ اور جب ابوعبیدہؓ کے پاس پہنچے تو انہیں فی الفور میسرہؓ کی امداد کے لئے روانہ کر دیا گیا۔

میسرہؓ کے لشکر کو بہت نقصان پہنچ چکا تھا۔ خالدؓ کے آتے ہی رومیوں پر ہیبت طاری ہو گئی۔ اور انھوں نے صلح کی درخواست کر دی۔ خالدؓ نے اپنی شرطیں پیش کیں کہ یا تو اسلام قبول کر کے ہمارے بھائی بن جاؤ۔ یا جزیہ ادا کرو ورنہ لڑائی کے واسطے تیار رہو۔

رومیوں نے غور کرنے کے لئے رات بھر کی مہلت مانگی۔ لیکن دوسرے دن رومی کیمپ خالی پڑا تھا۔ رومی اپنا تمام سامان چھوڑ کر راتوں رات فرار ہو گئے تھے۔ تعاقب کرنے پر بہت کم پکڑے گئے۔

خالدؓ نے تمام مال غنیمت جمع کر کے کوچ کیا اور حضرت ابوعبیدہؓ سے آن ملے۔ اب دربار خلافت فاروقی عمرؓ سے حکم ملا کہ تمام مفتوحہ علاقوں کا عمدہ انتظام کیا جائے اور رعایا کی فلاح و بہبود مدنظر رہے۔

خالدؓ کی معزولی کے اسباب

خالدؓ نے جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط پڑھا تو فرمایا:-
"میں وہ شخص نہیں ہوں کہ امیرالمومنین کے حکم کی نافرمانی کروں، میں بحیثیت ایک سپاہی کے بھی جہاد کروں گا"

سنہ ۱۷ ہجری کے آخری مہینوں میں پرچہ نویسوں اور مخبروں نے جب اطلاع کی کہ شمالی عراق کی فتوحات کے اخبار دربار خلافت میں ارسال کئے (اس علاقے کو عراق جزیرہ کہا جاتا ہے) تو یہ بھی لکھ بھیجا کہ خالدؓ نے اپنی مدح میں قصیدہ خوانی کے بالعوض اشعث بن قیس شاعر کو دس ہزار درہم عطا کئے۔ نیز یہ خبر بھی پہنچائی کہ جزیرے سے خالدؓ بے شمار مال و دولت ہمراہ لائے ہیں۔

قرون اولیٰ کے مسلمان اور صحابہ کبارؓ اور خود حضرت فاروق اعظمؓ اسراف و نمود کے سخت خلاف تھے۔ چنانچہ خلیفہ ثانیؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو دریافت حال کے لئے لکھا، اور حکم دیا کہ ایک قصیدے کے بالعوض دس ہزار درہم عطا کرنے اور اتنی داد و دہش کے لئے مجمع عام میں خالدؓ کی کلاہ ان کے سر سے اتار کر انہی کے عمامے سے ان کی گردن باندھ دی جائے اور پھر ان سے دریافت کیا جائے کہ تم نے شاعر کو اتنا مال کہاں سے دیا؟ اگر اپنے مال سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے۔ اور اگر بیت المال سے دیا ہے تو خیانت کی ہے۔ دونوں صورتوں میں خالدؓ قابل معزولی ہے۔ اگر خالدؓ اپنے قصور کا اعتراف کر لیتے ہیں تو ان سے درگزر کی جائے۔

حضرت خالدؓ مجمع عام میں بلائے گئے۔ قاصد نے ان سے پوچھا کہ تم نے دس ہزار درہم اشعث بن قیس کو کہاں سے دیئے؟

قاصد کا یہ سوال اچانک اور ایسا توہین آمیز اور اتنی بے عزتی کی فضا پیدا کرنے

دلاتا کہ خالدؓ دم بخود رہ گئے۔ اور یا تو غصّہ ضبط کرتے رہے یا کوئی اور وجہ سے خاموش رہے۔

اِس پر قاصد نے مجبوراً ان کی کلاہ اُتار کر خود انہی کے عمامے سے ان کی گردن باندھ دی اور پھر یہی سوال کیا۔

اب کی مرتبہ خالدؓ نے جواب دیا کہ "میں نے اپنے پاس سے دیئے ہیں"۔

اتنا سُنتے ہی قاصد نے کلاہ واپس دے دی۔ اور عمامہ بھی کھول کر انہیں دے دیا۔ پھر حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کا فرمان پڑھ کر سُنا دیا اور کہا کہ "خلیفہ ثانی نے خالدؓ کو معزول کر دیا ہے"۔

خالدؓ نے صرف اتنا کہا ـــــ "میں نے فرمانِ خلافت سُنا۔ اس کی بسر و چشم اطاعت کرتا ہوں۔ میں اب بھی اپنے سرداروں کی خدمت بجا لانے اور ان کے احکام ماننے پر تیار ہوں"۔

اجازت ملنے پر خالدؓ مدینے چلے گئے۔ بھری مجلس میں حضرت عمرؓ سے کہا ـــ "عمرؓ! خدا کی قسم تم نے میرے معاملے میں میرے ساتھ بہت زیادتی کی ہے"۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا ـــــ "اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آگئی۔ جو اس قدر بے دردی سے خرچ کر رہے ہو"۔

حضرت خالدؓ نے جواب دیا ـــــ "یہ دولت ہے جو مجھے مالِ غنیمت میں از روئے شرع میرے حصے میں آئی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایران و روم کی سلطنتوں کو تہ و بالا کیا ہے۔ آپ کو حق ہے کہ میرا حساب دیکھ لیجئے۔ جو فالتو ہو اُسے بیت المال میں داخل کر لیں"۔

چنانچہ حساب ہُوا۔ اور جب حضرت عمرؓ کو اطمینان ہو گیا تو آپ نے مجلسِ عام میں خالدؓ سے خطاب کیا۔

"اے خالدؓ! میرے دل میں اب بھی تمہاری وہی عزت ہے۔ تم سے جیسی محبت کرتا تھا، اب بھی اسی طرح محبت کرتا ہوں"۔

اسی کے ساتھ حضرت عمرؓ نے تمام ممالک میں فرامین روانہ فرمائے کہ میں نے خالدؓ کو کسی جرم، یا خیانت، یا کسی غصے کے باعث ہرگز معزول نہیں کیا ہے۔

اصل حقیقت حضرت عمرؓ نے خود ہی بیان فرما دی تھی :-

" اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکرؓ پر رحمت نازل فرمائے۔ وہ مجھ سے زیادہ لوگوں کو پہچانتے تھے۔ خالدؓ واقعی باعثِ فخر سالار ہے۔"

خالدؓ کی تنزلی اور عزل بہت سبق آموز ہے۔ اس سے ہمارے وہ حضرات جن کے ہاتھوں میں حکومت کی باگ ڈور ہے۔ بہت مفید دو، تین سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

۱- مخبروں اور پرچہ نویسوں پر اتنا اعتماد نہ بڑھ دیا جائے کہ قابل ترین ایمان دار عمال حکومت کی آبرو خاک میں مل جائے۔

۲- اگر یہ غلطی نہ ہوتی تو شاید خالدؓ دل برداشتہ اور غمگین ہو کر بلند تر دائرۂ عمل سے یوں کنارہ کش نہ ہوتے۔ یہ تسلیم کہ یہ امر شدنی تھا۔ لیکن اتنا کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ کسی پر منسوب نہ ہوتا ان جلیل القدر ہستی کی وہ بھی ضرورت تھی۔

خالدؓ کے بعد مثنیٰ کی باری آئی۔ گو انہیں بحال کر دیا گیا۔ مگر مخبروں کی منافقت نے ہر جگہ خوف و ہراس پیدا کر دیا تھا۔

اس کی مثالیں موجودہ زمانے میں بھی بے حساب ہیں۔ اور ان پر ہم اپنی کتاب ہمارا وطن میں روشنی ڈال چکے ہیں۔

محکمہ دفاع کے عام افسروں کے لئے خالدؓ کی معزولی انتہائی سبق آموز اور نصیحت افروز ہے۔ کتنا بے مثال ہے یہ امر واقعہ کہ اتنی عزت بڑی کے باوجود خالدؓ نے ایثارِ نفس و ضبطِ نفس کا شاندار ثبوت پیش کیا۔ سپہ سالاری سے ہٹائے گئے اور معمولی سالار بنائے گئے۔ بایں ہمہ ان کے عزم اور ولولہ جہاد میں مطلق کمی نہ آئی۔ انہوں نے خلیفۃ المسلمین کے ارشاد کے آگے جن کی وہ بیعت کر چکے تھے سر تسلیم خم کر دیا اور ثابت کر دیا کہ وہ دنیا کی سرخروئی، عزت و ذلت سے بالکل متاثر نہیں ہو سکتے کیونکہ ایمان ان کا اور تعمیرِ الٰہی ان کا نصب العین تھی، اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے

نے اس کے قدم چومے۔

اللہ تعالیٰ اسلام کے غازیٔ اعظم، اور بے مثال سالار کی روح پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے جس نے جہاد کی عظمت کو اپنے کردار سے اجاگر کیا ہے۔ آمین ثم آمین۔

خلاصہ

شخصی و اخلاقی

فیلڈ مارشل لارڈ ویول برطانیہ کے نہایت مشہور اور فاضل جرنیل تھے۔ بزمانۂ امن وہ برطانوی فوج کے اسٹاف کالج کے ممتاز اُستادوں کی صفِ اوّل میں تھے۔ آپ نے دفاع کی تواریخ تصنیف کیں، جو شائع ہو کر بے حد مقبول ہوئیں۔ اور امورِ دفاع میں بہت بلند پایہ کتابیں شمار کی جاتی ہیں۔ بعض اوقات آپ اتوار کے دن گرجا میں پادری کی قائم مقامی کے فرائض بھی انجام دے دیا کرتے تھے۔ یہ باتیں اُن کے علم وفضل کی آئینہ دار ہیں۔

۱۹۳۹-۴۵ء کے زمانۂ جنگ میں اتحادیوں کو جس محاذ پہ مشکلات اور دشوار تر مراحل سے دوچار ہونا پڑتا۔ وہاں فیلڈ مارشل ویول کو سپہ سالارِ اعظم بنا کر بھیجا جاتا تھا۔ دوسری جنگِ عالمگیر کے اختتام پر آپ نے خاکی وردی اُتار دی اور ہندوستان کے گورنر جنرل اور وائسرائے بنا دیئے گئے۔ اس طرح لارڈ ویول کا نام ابھی ہمارے اذہان میں تازہ ہے۔

ایک مرتبہ آپ رخصت پر ولایت میں تھے کہ کیمبرلی اسٹاف کالج کے طلبا اور اساتذہ نے آپ سے درخواست کی کہ "اہلِ سیاست اور فوجی جرنیلوں کے اوصاف" پر تقریر کریں۔ آپ کی یہ تقریر بے حد مقبول ہوئی۔ اور اپنی اہمیت کے لحاظ سے لاکھوں کی تعداد میں طبع ہوئی۔

اس تقریر کا ملخص تھا۔ "سقراط نے جرنیل کے جو اوصاف بتائے ہیں وہ میری رائے میں نہایت معقول اور مناسب ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

"یہ کہ اس کے لشکریوں کو کھانے کے لئے کیا مل رہا ہے، اور آیا یہ کافی مقدار میں

اور قابلِ استعمال ہے؟ نیز یہ کہ آئندہ لشکروں کی ضروریات مثلاً سامانِ رسد، اسلحہ، لوازمِ حرب، وغیرہ کیونکر اور کیسے پورے ہوتے رہیں گی؟

"کیا اس کے لشکری فنونِ سپہ گری اور اسلحہ کے استعمال میں مہارتِ تامہ رکھتے ہیں؟ کیا وہ خوش حال اور مطمئن ہیں؟"

"کیا خود سپہ سالار یا جرنیل بھی ان اوصاف سے متصف ہے؟ کیا وہ فنِ سیاست، فنونِ سپہ گری، اور علم و فضل سے بہرہ ور ہے؟"

"کیا وہ ایجاد و اختراع کی ذہنی صلاحیت رکھتا ہے؟ کیا اس میں جسمانی قوت بدرجۂ غایت موجود ہے؟ تاکہ وہ اپنے ذہنی منصوبوں کو عملی جامہ پہنا سکے۔ کیا وہ اتنی ہمت ور ہے کہ مصائب اور مشقت ہائے جنگ برداشت کر سکے؟"

"کیا وہ بالغ نظر، دور اندیش، اور صائب الرائے ہے؟"

"کیا اس میں یک وقت میں رحمدل اور خونخوار، سادہ لوح اور چالاک، محافظ اور ڈاکو، فیاض و بخیل، بننے کی صلاحیت ہے؟"

"کیا وہ محبِ عزیمت، دلیر، اور بے باک ہے؟ خوف کس چیز کا نام ہے اس سے ناواقف ہے؟"

غور فرمایئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید میں یہ تمام اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے۔ جو ان کی سیرت اور کردار سے آشکارا ہیں۔ اور ان اوصاف کی اہمیت SUPREME COMMANDER (سپریم کمانڈر انچیف) لارڈ ویول نے اجاگر کی ہے۔ تمام سالاروں کے لئے لازم ہے کہ وہ خالدؓ کی سوانح حیات بغور مطالعہ کر کے انہیں اپنے لئے دلیلِ راہ اور مشعلِ ہدایت بنائیں، اور خالدؓ کے نقشِ قدم پر چل کر شاہدِ کامرانی سے ہم کنار ہوں۔

مگر سقراط جرنیل مزید اہم خوبیاں بیان کرنے سے قاصر رہا ہے۔ حالانکہ فیلڈ مارشل ویول نے اشارتاً انہیں بیان کر دیا۔ لیکن وہ بھی تشنۂ توضیح رہیں۔ وہ خوبیاں ہیں نظم، ایثار، جذبۂ خدمت، اور جوشِ جہاد اور ان میں نمایاں اور اہم ترین ہے جذبۂ جہاد۔

نے اپنی غیبی تائید سے ہمیں فتح بخشی ہے۔ ان کی زبان سے کبھی بھولے سے بھی یہ کلمہ نہ نکلا کہ میری حسنِ تدبیر یا میری بہادری سے یہ فتح نصیب ہوئی۔

خالدؓ مذہبی امام بھی تھے۔ اور اعلیٰ درجے کے سپہ سالار بھی۔ اپنے رفیقوں کے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈالنا، اُن کی جبلت میں داخل تھا۔ در حقیقت یہ ہے کہ کامیاب جرنیل وہی ہو سکتا ہے جو میدانِ جنگ میں جرأت مندانہ طریق سے اپنی جان کی بازی لگانے میں کوتاہی نہ کرے۔ جو جرنیل ضرورت سے زیادہ محتاط ہو، وہ بزدل ہوتا ہے۔ اور وہ کبھی فاتح نہیں بن سکتا۔

قیصر ہرقل

جب ہم تصویر کا دوسرا رخ دیکھتے ہیں کہ قیصرِ روم شہنشاہ ہرقل، باوجود اپنے تجربہ، قابلیت، زر و جواہر کی کثرت، فوجوں کی بہتات اور اسلحہ جنگ کی فراوانی کے ہر مرتبہ خالدؓ کے مقابلے میں ہارتا رہتا ہے، تو ہمیں اس کی شکست کے اسباب پر غور کرنے سے درسِ عبرت حاصل ہوتا ہے۔

جب سالارِ اعظم کسی بھی وجہ سے میدانِ جنگ میں لڑنے والی فوجوں سے دُور دُور رہتا ہے، تو اس کا فرض ہے کہ وہ مقامی سپہ سالار کو وسیع اختیارات سونپ دے۔ چنانچہ جنگِ یرموک پر غور کیجئے۔ باہان عرصے سے سیاسی مصلحتوں کی بنا پر زیرِ عتاب تھا۔ ہرقل نے خود طلب کر کے اسے سپہ سالار بنا دیا۔ اور شاہی خاندان کے سرداروں کو اس کی ماتحتی میں دے دیا۔ گو ان لوگوں نے بظاہر اپنی ناخوشی کا اظہار نہیں کیا۔ لیکن شاہی نسل کے سرداروں اور سپہ سالار باہان میں مطلق یک جہتی نہ تھی۔ اس نے اپنے فرزند قسطنطین کو اس اہم عہدے کا اہل نہ سمجھا۔ بلکہ اسی علاقے میں زبردست لشکر دے کر اُسے ایک خود مختار سالار بنا دیا۔ اور یہ لشکر باہان ہی کے لشکر کا حصہ تھا۔ پھر قسطنطین کے احکامات باہان کے نام وقتاً فوقتاً صادر ہوتے تھے۔ جن میں سخت ناراضگی کا اظہار کیا جاتا تھا۔ وہ یہ احکام باہان کو مطلق پسند نہ تھے۔ مگر وہ ان تدارک جو نامور جرنیل اور فاتح تسلیم کیا جاتا تھا، اور قیصر ہرقل کا

حیثیت بھائی تھا۔ اسے بھی سپہ سالاری کے عہدے سے محروم رکھ کر، ایک لشکر کے ساتھ
اسی محاذ پر بھیج لیا۔ اور خود مختار سالار کی حیثیت سے رکھا گیا۔

یہ تنظیم کامیاب نہ ہو سکی اور اگر کامیاب ہو جاتی تو باعثِ استعجاب ہوتی۔ عالمگیر
جنگِ اوّل میں بھی گیلی پولی اور فلسطین کی لڑائی کے دوران جو ابتدائی ناکامیاں ہوئیں
انہیں اس قسم کی تنظیم سے منسوب کیا جاتا ہے یعنی مصر میں برطانوی فوجی کمانڈر اور
گیلی پولی کے سپہ سالار کے باہمی تعلقات ناخوشگوار تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گیلی پولی میں
اتحادیوں کو ناکامی ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ میدانِ جنگ میں اقلیدس کی شکلوں اور دائروں کی طرح جنگ
نہیں لڑی جاتی، بلکہ فتح و شکست کا تمام تر انحصار سالاروں کی اخلاقی برتری اور
کمتری پر ہوتا ہے۔

قیصرِ روم بہت قابل جرنیل تھا لیکن جوانی ڈھلنے کے ساتھ ہی ساتھ اس کی
ہمت شکست اور بے باکی ختم ہو گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پر ایرانی اور دوسری
اقوام کے ساتھ جنگ آزمائیوں کا گہرا اثر پڑا تھا۔ اور انہی طریقہائے کار کے علاوہ جو
ان جنگوں میں اس نے اختیار کئے تھے، وہ اور کچھ نہیں سوچ سکتا تھا۔ جبکہ قیصر کے مدِمقابل
سالار خالدؓ ہر بار دفاعی اصولوں کو نیا جامہ پہنا کر ہرقل کی دفاعی چالوں کو مات دے
دیتا تھا۔

آپ نے غالباً پڑھا ہوگا کہ مراکش، الجزائر کے نہتے یا کم سے کم اسلحہ سے لیس
باشندے جنگِ آزادی لڑ رہے ہیں اور فرانس کے منظم عسکر کو عاجز کر رکھا ہے۔
فرانس کے بھاری ٹینک اور ہوائی جہاز بیکار ثابت ہو رہے ہیں یہی نسبت خالدؓ
کے زمانے میں مسلم فوج اور رومی فوج میں تھی۔ حالانکہ مسلم مجاہدین کے پاس معمولی ساز
و سامانِ جنگ اور رومی فوجیں بہترین اور وافر ترین ہتھیاروں سے مسلح ہوتی تھیں
مگر پھر بھی فاتح مسلمان ہی رہے۔ کیونکہ قیصرِ روم نے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق
اپنے آپ کو نہ بدلا، اور نہ اپنا طرزِ عمل تبدیل کیا، نیز یہ کہ مجاہدینِ اسلام موت سے

بے پرواہ تھے، جب کہ رومی موت سے ڈرتے تھے۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ۱۹۰۵ء کی جنگ روس و جاپان میں موکڈان کے محاذ پر دو روسی افسروں میں جھگڑا ہو گیا۔ اور وہ دونوں اس زمانے کے رواج کے مطابق مکہ بازی (Boxing) پر اتر آئے۔ اس واقعہ کے دس برس بعد وہ روسی افسر جو مکہ بازی میں غالب رہا تھا، روس اور جرمنی کی لڑائی میں ٹینن برگ میں روسی افواج کا سپہ سالار تھا۔ اتفاق سے اس مکہ بازی کے دنگل میں مغلوب ہونے والے افسر کو کمک بھیجنے کا حکم ملا۔ اور یہ روسی کمک بروقت نہ پہنچ سکی، جس کے باعث جرمنی کی فتح ہوگئی۔ اور یہ راز اس شکست کے بعد کھلا۔

[illegible] کی جنگ میں جمال پاشا کو یہ قلق تھا کہ ان کی بجائے جرمنی کا ایک جرنیل محاذ فلسطین پر کمانڈر انچیف اور دمشق کا گورنر بنایا گیا ہے۔ چنانچہ جمال نے وہاں کی ترکی فوج کو اس لئے بروقت سامان حرب، رسد اور کمک نہ بھیجی کہ ان کا حریف ناکام ہو جائے۔ چنانچہ برطانوی فوج کو آسانیاں میسر آگئیں کہ وہ شکستوں پہ شکستیں دیتی جائے۔

۱۹۴۳ء کی جنگ عظیم میں نامور امریکی جرنیل پیٹن اور فیلڈ مارشل منٹگمری کے باہمی اختلافات تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ اسی طرح جرنیل پاپان کو اپنے ساتھی جرنیلوں میں پھوٹ پڑنے کے باعث شکست فاش نصیب ہوئی۔

فیلڈ مارشل لارڈ ویول اپنی تقریروں اور تحریروں میں افسران کو ہمیشہ یہی نصیحت کرتے تھے کہ میدان جنگ میں کامیابی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ سالار میں عزم و ہمت سے جنگ میں کود پڑنے کا جذبہ اور ولولہ ہونا چاہیئے۔

فیلڈ مارشل رنڈسٹڈٹ ۱۹۴۰ء میں مغربی افواج کے سپہ سالار تھے۔ ان سے جب ڈنکرک اور نارمنڈی کی شکست کے اسباب پر سوال کیا گیا تو ممدوح نے اس کا جواب مختصر اور پرمعنی دیا:-

"ہمارا اتحادی سپہ سالار اعظم جنرل گیملن دراصل لڑاکا قسم کا جنرل نہ تھا۔"

مشہور امریکی جنرل رابرٹ لی کی فوج کو جب گیٹسبرگ کے معرکے میں بے حد جانی
نقصان اٹھانا پڑا تو اُس نے کہا "یہ سب میرا قصور ہے۔ کیونکہ میرا خیال تھا کہ میرے
سپاہی ناقابلِ تسخیر ہیں۔"

اگر قیصر ہرقل اپنی ناکامیوں کی وجوہ پر غور و فکر کرتا تو اغلب تھا کہ اُسے اتنی
شکستیں نصیب نہ ہوتیں۔

سی ایس فوریسٹر نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ "نپولین کی دفاعی جنگ جو ۱۸۱۵ء میں
اُس کی ذہنی خامیوں کے سبب سے ناکام ہوئی۔ درحقیقت اُس نے فنِ حرب میں کوئی نئی
اختراع نہیں کی تھی۔ بلکہ پرانے ہتھیاروں ہی کو آزماتا رہا۔ پھر سوال کیا جا سکتا ہے
کہ وہ کیوں کامیاب ہوا؟ تب یہی معقول وجہ نظر آتی ہے کہ اس کی فوج نہایت
منظم اور عزم سے مالا مال تھی۔ جب اس کے حریفوں کی بیشتر فوجیں پست ہمت
و شکست خوردہ تھیں۔ چنانچہ وہ نپولین سے دفاعی جنگ پر قائم رہے۔ لیکن جب اسے
برطانوی جنرل سے سابقہ پڑا جو لکیر کا فقیر نہیں تھا تو نپولین مات کھا گیا۔ اگر وہ لکیر کا
فقیر نہ ہوتا۔ اور اپنی توپوں میں پھٹنے والے گولے جو ۱۸۰۹ء میں ایجاد ہو چکے تھے۔
استعمال کرنے لگتا تو برطانوی فوج اُس کے مقابلے میں ہرگز نہ ٹک سکتی۔"

بعینہٖ یہی حالت قیصر ہرقل کی تھی۔ خالدؓ کے خلاف بڑے بڑے لشکر بھیجتا رہا۔
ایسے لشکر جو اعلیٰ ہتھیاروں سے مزین تھے۔ لیکن اُسے ہر بار منہ کی کھانی پڑی۔ خالدؓ
بذاتِ خود بیباک اور صاحبِ عزم فوجی جرنیل تھے، اور ان کے لشکری سبک رفتار
اور برق مثال تھے۔ جفاکش تھے۔ خود خالدؓ لکیر کے فقیر نہیں تھے۔ بلکہ دفاعی امور
کو بدل بدل کر اپنے حریفوں پر آزماتے تھے۔ ان میں خود اعتمادی بدرجہ اتم تھی۔ جنگ
اور خوف ناک مہمات میں بھی وہ نہایت استقلال اور ٹھنڈے دل سے مشکلات پر
قابو پا لینے کے منصوبے تیار کرتے اور ان پر عمل درآمد کرانے کی ہمت رکھتے تھے۔

فیلڈ مارشل ویول کا مقولہ ہے کہ سپہ سالار کا سب سے زیادہ ضروری وصف "فتح
کا عزم" ہے۔ فیلڈ مارشل منٹگمری کا مقولہ ہے کہ "مشکلات کے وقت جزع اور فزع سے

مشنا ہوں" اور فرانسیسی عسکریت کے ماہر کا مقولہ ہے "خطرناک حالات میں بھی خندہ دل اور باعزم رہنا ہے" - اور یہ تمام صفات خالدؓ بن ولید میں موجود تھیں - اور ان میں سب سے زیادہ ان میں "اللہ کے واسطے" جہاد کا جذبہ غالب تھا -

آپ غالباً یہ سوال کر سکتے ہیں کہ "ان پرانی تاریخوں سے اس نئے زمانے میں جو ایٹم کا دور ہے ہم کیا سیکھ سکتے ہیں؟ سمندر، پہاڑ، دریا، قلعے، اور طول طویل فاصلے، سب اپنی اہمیت کھو چکے ہیں - اور حفاظتی وقعت باقی ہی نہیں رہی ہے!"

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ہمیں اعتراف ہے کہ مستقبل جنگ کے متعلق ایک اندازہ کرنا دشوار ہے - اور گذشتہ تجربے بتاتے ہیں ہمارے دفاعی مبصرین نے جس قدر پیشینگوئیاں کیں وہ سب غلط ثابت ہوئیں اور وہ صحت کے ساتھ کچھ کہنے سے قاصر رہے -

تازہ ترین جنگ کوریا خود ایک ایسا واقعہ ہے جس نے مغربی دفاعی مبصرین کو محو حیرت کر دیا - جنوبی کوریا کی مدد کرتے وقت امریکہ نے شمالی کوریا کو درخور نہ سمجھا تھا - امریکہ اسے چند دنوں میں شکست دے سکتا تھا - شمالی کوریا کے پاس رسمی طاقت برائے نام تھی - مگر آخر وہ امریکہ کو شمالی کوریا کے عزم کے سامنے ایسا جھکنا پڑا کہ اس نے اقوام متحدہ کی دہائی دی - اور سب نے لبیک کہا - اور اقوام متحدہ کے ممبر ممالک کی کئی فوجیں بطور کمک بھیجی گئیں اور پھر بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا - اور مغربی دفاعی مفروضات ہوا میں اڑ گئیں - دنیا محو حیرت ہو گئی! شمالی کوریا والوں کو ایٹم بم سے تباہ کیوں نہ کر دیا گیا؟

١- اس لئے کہ ہم عموماً مستقبل کو ہمیشہ ماضی کے تجربات پر ڈھالتے ہیں -

٢- ہم امن کے زمانے میں خودنمائی اور خود ستائی کے سبب سے اپنے دفاعی اصول دنیا بھر کے اصولوں سے بدرجہا افضل و برتر محسوب کرتے ہیں اور اپنی ذہنیت سے اپنے دشمن کے دفاعی منصوبے دیکھا کرتے ہیں کہ ہمارے دشمن نے گذشتہ جنگ کیسے لڑی، وہ اس کے معاون اور اتحادی کس طرح لڑتے رہے ہیں - اور ہم یہ

نہیں سوچتے کہ دشمن کیوں لکیر کا فقیر بنا رہے گا ، وہ کیوں اور کس لئے کوئی جدید طرز
اور نیا طریقہ جنگ استعمال نہیں کر سکتا ؟

بعینہٖ یہی غلطی قیصر ہرقل نے کی ، اور بار بار کی ۔ کیونکہ وہ مسلمان عرب مجاہدین کو
حقیر اور ناتواں سمجھتا تھا ۔ اور سمجھتا تھا کہ یہ وہی بھوکے ننگے اور آپس میں عداوت اور
کینہ رکھنے والے عرب قبائل ہیں ، اس کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکا کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے اتنی قلیل مدت میں ان ذلیل و خوار عربوں کو کتنی فضیلتوں اور برتریوں کا
مالک بنا دیا ہے ۔ ان میں اخوت ، مساوات ، ایثار کا جذبہ کار فرما ہوا ، اور ان کے سینے
نورِ ایمان سے کیسے منور ہوئے کہ وہ صرف خدا کی راہ میں سر سے کفن باندھ کر اپنی جان ،
اپنا خون ، اور اپنا سب کچھ پیش کرنے پر کمر بستہ ہو گئے ۔ اور ان کے جذبات اخوت
و مساوات ، عدل و حلم ، عفو و رحم اور اطاعت و عبادت نے انہیں ایک دن فاتحین
عالم بنا دیا ۔

قیصر کا جو حال تھا آج کی مغربی دنیا کا وہی حال ہے ۔

بہر کیف ہم نے اب تک اس سوال کا پورا جواب نہیں دیا ہے ۔ اب ہم آپ
کو بتانا چاہتے ہیں ۔ آج بھی ماضی کی تاریخ کے اوراق کا مطالعہ ضروری امر ہے
آج کل عام رجحان یہی ہے کہ لوگ لازماً کسی بھی مضمون کے (SPECIALIST)
ماہرِ خصوصی ہوں ۔ اور زندگی کے ہر شعبے سے متعلق یہی نظریہ رواج پذیر ہوا ہے ۔ لیکن
خوف ہے کہ اگر اس فضا میں ہی رہے ۔ تو عوام تنگ نظری کا شکار نہ بن جائیں ۔
کیونکہ ماہرِ خصوصی بجز اپنے مخصوص مضمون کے باقی سے بے نیاز ہوتا ہے ۔ مثلاً
کوریا کی جنگ سے پہلے ، اور اب بھی ، اخباروں و پلیٹ فارموں سے اسی بے
فلسفہ کی یہی صدا بلند ہوتی ہے کہ بس ایک ایٹم بم سے تمام دنیا فنا کر دی جائے گی ؛
ہم اس فلسفیانہ موشگافی کی تردید نہیں کرنا چاہتے اور نہ یہ کہتے کہ ایسا ہو نہیں سکتا
لیکن اس قدر عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ کوئی ذی شعور فرد یا جماعت خود اپنے ہاتھوں
سے اپنی ہلاکت کے سامان نہیں کیا کرتی ۔ اگر کسی کے پاس خنجر ہے تو وہ پہلے اپنے

آپ کو ہلاک نہیں کرے گا۔ نیز وہ دُوسرے پر اس خنجر سے حملہ آور ہونے سے پہلے یہ بخوبی
سوچ لیتا ہے کہ میں اپنی جان کیسے بچاؤں گا۔

جب ۱۹۳۹-۴۵ء کی جنگ چھڑی تو فریقین کے پاس زہریلی گیس تھی۔ مگر کسی نے
استعمال نہیں کیا۔ اور ایٹم بم صرف اسی حالت میں استعمال کیا گیا۔ جبکہ اتحادیوں کو یقین
ہو گیا کہ جاپان کے پاس ایٹم بم نہیں ہے۔

جب کوریا کی جنگ شروع ہوئی تو اتحادیوں کے پاس ایٹم بم تھا۔ مگر شمالی کوریا
کے خلاف اسے استعمال نہیں کیا گیا، حالانکہ استعمال کرنے کی دھمکیاں ضرور دی گئی
تھیں۔ وجہ ظاہر ہے۔ اتحادیوں کو معلوم تھا کہ اس کے مشرقی مخالفوں کے حلیفوں کے
پاس بھی ایٹم بم ہے۔ اگر ہم اسے استعمال کریں گے تو مخالف کا حلیف بھی استعمال
کرے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایٹم بم استعمال نہیں ہوا۔ اور کوریا کی لڑائی عام اصولِ جنگ
کے مطابق لڑی گئی۔ یعنی ایک محدود حصے میں جنگ کا اثر رہا۔

دوسرا مسئلہ جو غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ ایٹم بم کے استعمال سے جو تباہی رونما
ہوگی، اس سے فاتح کو کیا حاصل ہوگا؟

اس کا جواب جاپان کے گزشتہ چند سال کے سوانح و حوادث پر نظر ڈالنے
سے ملے گا۔ یہ صحیح ہے کہ جاپان کا کچھ حصہ ایٹم بم کی بدولت برباد ہوا۔ لیکن خود فاتح
اتحادیوں ہی کو زرِ کثیر خرچ کر کے جاپان کی آباد کاری کا کام انجام دینا پڑا۔

بالفاظِ دیگر اس قسم کی لڑائی سے پہلے اپنا روپیہ دشمن کی تباہی پر خرچ کرے، دوسرے
فتح کرنے کے بعد پھر اس پر روپیہ اس لئے صرف کرے تاکہ وہ اپنی رعایا سے کہہ سکے
کہ اس طرح سے جنگ کا تاوان مل گیا۔

چونکہ یہ سودا مہنگا ثابت ہوا لہٰذا امریکہ نے کوریا میں اسے نہ دوہرایا۔ علاوہ ازیں
یہ بھی احساس تھا کہ اینٹ کا جواب پتھر سے ملے گا۔

فرانسیسیوں کو بھی مراکش میں اور الجیریا میں ایٹم بم برسانے کی ہمت نہیں ہوتی
انہوں نے جب ناصر کے خلاف اقدام چاہا تب بھی اسے استعمال کرنے کی جرأت نہیں

کی۔ البتہ جٹ ہوائی جہاز اور بڑے ٹینک ضرور استعمال کیے مگر یہ انہی پرانے دفاعی اصولوں کے ماتحت استعمال کیے گئے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ رسالے کی بجائے جٹ ہوائی جہاز اور ٹینک کام میں لائے گئے۔ اور پلٹن اسی پرانے ڈھنگ میں رکھی ہوئی تھی۔ صرف تیر و تفنگ کی بجائے جدید ہتھیاروں سے مسلح تھی۔

اس تمام بحث کا ماحصل یہ ہے کہ مشین چلانے کے لئے انسان کی ضرورت رہتی ہے اور رہے گی۔ اور انسان ہمیشہ زندگی کو موت پر ترجیح دیا کرتا ہے۔ لہذا وہ دانستہ موت کو دعوت نہیں دیتا۔

دفاعی تاریخ اور بالخصوص اسلامی دفاعی تاریخ اپنی اہمیت کے لحاظ سے نہایت ضروری مضمون ہے۔ اس کے مطالعہ سے ہم کمتری کے غار سے نکل کر برتری کے مقام بلند تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ مراکش کے بے سروسامان مجاہدین کی روح جہاد کے آگے ایٹم بم بیکار ہے۔

اخلاقی کمزوری

اپنے اجمالی اظہار خیال کی تکمیل و تفصیل کے لئے مصر کے عیسائی مورخ اور انشاپرداز اور صحیفہ نگار جرجی زیدان کا ایک بیان جو اس نے "تمدن اسلام" میں لکھا ہے نقل کیا جاتا ہے:-

"روم اور فارس کی سلطنتوں میں صرف انتظامی کمزوری نہ تھی۔ بلکہ ان کے طرز معاشرت، اور امور مذہبی میں بھی بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں تھیں۔ جو ان کی جڑیں کھوکھلی کر رہی تھیں۔ ان میں بہت سے گروہ پیدا ہو گئے تھے اور وہ سب باہم جنگ و جدال کرتے رہتے تھے۔ فرقہ بندی زوروں پر تھی۔ عیسائیوں میں اختلاف و انتشار کثیر تھا۔ ایک مشیت اور دو مشیتوں کا باہم نزاع سخت موجود تھا۔ سب دونوں کا ایک ہی مدعا تھا لیکن لفظی بحث باعث اختلاف تھی۔ وہ انجام کار اپنی حماقت کا شکار بن ہوئے۔"

شہنشاہ اور اس کے حلیف بہت قائل تھے کہ مسیح کی دو مشیتیں اور ارادے

مصر و شام ایک مشیئت اور ایک طبیعت کی قائل تھی۔ اس آخری جماعت کا نام یعقوبی تھا۔ شہنشاہ ہرقل کے عہد میں یعقوبی جماعت کے ایک بطریق اثناسیوس نے اس امر کی کوشش بلیغ کی کہ دونوں فرقوں کو ملا کر فساد باہمی کو ختم کرا دے۔ اس نے اس غرض سے شہنشاہ سے خط و کتابت بھی کی اور ایک نئے مذہب کی طرح ڈالی جو دونوں مذاہب کو متصل کرتا تھا۔ یعنی یہ کہ مسیح کی طبیعتیں تو دو ہیں لیکن مشیئت صرف ایک ہے۔ شہنشاہ نے اس کی رائے سے اتفاق کیا اور مہلت چاہی کہ بطریق قسطنطنیہ سرجیس سے گفتگو کر لی جائے۔ بطریق مذکور دراصل ملک شام کا باشندہ تھا۔ اور اثناسیوس نے پہلے ہی اسے ہمدرد بنا لیا تھا۔ لہٰذا شہنشاہ سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا کہ بطریق مذکور سے مزید پوچھ لیا جائے۔ شہنشاہ نے اس سے پوچھنے کے بعد اس جدید اعتقاد کو تسلیم کر لیا۔ لیکن یروشلم (بیت المقدس) کے اسقف اعظم صفرونیوس اور چند دیگر اساقف اور چند شاہی کلیساؤں کے پیراووں نے مع عمائد کے اسقف کے اس اعتقاد کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

شہنشاہ کو یہ عدول حکمی ناگوار گزری۔ اور وہ نافرمانی کرنے والوں سے انتقام لینے پر کمربستہ ہو گیا۔ اور رومیوں کا بہت بڑا حصہ شہنشاہ کی عدول حکمی کا مرتکب ہوا تھا۔ اور اس طرح فرقہ بندی اور نفاق پیدا ہوا۔ نسطوری یعنی عراق اور جزیرے کے لوگوں کا الگ فرقہ تھا۔ یہ ان فرقوں کے علاوہ تھا جو پہلے سے موجود تھے۔

جب قسطنطنیہ کی پارلیمنٹ نے طبیعت واحدہ کے اعتقاد کو بدعت قرار دیا تو قیصر نے اس پر اعتماد رکھنے والوں پر سختی کرنی شروع کی اور انہیں ذلیل کیا جانے لگا۔ تعصب مذہبی کے سبب سے اوّل ہی سے یہود اور نصاریٰ (رومیوں) میں بغض و عناد موجود تھا۔ اخلاقی کمزوری جب قوم میں عناد پیدا کر دیتی ہے تو نتیجہ سلطنت اور قوم دونوں کے لئے خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ جب قوم و سلطنت کے متعلقین میں نااہلی، آرام طلبی، عیش پسندی، بغض و عناد پیدا ہو جاتا

ہے تو تباہی لازمہ ہوتی ہے، اور دولت کے انبار، لشکروں کی افزونی، بہترین اسلحہ
اور آلاتِ جنگ، سب یونہی پڑے رہ جاتے ہیں اور کارآمد ثابت نہیں ہوتے

قیصرِ روم اور کجکلاہِ ایران کے خزانے معمور تھے، سپاہ و لشکر بکثرت تھے، لشکریوں
کے آلاتِ جنگ نہایت اعلیٰ درجے کے تھے، سالارِ افواج نہایت جری اور تجربہ کار
تھے۔ مگر یہ عظیم سلطنتیں مٹھی بھر مسلمانوں سے شکستِ فاش کھا کر فنا ہو گئیں۔"

یہ سبق بہت اہم ہے۔ کیونکہ جب خود مسلمان بھی انہی کمزوریوں کا شکار ہو گئے تو
وہ بھی اللہ تعالیٰ کے عتاب کے مورد قرار پائے۔

اس واسطے یہ دونوں تاریخ ہمارے لئے ایک سبق ہے۔ اور بتاتی ہے کہ
ہم کیا تھے۔

پھر کیونکر دنیا کے فاتح اور دنیا کو جہالت سے نکال کر روشنی میں لانے والے بنے
مگر پھر کس وجہ سے ادبار آیا؟

اور اب ہم کس طرح اعلیٰ مدارج اور اوجِ کمال کی طرف بڑھ سکتے ہیں!

غیر مسلم مبصرین کے تبصرے

۱۔ قیصرِ روما اور کسریٰ ایران کی حکومتوں کے زوال کے بواعث

۲۔ مسلمانوں کے عروج کے وجوہ۔ اسلامی لشکر کی قوت کا راز۔ کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟

غیر مسلم مؤرخین کی قلم سے مندرجہ بالا سوالات کے جوابات!

بہت سے غیر مسلم مؤرخین نے تو اسلامی وقائع تاریخ میں غلط بیانی سے کام لیا ہے مگر تعجب اُس وقت ہوتا ہے جب مہذب اقوام کے چوٹی کے لیڈر بھی اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جنگِ عظیم اوّل کے بعد مسٹر لائیڈ جارج (Lloyd George) وزیر اعظم برطانیہ نے جنیوا کی امن کی کانفرنس (Genoa Peace Conference) میں اور ایک ہندو فاضل جج نے عدالت عالیہ کے کمرے میں قرآن مجید کے احکام جہاد کی یوں ترجمانی کی تھی کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کو ان الفاظ میں ہدایت کی ہے۔

"جہاں اُن کو (غیر مسلموں) پاؤ۔ قتل کر دو"۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ حکم کس موقع پر دیا گیا اور اس کے سیاق و سباق سے کیا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ حالات کی صحیح ترجمانی ہو جا سکے۔ ملاحظہ کیجئے:۔

"اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم پر جارحانہ حملہ کرتے ہیں۔ مگر تم خود جنگ کی ابتدا نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جارحانہ کارروائی کو پسند نہیں فرماتا۔ اور ظالموں کو اُن مقامات سے نکال دو جہاں سے انہوں نے تم کو نکال دیا ہے۔ اور جہاں کہیں اُن (ظالموں) کو پاؤ قتل کر دو۔ کیونکہ جارحانہ عمل قتل سے بھی بدتر ہے۔ مگر حرم (مکہ) کے [illegible] جب تک کہ وہ تم پر حملہ آور نہیں ہوتے [illegible] ہی سزا ہے [illegible]

ہوتے ہیں۔ وہ اگر وہ دست بردار ہو جاتے ہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ گناہوں کے
بخشنے والا اور غفور الرحیم ہے ...."

ان احکام الٰہی میں جارحانہ قتل کا حکم کہاں پر دیا گیا ہے؟ اس کے برعکس
کیا قرآن مجید نے یہ عیاں نہیں کر دیا کہ جارحانہ حملہ بدترین فعل ہے؟

آگے چل کر پھر مسلمانوں کو یوں خطاب کیا گیا ہے:-

"تم ایک بہترین امت ہو جو لوگوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے
لئے پیدا کی گئی ہے۔"

مسٹر اینڈرے سرویر (ANDRE SERVIER) نے اپنی کتاب "اسلام
اینڈ دی سائیکالوجی آف دی مسلمان" میں جہاں حضرت ابوبکرؓ کی تعریف کی ہے
وہاں آپ کو اور خالدؓ کو بدنام کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ مسٹر اینڈرے سرویر
لکھتے ہیں:-

"اس معمر و نیک سیرت انسان (ابوبکرؓ) نے حکومت کی باگ ایسے وقت میں
سنبھالی جب کہ چاروں طرف بغاوت برپا تھی۔ مگر آپ نے اپنی [illegible]
اور غیر متزلزل عزم سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible] اسلام کو
پھر سے زندہ کر دیا۔ آپ [illegible]
اس کام کو [illegible] لینے کے لئے [illegible]
جو کہ ایک [illegible] عربی شیخ تھے [illegible]
تک کی [illegible] جا سکتی ہے [illegible]
[illegible]
ابتدائی مسلمانوں نے [illegible]
[illegible]
الفاظ میں ہدایات جنگ (OPERATION INSTRUCTIONS) [illegible]
جو کہ [illegible] جنگ کے وقت پر دیتے ہیں [illegible]

رومیوں کی نئی بھرتی شدہ فوج، جس کے قائم کرنے اور مسلح کرنے پر شاہی خزانہ سے کثیر روپیہ صرف ہوا تھا اور انہوں نے بہت محنت کی تھی۔ وہ درحقیقت دل سے اسلامی لشکر کی ہمدرد اور دوست بن گئی تھی۔ لہٰذا حملہ آور اور اسلامی لشکر صحیح تر الفاظ میں اب ایک ایسے ملک میں مقیم تھے جس کے عوام اور لشکری اُن کے دل سے خیر خواہ تھے۔

سیاسی فضا کی اس تبدیلی کی وجہ یہ تھی کہ شامی عیسائی ہرقل کے عہدِ حکومت کے مقابلے میں مسلمانوں کے سایۂ عاطفت میں کہیں زیادہ سیاسی اور دینوی آزادی کا لطف اُٹھا رہے تھے۔ اسی کا یہ قدرتی نتیجہ تھا کہ شام کے عیسائی روم کی حکومت کو دوبارہ اپنے اوپر مسلط کرنا نہیں چاہتے تھے۔

شہر ایمسا (EMESA) کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اس شہر کے باشندے زیادہ تر عیسائی تھے۔ جب رومی سپاہی دوسری بار لوٹ کر اس شہر کی طرف آئے تو یہودیوں اور عیسائیوں نے مل کر اُن پر شہر کی فصیل کے دروازے اس غرض سے بند کر دیئے کہ رومی لشکر شہر میں داخل نہ ہونے پائے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ اگر رومی جنگ میں مسلمانوں پر فتح حاصل کرلیں اور شہر پر قابض بھی ہو جائیں تو شہری بجائے دوبارہ لٹنے اور مظالم برداشت کرنے کے صرف ایک بار ان کے ظلم و ستم کا شکار ہوں گے۔ اور اگر مسلمان فاتح ہوئے تو ہم ہر طرح سے محفوظ و مصئون ہوں گے۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ جنگ کے قطعی فیصلے کا انتظار کیا جائے۔

بدلے ہوئے سیاسی حالات کے تحت مسلمانوں نے جب ایمسا کو خالی کیا تو انھوں نے عوام کو [illegible] دیا ہوا جزیہ [illegible] واپس کر دیا تھا کہ [illegible] کی حفاظت کرنے اور ذمہ داری اُٹھانے [illegible] نہیں رہا۔ لہٰذا [illegible] شدہ جزیہ کو اپنے پاس رکھنے کا کوئی حق نہیں۔

[illegible] میں ایک [illegible]

[illegible] عربوں کو [illegible]

مذہب کی [illegible]

پادریوں اور نیک سیرت بزرگ راہبوں سے عزت سے پیش آتے ہیں۔ ہمارے گرجوں
اور کنیساؤں کو تحفے دیتے ہیں۔

یہ مثال اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ عیسائی عوام اور فاتح مسلمانوں کے درمیان
کتنے گہرے دوستانہ اور امن پسندانہ تعلقات موجود تھے۔

یہ امر واقعہ کہ دمشق کی عبادت گاہ میں عیسائی اور مسلمان شانہ بشانہ ایک ہی
وقت میں عبادت کے لئے داخل ہوتے تھے۔ ہمارے بیان کی دوسری واضح دلیل ہے"

مذکورہ بالا بیانات وہ غیر مسلم مورخین کے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ اس وقت حضرت
خالدؓ اسلامی لشکر کے امیر (سپہ سالار) تھے۔ لہٰذا یہ بیانات اینڈری سرویر کے
بیان کی کھلے الفاظ میں تردید کرتے ہیں اور صاف ظاہر بناتے ہیں کہ قیصر ہرقل یونانی نام
رہا۔ اور ہرقلی حکومت کے رئیس اور لشکریوں کے اپنی ہم مذہب رعایا کے ساتھ
کیسے ناخوشگوار تعلقات تھے۔

غیر مسلم مورخین کا منافقانہ طرز عمل ناگوار ضرور ہے مگر کیا اس قسم کی تمام تر ذمہ داری
انہی پر ڈالی جا سکتی ہے۔ یا ہم پر بھی اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

اگر ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو یہ معلوم کر لینا
دشوار نہ ہوگا۔ کہ اس قسم کے بیانات میں بنیادی طور سے مسلم مورخین اور ادباء کا بھی
بہت بڑا ہاتھ ہے۔

اکثر کتابوں، ناولوں اور رسائل میں اس قسم کے فقرات نظر آتے ہیں۔ مثلاً
"مسلم امیر لشکر نے غیر مسلم لشکر کے سپہ سالار کو واضح طور پر تین شرطیں ان الفاظ
میں پیش کیں! "اسلام قبول کرو۔ جزیہ دو یا پھر جنگ کرو"۔

اس قسم کی تحریر پڑھنے کے بعد اگر مسٹر اینڈ جارج یا ہندوستانی ہندو ہماری عدالت
میں اسلامی تاریخ کو موڑ توڑ کر بیان کریں تو تعجب نہ ہونا چاہیئے۔

اس کے علاوہ جب ہم اپنے مغرب نواز مسلم سیاسی لیڈروں کے بیانات پڑھتے
ہیں تو ان کی کوتاہ عقلی کا ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ جب کسی بدی کو دُود

کرنے کا اعلان کرتے ہیں تو اپنی تقریروں میں اعلان کرتے ہیں کہ ہم اس بدی کے خلاف "کروسیڈ" کریں گے۔"

کاش! اُن کو معلوم ہوتا کہ کروسیڈ محض نفسی طمع، لالچ اور تعصب کی بنا پر لڑے گئے تھے۔ دنیا بھر کے نظام میں صرف "جہاد" ہی ایسا عمل ہے جو کہ فی سبیل اللہ ہونے کی وجہ سے ہر قسم کی بدی کو دُور کرنے کا مکمل علاج ہے۔

وُہ مسلمان حاکم جنھوں نے جہاد فی سبیل اللہ کیا۔ اُنھوں نے کبھی کسی قوم سے الفاظ میں مطالبہ نہ کیا "یا تو اسلام لاؤ ورنہ جنگ کرو یا جزیہ دو" بلکہ امیر لشکر اپنے مخالفین کو پہلے مراسلہ بھیجتا اور ایک بزرگ بطور ایلچی جا کر اس مراسلہ کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھاتا۔ صرف آخری صورت میں جنگ کی جاتی۔ جزیہ ایک ٹیکس تھا جس کے حاصل کر لینے سے غیر مسلم اقوام اپنی مذہبی۔ اخلاقی۔ دنیوی اور تمدنی آزادی حاصل کر لینے کے علاوہ اپنے لئے امان و حفاظت بھی پا لیتی تھیں۔ اس مسئلہ پر جرمنی کے پروفیسر کا تبصرہ پڑھیئے۔

جرمن پروفیسر ہل (HELL) اپنی کتاب "دی عرب سولائیزیشن" میں یوں لکھتے ہیں۔

"مسلم حکمرانوں نے آنحضرت صلعم کی تقلید میں (حدیث کے بموجب) بہت مناسب رقم بطور ٹیکس لے کر عیسائیوں اور یہودیوں کو اہل کتاب تسلیم کرتے ہوئے نہ صرف ان کی جان و مال کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا۔ بلکہ ان کو ہر طرح کی پوری مذہبی آزادی بھی دی۔ باقی سب بے دینوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ لیکن بہت جلد عربوں نے فارس کے زردشتیوں کو اسلامی رواج کے بموجب وہی حقوق دے دیئے جو کہ عیسائیوں اور یہودیوں کو دیئے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ زردشت کے پیروکار ایران میں مکمل مذہبی آزادی سے زندگی بسر کرتے رہے۔ اس بنا پر حضرت عثمان نے شمالی افریقہ کے بربری قبائل کو جزیہ کی ادائیگی پر مکمل مذہبی اور اخلاقی آزادی کے ساتھ ان کی حفاظت کی ضمانت بھی دی۔

ان دلائل کی بنا پر یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام کی اشاعت تلوار کے زور یا جبر سے کی گئی ہے۔ اخوت اسلامی سے متحد ہو کر تمام مسلمان عربی تمدن اور نت نئی فتوحات حاصل کرنے کے خواہشمند بن گئے۔ چونکہ مفتوح اقوام کو ان کے مذہب پر قائم رہنے دینا فاتحین کے لئے مالی مفاد کا ذریعہ تھا اس لئے انھوں نے مفتوح اقوام کو پوری آزادی دی۔"

اس بیان میں پروفیسر صاحب سے کئی مقامات پر لغزش ہوئی ہے تاہم یہ ظاہر ہے کہ انھوں نے کس قدر صاف گوئی سے کام لیا ہے۔

مغربی فاضل مسٹر گب (H. A. R GIBB) اپنی کتاب "محمڈن ازم" میں یوں لکھتے ہیں۔

"مفتوح علاقوں کے عوام نے مسلم عربوں کی کامرانیوں کو محض اپنے حکمرانوں کا ہی بدل جانا کہا کیونکہ نہ تو ان کے تمدن کو چھیڑا گیا اور نہ ان کی عبادت گاہوں پر مسلمانوں نے قبضہ کیا۔ بلکہ اس کے برعکس ان کو ہر طرح سے پوری مذہبی آزادی دی اور ان پر کسی قسم کا جبر و تشدد نہ کیا گیا۔ ہاں مسلم عربوں نے آہستہ آہستہ مغربی ایشیا اور مصر کے عوام کے تمدنی نظریات کو اسلامی نظریہ پر ڈھال لیا اور اس طرح بتدریج مذہبی اور ذہنی تمدن کو عربی تمدن کی شکل دے دی۔"

بالفاظ صحیح تر تمدنی اور مذہبی آزادی، وہ جبر و تشدد کا نہ ہونا ایسی صفات تھیں جنھوں نے مغربی ایشیا اور مصری عوام کے دلوں کو موہ لیا اور انہیں اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ اب ایک اور غیر مسلم مورخ سے اسلامی لشکروں کی فتوحات کے وجوہ سنئے۔

مشہور مغربی مفکر اور عالم مسٹر ویل ڈیورنٹ (WILL DURANT) نے اپنی کتاب "دی ایج آف فیتھ" (THE AGE OF FAITH) میں یوں لکھا ہے۔

مسلمانوں کی فتوحات کے وجوہ

"مسلمانوں کی فتوحات کے کئی وجوہ ہیں جن کے باعث مسلمان برابر فتوحات حاصل

کرنے چلے گئے۔

(۱) **اقتصادی** - آنحضرت صلعم کی پیدائش سے قبل کی صدی میں عربستان کی زرعی زمین کی آبپاشی کے وسائل برباد ہو چکے تھے۔ لہٰذا اس ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کو جب زمین کی کم پیداوار نے پریشان کیا تو عوام دوسرے ممالک میں زرعی زمین حاصل کرنے کے شوق میں بڑی مسلم لشکروں میں شامل ہو گئے۔

(۲) **سیاسی حالات** - بازنطینی اور فارس (ایران) کی حکومتوں نے باہمی جھگڑوں میں ایک دوسرے کے خلاف بیجا تباہی اور بربادی مچائی تھی۔ لہٰذا دونوں حکومتیں زبوں حالی و لاچاری کے درجہ تک پہنچ گئی تھیں۔ اس وجہ سے دونوں حکومتوں کو زوال کا منہ دیکھنا پڑا۔ ان حکومتوں کے حکمرانوں نے ایک طرف بڑھتے ہوئے مصارف کے پیش نظر بہت زیادہ محصول بڑھا دیئے، اور دوسری طرف جب نظم کا خاتمہ ہو گیا تو ملک کی حالت بگڑ کر ختم ہو گئی۔

(۳) **قومی جذبہ** - روما کی حکومت کے مقبوضہ علاقے شام و عراق کے باشندے عرب نسل کے تھے۔ لہٰذا جب عربوں نے روما کے ملک پر حملہ کیا تو اس علاقے کے عربی نژاد عوام بھی قومی جذبہ کی رو میں بہہ گئے اور حملہ آوروں کے حلیف و معاون بن گئے۔ علاوہ ازیں چونکہ روما کی حکومت میں مذہبی رواداری نہ تھی لہٰذا یہود، نصاریٰ اور دیگر مذہبی فرقوں کے رہنماؤں اور عوام کے دل حکومت کے جبر و تشدد سے کٹھے ہو چکے تھے۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ شام کی فتح میں انہی اقوام اور انہی مذہب کے لشکریوں کی اکثریت تھی۔ لہٰذا ان اقوام نے اوّل اوّل تو اسلامی لشکر کے میر کو جزیہ دینا قبول کر کے امان حاصل کر لی اور پھر اسلام بھی قبول کر لیا۔ اس کے بعد جوں جوں اسلامی لشکروں کو فتوحات حاصل ہوتی گئیں۔ ویسے ویسے اشاعت اسلام کی رفتار بڑھتی گئی۔

اسلامی لشکروں کے امیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت ہی زبردست عقیدتمند اور جذبۂ ایثار سے سرشار ہوتے تھے۔ وہ لڑائیاں لڑنے کی بہ نسبت اپنا زیادہ وقت

نمازوں کی ادائیگی میں صرف کرتے تھے۔ اُن میں اسلامی جذبہ اس قدر تھا کہ وہ جہاد کے وقت شہادت کو زندگی سے اس لئے افضل سمجھتے تھے کہ میدانِ جنگ میں شہادت کا رتبہ حاصل کرنے سے اُن کے لئے بہشت کے دروازے کھل جائیں گے۔

(۷) **اخلاقی اثرات** ۔ مشرقی ممالک کے عیسائی پادریوں اور کنیسا کے راہبوں نے وہاں کے عوام کو جنگ سے اُتنا ہی متنفر کر دیا تھا۔ جتنا کہ اسلامی تعلیم و عربی تمدن نے عربوں کو شہادت کے جذبے سے سرشار کر دکھایا تھا۔

(۸) **اسلامی لشکر** ۔ نہایت ہی منظم اور جفاکش ہوتا تھا۔ ان کے سالار انہیں نہایت قابلیت سے لڑاتے تھے اور مالِ غنیمت سے ان کی جھولیاں بھر دیتے تھے۔ گو اسلامی مجاہدین جنگجو نہ تھے اور نہ وہ جاہل تھے۔ پھر بھی وہ خالی پیٹ نہایت عرصہ سے اس امید پر لڑتے تھے کہ جنگ میں فتح پا کر وہ دشمن کے مالِ غنیمت سے پیٹ بھر کر کھانا کھا سکیں۔

(۹) **اسلام یا جنگ** ۔ دشمنوں کو اسلام قبول کرو یا پھر جنگ کی دھمکی (الٹی میٹم) نہ دی جاتی بلکہ ان سے کہا جاتا تھا کہ اسلام قبول کرو۔ ورنہ جزیہ دو اور اگر یہ دونوں شرائط منظور نہیں ہیں تو پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

آخر میں یہ بات بھی یاد رکھنی لازمی ہے کہ اسلامی فتوحات کے دائرے کو بڑھانے کے لئے دفاعی منصوبہ بنانا لازمی ہوتا ہے۔ اور اس کو تکمیل دینے کے لئے اور ضروریات بھی ہوتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا عرب فاتح فوجوں میں غریب مگر اولوالعزم مجاہدین کی تعداد بہت بڑھتی گئی۔ اُس وقت یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ ان غریب لشکریوں کے پیٹ بھرنے کے لئے نئے ملک فتح کرنے ضروری ہیں۔ جہاں سے ان کے لئے ذریعہ معاش اور خورد و نوش کا انتظام کیا جا سکے۔ لہذا ہر اسلامی فتح نے خود بخود دوسری کامیابی کے لئے ذوق و شوق پیدا کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر کامرانی کے بعد مزید فتوحات ضروری سمجھی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں کی فتوحات ، ونڈلوں کی کامیابیوں سے کہیں تیز تر اور منگولوں کی فتوحات

سے کہیں زیادہ پائیدار اور مستحکم تھیں۔ لہٰذا یہ ماننا پڑتا ہے کہ دنیا کی دنیاوی تاریخ میں اسلامی فتوحات کی سی ایک مثال بھی نہیں ملتی اور اسلامی فتوحات یکتائی و عظمت و وسعت میں اپنی مثال آپ ہی ہیں۔"

فاضل ڈیورنٹ نے اسلام کے مخالفین کی غلط بیانی کا جو جواب دیا ہے کہ اس پر مزید کسی تبصرے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اب مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی رواداری کا حال ایک اور فاضل ادیب کے تاثرات پڑھیئے۔

مسٹر جارج کرک (GEORGE KIRK)

اپنی تصنیف "دی شارٹ ہسٹری آف دی مڈل ایسٹ" میں لکھتے ہیں:

"قدرتی طور پر لازم تھا کہ نئی عرب حکومت اپنی کروڑہا کی تعداد میں غیر مسلم رعایا کو جسے تعداد کے اعتبار سے اس حکومت میں اکثریت حاصل تھی آئین کے رو سے ایک الگ حیثیت دے دینے کے بعد اس کی قومی حیثیت کو تسلیم کرے۔ اس مسئلہ میں آنحضرت صلعم کے جانشینوں نے حضورؐ کی حدیث کی پیروی کی، اور جس طرح رسول اللہ صلعم نے شمالی حجاز کی عیسائی اور یہودی رعایا کو سالانہ جزیہ کی ادائیگی کی صورت میں آزادانہ زندگی بسر کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اب حضرت عمرؓ نے انہی مراعات سے زردشتیوں کو نوازا جو عیسائیوں اور یہودیوں کو دی گئی تھیں اور ان کو بھی ذمیوں میں شمار کر لیا۔

کسی ذمی کو جبراً مسلمان بنانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کیونکہ ذمیوں سے جزیہ وصول کر کے فاتح عربوں کی ضروریات کو پورا کیا جاتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ ان کو تبدیلی مذہب کی رغبت نہ دلائی جاتی تھی۔ کیونکہ اس طرح جزیہ کی آمدن میں خسارہ کا اندیشہ ہوتا۔

چونکہ ذمیوں پر شرعی قوانین عائد نہ ہوتے تھے۔ لہٰذا غیر مسلم اپنی قوانین کے تحت زندگی بسر کرتے تھے۔ جو عہد نامہ صلح میں درج کر دیئے جاتے تھے۔ ان قوانین کو چلانے والی عدالتوں کے حاکم بھی غیر مسلم ہوتے تھے۔ اس طرح غیر مسلموں کے

دینی مسائل اُن کے مذہبی پیشوا ہی طے کرتے تھے۔ اسلامی ممالک میں یہ طریق کار سلطنتِ ترکیہ عثمانیہ کے زوال تک جاری و ساری رہا۔ بلکہ بہت سے اُن مشرقی ممالک میں ابھی تک جرگہ اور پنچایت کا رواج قائم ہے جنھوں نے جدید قسم کے غیر مذہبی قوانین اپنے اُوپر نافذ نہیں کئے۔

اب آپ جرمن فاضل کے قلم سے یہ پڑھیئے کہ عربوں کی فوج کیونکر خود بخود بڑھتی گئی اور کیونکر اشاعت اسلام میں توسیع ہوتی گئی۔

جرمن فاضل مورخ وان کریمر (VON KREMER) نے اپنی کتاب "دی اورینٹ انڈر دی کیلف" میں لکھتا ہے:-

"روم اور ایران کے سرحدی شہروں میں ایسے عرب آباد تھے جو ان میں کسی ایک حکومت کے تنخواہ دار ملازم ہوتے تھے۔ وہ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر حملہ آور مسلم عربوں کے ساتھ مل گئے تھے۔ اور انھوں نے اپنے ہم قوم فاتح عربوں کا مذہب (اسلام) اس غرض سے قبول کر لیا تھا کہ وہ نہ صرف مالِ غنیمت کے حق دار بن جائیں۔ بلکہ بیت المال کے اُن وظائف کے بھی حق دار سمجھے جائیں۔ جو نومسلموں کو مدینہ سے ملا تھا۔ لہٰذا جب ایک چھوٹی سی مسلم عرب فوج عراق اور شام میں حملہ آور کی صورت میں داخل ہوئی تو تھوڑے سے ہی عرصہ میں اس کی تعداد حیرت انگیز طور پر بڑھ گئی۔ یہ ایک ایسا سیلاب تھا کہ اس کے سامنے جو رکاوٹیں آئیں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئیں۔"

مقامِ فکر ہے کہ ایک پیغمبر اور ویران وادی میں ایک انسان تن تنہا خدا کی وحدانیت کا اعلان کرتے ہوئے عوام کو دعوتِ اسلام دیتا اور مذہب اسلام کا آغاز کرتا ہے پھر ہجرت کا منصوبہ اس کی تکمیل کا باعث بنتا ہے۔ اس تکمیل کا بنیادی پتھر جنگ نہ تھا۔ بلکہ صلح حدیبیہ تھی۔ جو دنیا میں اپنی قسم کی نرالی جنگ۔ جس میں نہ جنگ ہوئی اور نہ خون بہا۔ یہاں تک کہ زبانی تو تکار بھی نہ ہوئی۔ بلکہ مصالحت اور ایسی مصالحت جس کی سیاسی گہرائی کو بعض مسلم مورخین نے بھی نہ سمجھا اور وہ یہ کہہ گئے کہ صحابہؓ نے

آنحضرت صلعم کی کئی وجوہ سے مخالفت کی اور اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ
نے اپنے کلامِ پاک میں اسے 'فتح مبین' کے لقب سے پکارا۔ لہٰذا اگر غیر مسلم اس مسئلہ
اور اس بے مثال حکمتِ عملی کو نہ سمجھیں تو ہمیں تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ یہی وہ ذہنی
شکست تھی جس کی مدد سے خالدؓ نے بار بار اپنے حریفوں کو مجبور و لاچار کر دیا تھا۔
اس حکمتِ عملی پر کارگر طریق سے عمل کرنے والا نہایت غیر معمولی عزم کا انسان ہونا چاہیئے۔

اسلامی لشکروں کے پاس 'ایمان' - 'عمل' اور 'نظم' جیسے اثاثے تھے۔ بغیر
اُن کی جدوجہد فی سبیل اللہ تھی۔ لہٰذا نہ تو اس میں طمع، لالچ یا نفس پرستی کو دخل تھا
نہ ظلم و تشدد کو۔ یہی وہ آراستہ مرتبہ تھے جنہوں نے بقول مغربی مورخین
قیصرِ روما اور کسریٰ ایران کے کثیر تعداد شاہی لشکروں کو قلیل التعداد عربوں کے
بادشاہوں کا وفادار رہنے کی بجائے حملہ آوروں کا حلیف بنا دیا۔

وہ جفاکش اور باعزم تھے۔ اُن میں باہمی اتحاد و اعتماد تھا۔ وہ جذبۂ ایثار
و قربانی سے سرشار اللہ تعالیٰ کے لئے موت کو زندگی پر ترجیح دیتے تھے۔ یہی
خوبیاں حکومتوں کی قسمتیں بدلتی آئی ہیں اور اب بھی بدل سکتی ہیں۔ انسان کے
لئے تیروں کی بوچھاڑ وہی اثر رکھتی ہے جو ایٹم بم کی ہولناکی۔ کیونکہ دونوں
کا مقصد مقابل کی موت ہے۔

'ایٹم' کو چلانے والا اور 'پش بٹن' کے آلاتِ حرب کو جنبش دینے
والا انسان ہوگا۔ جسے موت سے زندگی عزیز ہے۔ اگر یہ حاکم مسلم ہے تو پھر بلا تردد
وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ نہ تو جارحانہ کارروائی کرے گا۔ اور نہ قتال کی۔ کیونکہ
ان دونوں کو قرآن مجید نے حرام قرار دیا ہے۔

آخر میں ہم پھر اس کا اظہار نہایت ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر دنیا اسلامی نظریہ
کو اختیار کر لے تو [illegible] اور کام بالکل سہل ہو جائے گا۔ اور اگر اسلامی ملت
پھر سے ایک خالدؓ جیسا انسان پیدا کر دے تو وہ ملت کو پستی کے غار سے نکال کر
کمالِ اوج پر پہنچا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت خالد الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غریقِ رحمت کرے کہ ہمارے لئے کتنی بہترین مثالیں چھوڑ گئے ہیں۔ آمین ثم آمین

آپ نے فرمایا :-

"میں ایک سپاہی کی حیثیت سے بھی جہاد کروں گا"

آپ نے دمِ نزع وصیت فرمائی :-

"میرے گھوڑے اور اسلحہ کا خیال رکھنا، اور اسے اللہ کی راہ میں تیاری کے لئے دے دینا۔"

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

محمد اکبر خان

عظیم اسلامی فنِ حرب کے شاہکار
(از جنرل محمد اکبر خان)
حدیثِ دفاع
ہمارا دفاع

تاریخ و ثقافت

○ تاریخ ملکِ عراق - پروفیسر محمود بریلوی

تاریخ ملک عراق محض عراق کی تاریخ ہی نہیں بلکہ یہ از اوّل تا آخر اسلام کے عہد بعہد کی جامع تاریخ ہے۔ اسے چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب قبل از اسلام کی عراقی تاریخ سے متعلق ہے۔ جسے سات مضامین میں بانٹا گیا ہے۔ دوسرے باب کا آغاز عراق کی اسلامی تاریخ سے ہوتا ہے۔ اس اہم باب کو تین مضامین پر پھیلایا گیا ہے۔ تیسرے باب میں عراق کی تباہی کا بیان ہے اور چوتھا باب موجودہ صدی کے ابتدائی پچاس سال کے تازہ ترین واقعات پر مبنی ہے۔ کتاب میں کم و بیش ایک درجن نقشے، خاندانی شجرے اور متعدد تصاویر شامل ہیں۔ اور اردو ٹائپ نے اسے اور بھی خوبصورت بنا دیا ہے۔ قیمت چھ روپے صرف۔

○ اِسلامی تہذیب - ترجمہ تقاریر علامہ محمد مارماڈیوک پکتھال

شہرہ آفاق نومسلم مستشرق علامہ محمد مارماڈیوک پکتھال کی اُن تقاریر کا اُردو ترجمہ ہے جو آپ نے ۱۹۲۷ء میں مدراس میں کیں۔ ان تقاریر میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے عروج و زوال کی عبرتناک داستان بیان کی گئی ہے۔ سائز ۲۰ × ۳۰/۱۶ صفحات ۱۸۶ - قیمت دو روپے چار آنے۔

○ نظارے خوش گزرے - عبدالحمید خاں

مقاماتِ مقدسہ اور یورپ کا یہ سفرنامہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں عام طور سے اُن امور کو وضاحت سے پیش کیا گیا ہے جو ایک زائر یا سیاح کو اجنبی ہونے کی حیثیت سے پیش آتے ہیں۔ یہ کتاب زائرین مقاماتِ مقدسہ کیلئے بالخصوص اور سیاحینِ یورپ کے لئے بالعموم خضرِ راہ کا کام دے گی۔ سائز ۲۰ × ۳۰/۱۶ صفحات ۲۴۴ قیمت ۳/۸ روپے

○ کتابُ الحج - مرتبہ عبدالحمید خاں

اپنے موضوع کے لحاظ سے اُردو میں واحد کتاب ہے جس میں وجہ بنائے خانہ کعبہ، حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق ادائیگی فرائض حج گھر سے لیکر اختتامِ حج تک درج ہے۔ قیمت ۲/۸ روپے